نگارخانۂ ارضِ تاجؒ کا نقشِ مصوّر

زیرِ نظر

: ساغر نظامی سیمابی (علیگ)

پیمانہ مقاصد

(۱) پیمانہ کے اجرا کا مقصد اولین یہ ہے کہ "اُردو" تقلید اور قدامت کے عمیق غاروں سے اُبھرے اور ملک میں اجتہاد و اختراع کا جذبہ پیدا ہو۔

(۲) پیمانہ اپنے صفحات پر جدت و ندرت کے نقوش نمایاں کرنا چاہتا ہے تاکہ "مغربیات" کا سحر ادب "مشرقیات" کے طلسم کمال سے باطل ہوجائے اور شیلے، شیکسپیر، ورڈزورتھ، کارلائل یہ سب ہندوستان میں زندہ نظر آنے لگیں۔

(۳) تاریخ کے وہ کتبے کھود کر نکالے جائیں جنھیں امتداد نے دفن کردیا ہے اور جن کے پیش نظر نہ ہونے سے تاریخ عالم میں ایک متعصبانہ جانبداری پیدا ہوگئی ہے

(۴) تنقید کا وہ رنگ اختیار کیا جائے جو رعایت اور تجارت کی حدوں سے متجاوز ہو اور جس کے ذریعہ کسی چیز کی حقیقت بہ اعتبار حسن و قبح صحیح طور پر منکشف ہوسکے۔

(۵) نظم اُردو کے وہ نمونے پیش کئے جائیں جو ادب میں اضافہ خیز اور دنیائے شاعری میں ناقابل اعتراض ہوں جن سے اخلاق، تمدن، تربیت، اور تدبیر منزل میں تہذیب کی سہولتیں حاصل ہوجائیں۔

(۶) فسانے اس نوعیت کے شائع کئے جائیں جو موجودہ نوخیز نسلوں کو مستقبل قریب کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار کردیں اور جن میں محض حسن و عشق کے اسباق ضیع اوقات کا باعث نہ ہوں۔

(۷) عورتوں کو اجازت دی جائے کہ وہ اپنے خیالات و مطالب کا اظہار خود اپنے قلم سے آزادانہ کرسکیں تاکہ قومیت کے اس جزو لاینفک کے احساس واقعی سے قوم لاعلم نہ رہ جائے۔

نظامِ اشاعت

(۱) پیمانہ ہر ماہ عیسوی کی آخری تاریخوں میں جبکہ سی روزہ کاوشوں سے دل اور دماغ واماندہ و بے کیف ہوجاتے ہیں شراب سرور اور روح تازہ لیکر باتصویر شائع ہوتا ہے۔

(۲) سالانہ قیمت عہ ششماہی ؎ علاوہ محصول مقرر ہے۔ نمونہ کی قیمت ۸ ہے جس کا جلوہ کبھی مفت نظر نہیں ہوتا اور "ذوق تماشا" کی یہی کوشش نتیجتاً غیر کامیاب رہتی ہے۔

(۳) جو اصحاب عہ سال قیمت میں اضافہ منظور کرینگے اُنکی خدمت میں رسالہ "رجسٹرڈ" حاضر ہوگا۔

(۴) جواب طلب خطوط کے ساتھ ۱ر کا ٹکٹ اور قیمت ذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیے۔

منیجر پیمانہ آگرہ

نرخ نامہ اشتہارات

تعداد طبع	ایک صفحہ	نصف صفحہ	چوتھائی صفحہ	تعداد طبع	ایک صفحہ	نصف صفحہ	چوتھائی صفحہ	فحش اور شرمناک
بارہ مرتبہ	سـ٥ر	مـ٥ر	عـہ٥ر	تین مرتبہ	عـہ٥ر	وعـہ٥ر	سـہر	اشتہارات پیمانہ میں شائع نہ ہوسکیں گے
چھ مرتبہ	مـ٥ر	عـہ٥ر	بـ٥ر	ایک مرتبہ	سـہر	ـہر	ـےر	

اشتہار کے ساتھ ہی قیمت بذریعہ منی آرڈر وصول ہونی چاہئیے۔ ورنہ اشتہار درج نہ ہوگا۔ منیجر رسالہ "پیمانہ" آگرہ

آقای سردار سپہ

قیمت سالانہ مع محصول ۵

جلد (۵) پیمانہ - جنوری سنہ ۱۹۲۶ء نمبر (۱)

صفحہ تعارف

تصویر ـــ اعلیٰحضرت رضا خان شہنشاہ ایران دام اقبالہ

جرعات

پیمانہ کے اجرا کو یہ چوتھا سال ہے۔ اور اس مہینہ سے پانچویں جلد شروع کیگئی ہے۔ خدا کا شکر اور احسان ہے کہ اُسنے ہمیں استقلال اور عزم کے ساتھ اس میدان پر آشوب میں قایم رکھا، اور آج ہم دشوار گذار وادیوں سے نکل کر کامیابی کی پرسکون شاہراہ پر بہ اطمینان چل رہے ہیں۔ گذشتہ سال جو تجارب ہمیں ہو چکے ہیں، وہ مشعل راہ بننے کے لئے کافی ہیں۔ اور خدا کی لازوال برکتیں ہماری شریک کار ہو کر ہمت و حوصلہ افزا ہیں فسیکفیکہم اللہ واللہ بصیر بالعباد۔

گذشتہ مہینہ، عدم گنجایش کیوجہ سے مولوی غلام محمد خاں صاحب وفا حیدرآبادی مدیر تاج کا شکریہ ادا نہ کیا جاسکا۔ معاصرانہ ہمدردی و نوازش کا جو بہترین ثبوت آپنے اپنے اخلاق سے دیا وہ مجھے مدتوں یاد رہیگا۔ معاصرت میں اگر یکجہتی، ہمدردی، اور اتفاق ہو تو بہت سی دشواریاں آسانیوں سے بدل جاتی ہیں۔ مگر افسوس کہ اس دنیا میں بجز تعصب و حسد، ایسی قابل رشک مثالیں شاذ و نادر دستیاب ہو سکتی ہیں۔

میں ناظرین "پیمانہ" سے چند سوالات فرداً فرداً کرنا چاہتا ہوں، امید کہ تمام حضرات میری خاطر اپنی بے تکلف رائے سے مجھے فوراً ممنون فرمائینگے۔

(۱) پیمانہ میں آپ کو اپنے مذاق کے مطابق کس بات کی کمی نظر آتی ہے؟

(۲) ہر نثر مضمون کے بعد ایک نظم (جیسے پیمانہ برابر بناہ رہا ہے)، آپ کے لئے تکلیف دہ تو نہیں ہوتی۔؟

(۳) نسائیات میں آپ کس قسم کے مضامین ضروری سمجھتے ہیں؟

(۴) باب معلومات میں اب آپ کو کیا کمی محسوس ہوتی ہے؟

(۵) فسانے جتنے شائع کئے جاتے ہیں کیا ان سے زیادہ شائع ہونے چاہئیں؟

(۶) تقسیم ابواب سے آپ ناخوش تو نہیں ہیں؟

(۷) الہامات میں کسی قسم کا اضافہ یا ترمیم ضروری ہے یا نہیں؟

(۸) ڈراما (انسان) کے تواتر و تسلسل سے آپ ابھی گھبرائے تو نہیں ہیں؟

(۹) اور کوئی بات جو آپ کے خیال میں ضروری ہو؟

"پیمانہ" آپ ہی کا ہے۔ اگر آپ کے ذوق کی تکمیل پیمانہ سے نہ ہو سکے تو اس کا اجرا ایک فعل عبث سے زیادہ نہیں۔ اس سلئے لطفاً موجودہ نمبر پر ایک گہری نظر ڈالتے ہوئے اور گذشتہ جلدوں کو ملحوظ ذہن رکھتے ہوئے ایک آزاد مگر صائب رائے جلد از جلد دیجئے۔ تاکہ میں اسی کے مطابق فروری سنہ ۱۹۲۶ء کا رسالہ مرتب کر سکوں۔

اسی نمبر میں قطعلادب سے ایک نئے رسالے کے اجرا کا اعلان کیا گیا ہے۔ میں اسکے متعلق صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ "ثریا" کا مقصد و منشا۔

پیمانہ کے اغراض و مقاصد سے بالکل مختلف ہوگا۔ اور اس کا معیار بھی پیمانہ کے معیار سے الگ رہیگا۔ اس کے اجرا سے صرف یہ مقصد ہے کہ وہ لوگ جو پیمانہ کے معیار کو بلند تر کہتے ہیں "ثریا" کے متوسط پیمانہ سے فائدہ اٹھاسکیں۔ تاہم اُسکا معیار بھی ہندوستان کے بعض قلیل الحجم ارزاں رسالوں سے ممتاز اور مرجح رکھا جائیگا۔ اراکین قصر الادب، زبانِ اردو کی خدمت و حمایت میں وقت اور روپیہ کی قربانیاں کر رہے ہیں۔ اسکا بہترین معاوضہ یہ ہے کہ آپ اُن کے علمی احساس کا اعتراف کریں۔

العمارۃ اور تذکرۃ الناثرین، دونوں کتابیں اس نمبر سے شروع ہوگئی ہیں۔ اس مرتبہ وہ ادبیات کے حصہ میں شریک ہیں مگر آئندہ اُن کے اوراق رسالے کے آخر میں لگادیے جائیں گے تاکہ آپ اُنہیں بہ آسانی نکال کر الگ محفوظ کرسکیں، اور اثنائے مضامین میں ان کتابوں کا سلسلہ حائل نگاہ نہ ہو۔

قصر الادب کے علمی مشاغل روز بروز بڑھتے جاتے ہیں۔ اور اجرائے "ثریا" سے کام کی اور بھی زیادہ بڑھجانے کا یقین ہے۔ اسلئے اب ایک ایسے اسسٹنٹ کی ضرورت ہے جو مجھے مدد دے سکے۔ اور ایک مناسب معاوضہ پر دفتر پیمانہ میں رہکر کام کرسکے۔ میں اپنے اسسٹنٹ میں جو اوصاف چاہتا ہوں وہ یہ ہیں۔

(۱) انگریزی اور عربی سے واقف ہو۔
(۲) دفتری کاروبار کرسکتا ہو۔
(۳) ذوقِ شعری اور مذاقِ ادبی سے معرّیٰ نہ ہو۔
(۴) اور ہمدردی و دیانت سے میرا شریک کار ہوسکے۔

مقامی و بیرونی حضرات میں سے اگر کوئی صاحب اس خدمت کو قبول فرماسکیں تو مجھے فوراً اطلاع دیں۔ باہر سے آنے والے کو رہنے کے لئے مکان بلا معاوضہ دیا جائیگا۔ جس کی درخواست میری ضرورت کے مطابق ہوگی میں اُسے "منظوری" بھیجدونگا۔ باقی حضرات جواب کا انتظار نہ کریں۔

ہر مہینے کم از کم دو تین خط دفتر میں اُن لوگوں کے وصول ہوتے ہیں جو ناداری اور بے بضاعتی کی وجہ سے "پیمانہ" کی خریداری نہیں کرسکتے اور اکثر آخر تحریر میں انہیں مجبور کرتی ہے کہ رسالہ انکے پاس مفت بھیجا جائے۔ ان میں زیادہ حصہ طلبا کا ہوتا ہے۔ اور یہ خطوط اکثر پنجاب۔ برار۔ اور بہار کی طرف سے وصول ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ پبلک لائبریریاں، کلب اور انجمنیں بھی اس قسم کی تحریک سے ہمیں مجبور کرتی رہتی ہیں۔ پیمانہ کی تکمیل میں جتنا صرف کیا جارہا ہے۔ اُس سے سب واقف نہیں ہوسکتے۔ ہم ابھی رسالہ کی حالت اس قابل نہیں دیکھتے کہ ہر مہینے اخباروں رسالوں، اور بعض معز زنامہ نگاروں کے علاوہ بے بضاعت اہلِ ذوق کی خدمت بھی کرسکیں۔ کئی رسالے اب بھی معاتی قیمت پر اور بعض بلا معاوضہ بھیجے جاتے ہیں۔ مگر یہ مسئلہ تکلیف دہ ضرور ہے۔ اس لئے ناظرین پیمانہ سے (جنہیں قریب قریب سب ذی استطاعت ہیں

ہمیں استصواب کی ضرورت ہے کہ اگر وہ منظور فرمائیں تو ہم ایک "بیت الاغانت" دفتر پیمانہ میں کھولدیں۔ اس مد میں جو حضرات روپیہ ارسال فرمائیں گے وہ علیحدہ محفوظ رہیگا۔ اور اس کے ذریعہ اُن لوگوں کے نام رسالہ جاری کردیا جائیگا جن کی درخواست دفتر میں وصول ہوگی اور جو اپنی کم مائیگی کا ایک معتبر ثبوت بھی دے سکیں گے۔ آمد و خرچ کا حساب باقاعدہ پیمانہ میں شائع ہوتا رہیگا۔ چونکہ اس ایثار و تحریر میں ہم بھی حصہ گیر ہونے کے آرزومند ہیں اس لئے اگر یہ فنڈ کھل گیا تو علاوہ فی سال زرقیمت میں ہم بھی تخفیف کردیں گے اور اس قسم کے مستحقین کے نام بجائے چہ کے علیعہ رہیں رسالہ جاری کردیا جائیگا۔ یہ رعایت بھی ہمارے امکان سے زیادہ ہے۔ اور ہم مجبور ہیں کہ اس تحریک و ایثار کے بعد کوئی اور صورت نوازشِ کم مایگی کی ہمارے پاس ممکن العمل نہیں ہے۔

گذشتہ جوبلی کے موقع پر علیگڈھ میں ایک مناظمہ اور ایک مشاعرہ بھی ہوا تھا۔ دونوں مواقع پر مجھے شریک ہونا ناگزیر تھا۔ چنانچہ میں شریک ہوا۔ مناظمہ میں میری نظم ایک کامیاب نظم ثابت ہوئی۔ جناب علی نقی صاحب سب اور ڈی بینٹ جج نے ۵ مسلم یونیورسٹی کو اس لئے عنایت فرمائے کہ وہ اس نظم کو چھپوادے۔ پانچ روپیہ ایک اور بزرگ نے نظم پر نچھاور کئے۔ مشاعرہ میں بھی میری غزل کامیاب رہی۔ اپنے قلم سے ان واقعات کے اظہار کی ضرورت نہ تھی۔ مگر مجھے یہ دیکھکر سخت تعجب ہوا کہ کسی اخبار یا رسالے نے اس امر واقعہ کا ذکر تک نہیں کیا۔ نہ مناظمہ و مشاعرہ کا حال لکھا۔ جبکہ جوبلی اور اس کے متعلقات کی تفسیر و تشریح میں کالم کے کالم سیاہ کرڈیے گئے تو ان دونوں جلسوں نے کیا قصور کیا تھا کہ انہیں تشنۂ توضیح رکھا گیا۔ یہ بخل ادارت اور تعصب محض ہے جس سے میرے معاصرین لبریز ہیں اگر پنجاب یا دکن کا کوئی شاعر ان جلسوں میں کامیاب ہوتا یا مغربی حصۂ ممالک متحدہ کا کوئی ناظم میری طرح باردر ہوجاتا تو متعدد مرتبہ اس کا ذکر کیا جاتا مگر معلوم نہیں میرے معاصرین کو مجھی سے کاوش کیوں ہے؟ چونکہ ان واقعات کو جوبلی سے خاص تعلق تھا، اور ان پر دانستہ پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی تھی، اسلئے میں نے پردہ کشائی مناسب سمجھی۔ یہ کوئی گناہ تو نہیں ہوا؟

ایڈیٹر

ایک کاتب کی ضرورت ہے

دفتر "پیمانہ" کو ایک زود نویس اور خوشخط کاتب کی ضرورت ہے۔ درخواست مع نمونۂ خط (جلی، خفی، نسخ و نستعلیق) جلد از جلد آنی چاہئے۔

منیجر پیمانہ۔ قصر الادب آگرہ

ادبیات

پیمانہ

جنوری ۱۹۲۶ء

خلاصۃ الباب :-

بازگشت

تبصرۂ کلام غالبؔ کا تجزیہ

آج سے پانچ چھ برس پہلے ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم نے دیوان غالب کا ایک عدیم النظیر مقدمہ لکھا تھا جو سب سے پہلے "اردو" کی آغوش میں متجلی ہوا آج وہی مضمون بصورت تجزیہ "پیمانہ" میں ہدیۂ نظر ہے۔ میری محنت اس میں صرف اسقدر ہے کہ باوجود حذف و تخفیف، ربط و تسلسل عبارت میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوا۔ اور تبصرہ کی صورت ایک ادبی مضمون میں متشکل ہوگئی۔ فن شعر اور اسکے متعلقات پر جس جدت تخیل اور ندرت تحقیق کے ساتھ فاضل بجنوری نے بحث کی ہے اُسکی ہنگامہ آرائی جسطرح اُنکی زندگی میں سماعت فریب تھی اُسی طرح آج بھی فضائے ادب میں گونجیگی۔ اور اسی جہت سے میں نے اسکا عنوان "بازگشت" قائم کیا ہے۔ بازگشت میں ہر صدا کے بعض حصے فضا میں کھوجاتے ہیں اور اصوات والفاظ کا مکمل انعکاس ہوا میں نہیں ہوتا بعینہ یہ کیفیت اس مضمون میں نظر آئے گی۔ جو حصہ تنقید اراداتاً حذف کردیا گیا ہے اُسے اُن فضاؤں میں منجذب سمجھیے جو ارض محسوس اور فردوس مستور کے درمیان پھیلی ہوئی ہیں۔ اور جن میں لاکھوں خوش ہنگام نغمے بربط و رباب کی غیرفانی موسیقی کے ساتھ ہمیشہ کے لئے محوخواب ہیں۔ (ایڈیٹر)

شاعری کو اکثر شعرا نے اپنی حدِ نگاہ کے مطابق حقیقت اور مجاز، جذبہ اور وجدان، ذہن اور تخیل کے لحاظ سے تقسیم کیا ہے۔ مگر یہ تقسیم خود اُن کی نارسی کی دلیل ہے۔ شاعری انکشاف حیات ہے۔ جس طرح زندگی اپنی نمود میں محدود نہیں، شاعری بھی اپنے اظہار میں لاتعین ہے۔

جمال الٰہی ہر شے میں رُونما ہوتا ہے۔ آفرینش کی قدرت، جو صفات باری میں سے ہے شاعر کو بھی ارزانی کی گئی ہے۔ جہاں ملائکہ کارخانۂ ایزدی میں پوشیدہ حسن آفرینی میں مصروف ہیں، شاعر یہ کام علی الاعلان کرتا ہے۔

شعر کی بنیاد عروض پر قائم ہے۔ عروض موزونیت کی میزان میں الفاظ کے تولنے کا نام ہے۔ نقطۂ تعدیل کو پانے کے لئے صدہا نازک سے نازک اور گراں سے گراں اوزان سے کام لیا جاتا ہے۔

بہت سے شعرا جن میں اُستاد شامل ہیں عروض کو شعر کی تکمیل کے لئے کافی خیال کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ عروض کا مدعا اُس موسیقی کیطرف سامعہ کو رہنما کرنا ہے جو قالبِ شعر کو اپنے دخل سے زندہ کرتی ہے۔ اگر شعر از روئے مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن درست ہو لیکن آہنگ تشنہ رہ جائے تو خام ہے۔ ایسا شعر مثل ایک آئینہ کے ہے جو گلخن سے سالم اور درست باہر آئے لیکن صیقل سے محروم رہے۔

اوزانِ مل میں "فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات" ایک نہایت مستعمل بحر ہے۔ الفاظ نہایت آسانی سے اس کا جامہ قبول کرلیتے ہیں۔ شعرائے اُردو اکثر اس کو کام میں لاتے ہیں لیکن عیب اس میں یہ ہے کہ مصرعوں میں رقص صوتی کم پیدا ہوتا ہے

مثلاً یہ فارسی شعر ؎ ہر کہ خواہد گو بیاید ہر کہ خواہد گو برو ✦ گیر و دار و حاجب و دربان درین درگاہ نیست

جو وصل و ترکیب کی بیش بہا مثال ہے، باوجود استاد کی کاوش و کاہش کے معیار رسا نہیں ہوا اس کے مقابلہ میں یہ ترانہ ریز شعر

ملاحظہ ہو ؎ ہم نشیں مت کہہ کہ برہم کر نہ بزم عیش دوست ✦ واں تو میرے نالہ کو بھی اعتبار نغمہ ہے

اس شعر کی موسیقی کی خوبی بلا امداد ساز و ترنم کے ترتیل سے دریافت ہوسکتی ہے۔

۲۔ تنازع البقا میں مغلوب ہوکر ایشیائی ایسے مرعوب ہوگئے ہیں کہ اپنے ہر فعل و خیال کا موازنہ مغربی اقوال اور آرا سے کرنے لگے ہیں۔ یہ وہ غلامی ہے جس کی زنجیروں کو تلوار بھی نہیں کاٹ سکتی۔ کیا تعجب ہے اگر اس یورپ زدگی کے زمانہ میں طالب علم اور انگریزی تعلیم یافتہ مرزا غالب کا شیکسپیر، ورڈسورتھ اور ٹینی سن سے مقابلہ کرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ افسوس یہ کوتاہ نظر یہ نہیں جانتے کہ شاعری اور تنقید پر کیا دانستہ ظلم ہوتا ہے۔

صلاح الدین خدابخش نے غالب کا مقابلہ ہائن رش ہائی نے (Heinrich Heine) المانی شاعر سے کیا ہے کہاں ہائن رش ہائی نے (Heinrich Heine) محض مغنی جو عشق و الفت کے مضامین بصورت قطعات افسردگی کے ساتھ بیان کرکے خاموش ہوجاتا ہے۔ کہاں غالب، جو دنیا کو اطلس کی مثال اپنے شانوں پر اٹھائے ہوئے ہے۔ اور جس کا سرود سیارہ بہ سیارہ ہوتا ہوا فلک الافلاک تک پہونچتا ہے۔

۳۔ زبان ارضی ہے اور شاعرانہ خیالات سماوی ہیں۔ ان دونوں کو وصل دینا گویا لطیف روح اور مکدر مادہ سے جسم تیار کرنا ہے۔ شعرا گو تلامذ الرحمٰن ہیں لیکن ان میں بھی یہ قدرت نہیں کہ اپنے خیالات کا کامل اظہار کرسکیں۔ جو خیالات دل میں موجزن ہوتے ہیں وہ اصلی لطافت کے بہت کچھ ضائع ہوئے بغیر روئے خیال سے روئے قرطاس تک نہیں آسکتے[۵۱]۔

بعض اشعار کا مفہوم پانے سے ذہن مطلقاً قاصر ہے۔ تخیل عرصۂ امکان میں ہر جانب پرواز کے بعد مجبور واپس آجاتا ہے۔ گویا ایک دائرہ ہے جس سے گریز ناممکن ہے۔ بہت سے نقاد اس کو کیف شراب پر محمول کرتے ہیں ایسا نہیں ہے گوئٹے (Goethe) کے اعلیٰ ترین کلام پر جو فاؤسٹ (Faust) حصۂ دوم میں ہے یہی اعتراض ہر جانب سے کیا گیا تھا۔ ایک دن ایکرمان نے گوئٹے سے دریافت کیا کہ اس اشکال کا کیا باعث ہے۔؟

گوئٹے نے جواب دیا یہی تاریکی تو ہے جس پر لوگ فریفتہ ہیں۔ لوگ ان مقامات پر لاینحل مسائل کی مثال غور کرتے ہیں اور ناکامیابی سے نہیں اکتاتے۔ انسانی طلب کی انتہا تحیر ہے۔ اگر کسی فعل سے حیرت پیدا ہو تو وہ کمال فن ہے۔ اور اس بات پر اصرار نہ کرنا چاہیئے کہ اس کے پس پشت کیا ہے۔ لیکن بچے جب آئینہ میں اپنا عکس دیکھکر حیران ہوتے ہیں تو نادانی سے پشت آئینہ کو بھی دیکھنے لگتے ہیں[۵۲]۔

---

۵۱ ملاحظہ ہو "تنقید شعر" حضرت جوش ملیح آبادی کی وہ نظم جو دسمبر کے پیمانہ میں شائع ہوئی ہے۔ ایڈیٹر

۵۲۔ جو لوگ سریع الفہم اشعار کو کمال شاعری سمجھتے ہیں انھیں اس رائے پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ایڈیٹر

(۴) فنون لطیفہ میں خوشنویسی نگاری کو فن تعمیر سے بہت زیادہ مشابہت ہے۔ الفاظ وہ خشت و گل چوب اور آہن ہیں جن سے ادبیات کی عمارت عبارت ہوتی ہے۔ میر حسن دہلوی کی طرح اطالوی شاعر ارسٹو "Ariosto" نے اپنے دیوان میں عجیب گلکار آئینہ بند منور اور پر عشرت محلات تیار کئے ہیں کسی نے اُس سے دریافت کیا کہ اسے غریب کاشانہ نشین شاعر یہ ساز وسامان کہاں سے پایا؟ ارسٹو نے جواب دیا "الفاظ خشت و سنگ سے ارزاں ہیں"

مُرادفات کو محض مولفان لغت نے طلبا کی سہولت کی غرض سے وضع کرلیا ہے۔ ورنہ ایک معنی کے دو الفاظ کسی زبان میں نہیں ہیں۔ توام بچے کتنے ہی ہم صورت ہوں ان کو ایک دوسرے کی عارض غیر حاضری میں بھی ایک سمجھنا فاش غلطی ہے۔ غالب نے ایک لفظ کو جہاں تک ہوسکا ہے دوبارا استعمال نہیں کیا۔ اسکی وجہ سحبان اوائل کی طرح یہ نہیں ہے کہ وہ کسی لفظ کی تکرار نہیں کرتے بلکہ یہ ہے کہ وہ کسی خیال کا اعادہ نہیں کرتے زبان ارتقا کی پابند ہے۔ الفاظ بے جان نہیں بلکہ زندہ ہیں۔ گو منطق کے قواعد لا تبدیل ہیں لیکن تصورات بمرور وقت تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور چونکہ تصور کے زبان سے ادا کرنے کا نام ہی لفظ ہے، الفاظ بھی تغیر کا تقاضا رکھتے ہیں۔ اگر یہ تجدید عہد بعہد نہ ہوتی رہے تو زبان کہنہ اور پارینہ ہوجائے۔ زبان کی تجدید مذہبی یا تمدنی اصلاح سے آسان نہیں۔ جسطرح رواج پر غالب آنا مشکل ہے محاورہ کا مٹانا بھی مشکل ہے۔ بہت سے ادیب اس نکتہ سے غافل ہیں کہ خوب سے خوب محاورہ بلحاظ عمر آخر ضعیف ہوکر بے جان ہوجاتا ہے۔ چنانچہ اُردو میں اسوقت بہت سے محاورات ہیں جو حقیقت میں الفاظ اور محاورات کی "ممیاں" ہیں۔ قاعدہ ہے کہ جہاں نیا خیال پیدا ہوتا ہے وہاں نیا لفظ خود بخود پیدا ہوجاتا ہے۔ ہر جان اپنا جسم خود ہمراہ لاتی ہے۔

میکائیل انجلو (Michael Angelo) کا قول ہے کہ مجسمہ ساز مورت کو مرمر تراش کر نہیں بناتا۔ بلکہ حقیقت میں مُورت ابتدا ہی سے سنگ سفید میں موجود اور جلوہ نمائی کا منتظر و متقاضی ہوتا ہے۔ اُستاد کامل محض پتھر کی عارضی چادر کو علیحدہ کردیتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قواعد منطق کا خارجی پہلو ہے۔ اور شاعری منطق سے آزاد ہے۔ علم القواعد کا کام تقریر اور تحریر میں صحت پیدا کرنا ہے۔ کلام میں لطافت پیدا کرنا نہیں۔ اسلئے بعض اوقات شاعر کو اپنے جذبات کے کامل اظہار کے لئے قیود سے آزادی حاصل کرنا ضروری ہے۔

فنون لطیفہ میں موسیقی یا مُصوری کی تحصیل کے لئے علم الاصوات اور علم الالوان کا جاننا لازمی ہے۔ لیکن گاہ گاہ ایک ایسا آتش نفس مغنّی اور مانی قلم مصور پیدا ہوتا ہے جو بلا تعلیم اپنے زمانہ کا مجتہد ہوتا ہے۔ بعینہٖ کبھی کبھی ایک ایسا پیغمبر سخن دنیا میں آتا ہے جو نظریات اور قواعد زبان سے آزاد اور صرف روح القدس کا ترجمان ہوتا ہے۔[۵]

(۵) تشبیہات اور استعارات کی بنیاد قیاس پر قائم ہے۔ تشبیہہ یا استعارہ کا پہلا کام معنی آفرینی ہے۔ کسی امر کو کتنا ہی واضح

---

۵ "پیمانہ" کی مجتہدانہ ادبیات پر جن طبقات میں حرف گیری ہوتی رہی ہے کاش اُن تک مرحوم ادیب بجنوری کی یہ آواز پہونچ سکے۔ (ایڈیٹر)

بیان کیا جائے ذہن مفہوم کے پانے سے قاصر رہتا ہے۔ لیکن ایک مشابہ مثال کام دے جاتی ہے۔ بہت سے دشوار اور غریب اشعار حل نہیں ہوتے لیکن ایک مقابل شعر فوراً مضمون کو آئینہ بنا دیتا ہے۔ تشبیہہ یا استعارہ کا دوسرا کام حسن آفرینی ہے۔ تشبیہات اور استعارات تصویر نظم کے بوقلمون الوان ہیں۔ جنکی آمیزش بغیر تصویر اکثر تکمیل حیات کو نہیں پہونچتی اور بے رنگ رہ جاتی ہے۔ تشبیہہ یا استعارہ کا تیسرا کام اختصار اور بلاغت پیدا کرنا ہے۔ جو بات دو لفظوں میں ادا ہو جاتی ہے دوسری طرح دو سطروں میں بیان نہیں ہو سکتی۔

اردو شاعری میں جو تشبیہات اور استعارات قدیم ہیں اور جو دور بدور چلے آتے ہیں اُن کو اصول مسلمہ خیال کیا جاتا ہے اور شعراء اُن سے بال برابر تجاوز کرنا گناہ خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ بقول مولانا حالی معشوق کی صورت کو چاند، سورج یا جنت سے آنکھ کو نرگس بادام یا بیمار سے ابرو کو کمان یا محراب سے، مژہ کو تیر سے: لبوں کو نبات یا ابجیات سے، منہ کو غنچہ سے، کمر کو بال سے، اور دونوں کو عدم سے مشابہ قرار دینا مخصوص اور لازم ہو گیا ہے جسطرح ہر زمانہ کی تصویروں کا رنگ و روغن علحدہ ہونا بہ تقاضائے وقت لازمی ہے ہر زمانہ کی تشبیہات اور استعارات کا جدا ہونا بھی ضروری ہے۔

صاحب نظر ایک نگاہ میں محض رنگ سے بتا سکتے ہیں کہ تصویر مصر کے عہد اولین سے، ہندوستان کے عہد اخفیا سے یا فرنگ کے قرون وسطی سے، یا اطالیہ کے زمانۂ احیا سے متعلق ہے۔ ہر عہد کے مصور اپنا رنگ بھی اپنے ہمراہ لاتے ہیں۔ طلیان (Titian) کے رنگوں میں ہی وہی سکون ہے جو اس کے جنبش قلم میں ہے اور گاگین (Gauguin) کے رنگوں میں ہی وہی ہیجان ہے جو ارتعاش اوسکے تخیل میں ہے۔

مولنا شبلی نے صنائع اور بدائع کے متعلق بحث کرتے ہوئے بجا کہا ہے کہ ان کا نتیجہ شاعروں کے لئے کوہ کندن اور کاہ برآوردن سے زیادہ نہیں۔ کلام میں جسقدر صنائع اور بدائع کے استعمال کی زیادتی ہوگی اُتنا ہی کلام حقیقت سے بعید اور تصنع سے قریب ہوگا۔ خاموش اور کم مطلب اشعار محض آرائش کے قواعد سے گویا اور پر معنی نہیں بن سکتے۔ حسن قوانین کا پابند نہیں ہے بلکہ ہمہ قیود سے آزاد ہے۔ مارکو دل پینو کے قواعد مصوری کی رو سے عورت کا بدن تصویر کے خاکے میں ایک خط منحنی کو ایک دو اور تین میں حسابی قاعدہ سے ضرب دینے سے قائم ہوتا ہے۔ بھلا کہیں بے جان لکیریں نسوانی جسم کی شعریت کو وجود میں لا سکتی ہیں۔ بعض تصویر نگار مختلف رنگوں میں مختلف معنی بیان کرتے ہیں۔ افلاطون کے پیرو کہتے ہیں کہ حسن روح میں ہے، ارسطو کے متبعین مخالفت کرتے ہیں کہ جسم میں ہے۔ لیکن درحقیقت نہ پیکر معشوق میں کوئی معین خطوط ہیں نہ کسی رنگ میں کوئی خاص مناسبت ہے۔ خوبی نہ روح سے متعلق ہے نہ جسم سے محدود ہے۔ حسن، حسن میں ہے جس کی آفرینش شعرا کا کام اور راز ہے۔ جسطرح اقلیدسی خطوط سے خوبصورت سراپا نہیں بن سکتا، صنائع اور بدائع سے خوب کلام ترتیب نہیں پا سکتا۔ قابل عزت ہیں وہ تمام فضلا جنہوں نے علم صنائع اور بدائع کو فروغ دیا ہے۔ لیکن اگر ان کی تمام کتابیں جلادی جائیں تو شعرا کا ذرا بھی نقصان نہیں۔ صنائع اور بدائع کے استعمال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ طبیعت میں آمد نہیں ہے صنائع اور بدائع کا استعمال کلام کو عام

زندگی سے جدا کر دیتا ہے۔ جس زمانہ میں صنائع اور بدائع کا عام رواج ہو وہ زمانہ اقوام کے انحطاط اور زوال کا ہوتا ہے۔

(۶) بعض کا خیال ہے کہ شاعری مصوری ہے دیگر، شعر کو تصویر پر یہ ترجیح ہے کہ تصویر ساکن اور شعر متحرک ہے۔ تصویر اپنے قائم کردہ انداز کو نہیں بدل سکتی۔ شعر ایک کیفیت کی مختلف حرکات کو ظاہر کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ تصویر رقبۂ حیات پر ایک نقطہ ہے شعر ایک دائرہ ہے۔

کتاب قدرت ایک تاریک کتاب ہے، جسکے اوراق پر سوائے شعر کے کوئی روشنی نہیں ڈال سکتا۔ اس ضیا میں ہر شے ایک نئی صورت اور کیفیت میں مشاہدہ ہوتی ہے لیکن روشنی شعشۂ برق کی مثال دم زدن میں غائب ہو جاتی ہے اور پھر وہی ظلمت چھا جاتی ہے۔ اس روشنی میں ہر رگِ سنگ میں خون شہیدان اور ہر شرارِ سنگ میں جلوۂ یزدان نظر آتا ہے۔ یہ کوئی شاعرانہ دروغ یا فریب نظر نہیں بلکہ مشاہدۂ حقیقت ہے جب شعرا گرد و پیش کے مناظر اور واقعات کو دور از کار اور فوق الفطرت طور پر بیان کرتے ہیں تو وہ بیان اُن کے عینی اور یقینی نظارہ پر مبنی ہوتا ہے۔

وہ نام نہاد شاعر ہیں جو محض الفاظ کے پس و پیش سے تمثیلات تیار کرتے ہیں اور نابینا ہونے کے باعث خود اُن کو نہیں دیکھ سکتے۔

(۸) بعض نقاد مرزا غالب یا ٹیگور کے کلام کی سادگی سے سخت مغالطہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں اُن کے خیال میں یہ بات آتی ہے کہ اس میں خوبی ہی کیا ہے۔ ہر شاعر ایسا لکھ سکتا ہے۔ یہ ایک فریب ہے، ہر شخص اپنے ذہن میں یقین کرتا ہے کہ وہ اُن تمام اشیا کو جو اُسکے پیش نظر ہیں خوب جانتا ہے اور اُن کے من و عن بیان اور اظہار کی قابلیت رکھتا ہے۔ حالانکہ چند منتخب افراد کے سوا دنیا میں کوئی شخص اپنی گرد و پیش کی ادنیٰ اشیا کی محض صورت سے بھی واقف نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اُس سے الفاظ یا رنگ یا آواز میں اُن کا نقشہ اتارنے کو کہا جائے تو اُسکے دعوے کا باطل ثابت ہونا اور اُس کا قاصر رہنا قطعی ہے۔ کیا قدرت کے نظارے اور عورتوں کے اجسام کو دیکھنے کی ہر شخص نگہ رکھتا ہے؟ کیا گیوٹو (Giotto) اور لارن سی ٹی (Lorenzetti) کی سادہ تصاویر کا راز یہی ہے کہ وہ فن موقلم کشی اور رنگ آمیزی سے واقف تھے؟ اور اگر تم کو یہ فنون بدرجہ کمال سکھا دئے جائیں تو تم بھی ایسی تصویریں بنالو؟ اس غلط اندازہ میں کبھی مبتلا نہ ہونا۔

جملہ فنون لطیفہ میں جن میں شاعری بھی شامل ہے بقول فرانسینس ٹامپسن (Francis Thompson) سادگی انتہائے اشکال ہے۔ جب مصور نقشِ نازِ بتِ طناز کو حوالۂ تصویر کرنے کے لئے موقلم اُٹھاتا ہے یا شاعر اُس مضمون کو جسکو ناواقف بزعم خود آسان جانتے ہیں ادا کرتا ہے تو بت یا مضمون مصور یا شاعر کے سامنے ایک نئی دنیا کی صورت میں نظر آتا ہے۔ جس کو کولمبس (Columbus) کی مثال کوشش اور نہایت جستجو سے دریافت کرنا پڑتا ہے۔ میکائیل آنجلو (Michael Angelo) کا قول ہے کہ تصویر ہاتھ سے نہیں بلکہ دماغ سے کھینچی جاتی ہے جب لیونارڈا دونچی (Leonarda de Vinci) سے خانقاہ دیلا گراطیا کی (Delle Grazie) کے اسقف نے عشائے ربانی کی تصویر بنانے کے لئے کہا تو وہ کئی روز تک صبح سے شام تک اپنا موقلم ہاتھ میں لئے کھڑا رہا اور پردہ کو ہاتھ بھی نہ لگایا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم ہر تبسم کو دیکھتے ہیں حالانکہ ہم کو

صرف ایک دھندلی سی کیفیت سے زیادہ دیکھنے کی قدرت نہیں۔ سوائے ماہران فنون لطیفہ کے کوئی بھی عالم کے مظاہرات خارجی اور باطنی کو نہیں دیکھ سکتا اور اسی وجہ سے اُن کا اظہار نہیں کرسکتا۔

مجھکو ابن رشیق کا قول یاد آتا ہے ؎ فَاِذَا قِیْلَ اَطْمَعَ النَّاسَ طُرًّا + وَاِذَا رِیْمَ اَعْجَزَ الْمُعْجِزِیْنَا +
جب پڑھا جائے تو ہر شخص کو یہ خیال ہو کہ میں بھی ایسا کہہ سکتا ہوں۔ مگر جب ویسا کہنے کا ارادہ کیا جائے تو معجز بیان عاجز ہوجائیں
کانٹ نے اپنی کتاب (Kritik der reinen Vernunft urtheil skraft۔) میں خوب کہا ہے کہ بہت سے اشعار ایسے ہوتے ہیں جن میں "آزادحسن" ہوتا ہے۔ وہ پھولوں کی طرح اپنے معنی نہیں بیان کرتے بلکہ اپنی خوشبو سے مشام جان کو مسرور کرتے ہیں اگر اُن کے نثر کرنے اور اُن کے مطالب کے دریافت کرنے کی کوشش کیجائے تو وہ کوشش ایسی ہی ہوگی جسطرح کوئی شخص پھولوں کی خوشبو کو پانے کی غرض سے اُن کے پتوں کو توڑ کر علیحدہ کرے۔ بعض اوقات انسان پر ایک کیفیت طاری ہوتی ہے اس کیفیت میں خواب کی سی حالت ہوتی ہے۔ خواب میں متخیلہ ادراک پر غالب آجاتی ہے اور عجیب پرلطف پریشان مطلب مظاہر پیش کرتی ہے۔

بودلیر (Baudelaire) لکھتا ہے کہ شاعرانہ کیفیت میں ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب تمام حواس نہایت درجہ تاثرات پذیر اور ذکی الحس ہوجاتے ہیں۔ آنکھیں پردۂ ابد تک دیکھنے لگتی ہیں۔ پرشور مقامات میں خفیف سے خفیف آواز کو کان سننے لگتے ہیں۔ اور شور سے بالکل ناآشنا رہتے ہیں۔ اختلال خیالات واقع ہوتا ہے۔ اور جملہ اشیاء عالم اپنی صورت سے بسا اوقات دوسری صورتوں میں منقلب ہوجاتی ہیں اور خیالات میں ناقابل حل اطلاقی تغیر پیدا ہوجاتا ہے۔ آوازیں رنگین معلوم ہونے لگتی ہیں۔ اور رنگ میں نغمہ پیدا ہوجاتا ہے۔

(۹) خندہ کیا ہے؟ ارسطو کے زمانہ سے آج تک فلسفی اس مسئلہ پر غور کرتے آئے ہیں۔ ہمارے زمانہ میں کانٹ، اسپینسر، ہیگل، کریپلین، بین، لپس، میرے ڈتھ۔ اور برگسان نے اس پر تفصیل سے بحث کی ہے اور عجیب اور نادر نکات پیدا کئے ہیں۔
قہقہہ ہمیشہ مجلسوں میں بلند ہوتا ہے جہاں گرم صحبت نہیں یہ ساز محفل بھی نہیں۔ اسی وجہ سے لکھنؤ کے قیصر باغ کے عیاشانہ جلسوں کے رند انشا اور جرات اور آگرہ کے برج کی ہولیوں کی کہنیا۔ نظیر کے قہقہوں کی آواز آجتک بلند ہے۔ اور میر تقی۔ میر درد اور غالب کے کلام میں جو دنیا سے نفور اور ہنگامۂ عالم سے دور رہنے والوں میں ہیں کمال سنجیدگی اور خاموشی کا اثر ہے۔
قہقہہ قدرت کا غلبۂ نفس کو دور کرنے کا ذریعہ ہے۔ یہ صحت بخش ضرور ہے لیکن خود اخلاط کی زیادتی اور مرض کی علامت ہے۔ چنانچہ رنگین اور دیگر ہزل سرا شعرا کا اصلی علاج بذریعۂ فصد ہونا چاہیئے تھا۔
خندہ اصلاح عیوب کے لئے ایک تازیانہ ہے اس میں انصاف نہیں بلکہ ظلم پایا جاتا ہے۔ سودا اور اکبر کے قہقہوں کی یہی شان ہے۔ غالب کی طبیعت میں رحم ہے۔ وہ انسانی کمزوریوں پر لب آسا ہنستے نہیں بلکہ چشم آسا روتے ہیں۔
خندہ لاتعلقی کی علامت ہے۔ زندگی کو جو شخص دور سے دیکھتا ہے اور خود بے پروا رہتا ہے وہ ہنستا ہے اور جب قریب سے

دیکھتا ہے اور اُسمیں شریک ہوتا ہے وہ نہیں ہنستا۔
خندۂ غم سے ناواقف ہونے کی اور لطفِ خواب کی علامت ہے۔ اطفال شیرخوار سوتے میں ہنستے ہیں لیکن جب بیدار ہوتے ہیں تو روتے ہیں۔ جب تک انسان آرام اور مصائب سے ناآشنا نہیں ہوتا ہنستا رہتا ہے۔ لیکن جب دل ٹوٹ جاتا ہے تو بجز غم کے کوئی رفیق نہیں رہتا۔
خندہ غم اور سکون کو چھپانے کا پردہ بھی ہے۔ اس مسئلہ پر برگسان (Bergson) اور غالب متفق ہیں۔ برگسان اپنی کتاب "خندہ" (Le Rire) کے اختتام پر لکھتا ہے۔
"سمندر میں سطح پر موجوں میں رقص اور ارتعاش پایا جاتا ہے۔ لیکن عمق قلزم میں ہمیشہ امن و سکون ہوتا ہے۔ بالائے آب لہریں آپس میں ٹکراتی ہیں اور کف لے آتی ہیں۔ بچے کفِ دریا کو "نمش" جان کر ساحل سے اُٹھا لیتے ہیں لیکن جب ہاتھ کھول کر دیکھتے ہیں تو بجز پانی کے کچھ بھی نہیں پاتے۔
قہقہہ زندگی کے سمندر کا کف ہے۔ جو شخص اس کے رقص کو فاصلہ سے دیکھتا ہے خوش ہوتا ہے اور آفتاب سے اُس کا مسام دار جسم روشن ہو کر طلسم نور نظر آتا ہے لیکن جو قریب جاتا ہے محض فریب پاتا ہے اور تلخ کام ہوتا ہے۔"
مرزا کو کبھی بلند آواز سے ہنسی نہیں ہنستے گاہ گاہ زیرِ لب تبسّم ضرور کرتے ہیں۔ اُن کا تبسّم تمسخر نہیں بلکہ مزاح (Humour) کا اندازہ رکھتا ہے۔ یہ ابتسام معشوق کے کسی خلاف عادت کام سے یا اپنے کسی خلاف عادت ارادہ یا واقعہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس میں کسی کی بابت کسی کے متعلق کوئی جملہ یا اشارہ عیاں یا پنہاں نہیں ہوتا بلکہ بقول وکٹر ہیوگو (Victor Hugo) اس کا منشا (Pour rire, pour le rire) ہوتا ہے۔

(۱۰) کیا شاعری مصوری ہے؟ اس میں شک نہیں کہ فنِ مصوری اور فنِ شاعری ایک دوسرے سے بہت قریب ہیں۔ دونوں کا کام غیر موجود اشیاء کو حاضر اور واقع دکھلانا ہے۔ دونوں کی بنا ایک خوش انداز فریب پر قائم ہے۔ مصوری سرمۂ آواز شاعری ہے اور شاعری شیریں زبان مصوری ہے۔ جہاں مصوّر کا موقلم رنگ اور خطوط سے مختلف حقیقی یا مجازی مضامین کو صورت دیتا ہے وہیں شاعر کا قلم الفاظ اور اندازِ بیان سے وہی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ الفاظ شاعر کے رنگ ہیں اور الوان مصور کے الفاظ ہیں۔
ارسطو کا بیان ہے کہ شاعری کا مقصد قدرتی اشیاء کی نقل ہے لیکن اسکا منشا یہ نہیں کہ شاعر کا کام واقعات کو اُن کی من و عن بے رنگ کیفیت میں نقل کرنا ہے بلکہ یہ ہے کہ شاعر کو محاکات اُس حالت میں دکھلانا چاہیئے جس میں چشم تخیل اُن کو دیکھتی ہے۔ یورپ کے بہت سے موجودہ شعرا واقعات زندگی کی ہوبہو تصویریں اُتارتے ہیں لیکن یہ عکاسی ہے مصوری نہیں اور کم رتبہ کا کام ہے۔
شیکسپیر کے کلیات میں جو جذبات انسانی کے مرقعات ہیں وہ گویا بالکل زندگی سے مماثل معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں تخیل سے رنگین ہیں اور یہی رنگ ہے جو شیکسپیر کے کلام کو لاثانی بناتا ہے۔
ہورلیس کی رائے میں تصویریں خواہ وہ مصور کی بنائی ہوئی ہو یا شاعر کی کوئی بات موزونیت کے خلاف نہ ہونی چاہیئے۔

(۱) حسن موزوں ہونا چاہیئے (۲) خمیدہ ناک آنکھوں اور بالوں کی خوبصورتی ضائع کردیتی ہے۔

لیسنگ نے ایک عالمانہ بحث میں بیان کیا ہے -:-

اصنام اور اشعار میں مابہ الامتیاز یہ ہے کہ بُت سکون اور اشعا جنبش کا اظہار کرتے ہیں۔ جب حُسن سمٹ کر چُپ چاپ کھڑا ہوجاتا ہے تو مجسمہ کہلاتا ہے اور جب حرکت اور رقص کرنے لگتا ہے تو شعر نام پاتا ہے۔ اجسام صنم سازی کا اور افعال شاعری کا موضوع ہیں۔ شعر میں تصویر سینہ موطوغراف کیطرح رواں حالت میں ہوتی ہے اور مسلسل کیفیت دکہلاتی ہے۔

قاآنی موسم بہار کی تصویر یوں کھینچتا ہے۔

در نرمکِ نرمک نسیم زیرِ گلان مے خزد اغب غبِ این مکدعارضِ آن مے گزد اگہ بچمن مے چمد گہ بہ چمن مے وزد گاہ بشاخِ درخت گہ بہ لبِ جوئبار ،،۔

ہوا کی یہ رفتار شاعر قرطاس پر قلم ہی سے دکہلا سکتا ہے۔ مصوّر پردہ پر موقلم سے نہیں دکہلا سکتا۔

بوعلی سینا نے شفا میں محاکات سے لذت پانے کی دلیل یہ لکھی ہے کہ ہر شے کی تصویر خود لطف انگیز ہے خواہ وہ شئے فی نفسہ بُری ہو یا بھلی۔ چنانچہ جو حیوانات نامقبول صورت ہیں اُن کی تصویریں دیکھکر بھی لوگ خوش ہوتے ہیں۔ لیکن باوجود اس امر کے بلند پایہ مصوّر بدصورت اشیاء کی تصویر اُتارنے سے کنارہ کرتے ہیں۔ حُسنِ سیرت کو حُسن صورت سے جو تعلق ہے اُس کا تقاضا ہے کہ باطنی خیالات اور تصوّرات کا اثر چہرہ اور بشرہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ ظلم یا غصہ کی حالت میں دلفریب سے دلفریب صورت کے خد و خال نامقبول ہوجاتے ہیں اور جذبہ کی شدت حُسن کو باطل کردیتی ہے اسلئے اُستاد ایسی حالت کی تصویر کھینچنے سے ابا کرتے ہیں۔

یونان کے مشہور قدیم مصوّر سے جب تیم میدیا کی تصویر کھینچنے کے لئے کہا گیا تو اُسنے اُسکی تصویر اُس وقت کی حالت میں کھینچی جبکہ وہ تذبذب کیحالت میں تھی اور ہنوز قتل پر آمادہ نہیں ہوئی تھی۔ غالب نے بھی معشوق کے رقیب کی آغوش میں ناز کرنیکی کیفیت کو حوالۂ تصویر نہیں کیا۔ کہ جو ناشیزگی اس انداز میں پائی جاتی ہے وہ کسی مرقع میں ادا کئے جانیکے قابل نہیں۔ یہ ایک ایسا نظارہ ہے جسکو کوئی آنکھ دیکھنا پسند نہیں کرتی۔

شعر کا تعلق وقت سے اور تصویر کا تعلق فضا سے ہے، تصویر ایک نگاہ میں اپنے مضمون کو ظاہر کردیتی ہے۔ شعر وقت کا طالب ہوتا ہے۔ اور کلی کی طرح رفتہ رفتہ اپنے معنی کو بیان کرتا ہے۔ تصویر ایک ثانیہ کی یادگار ہے شعر ایک تتلی ہے جسکے پیچھے خیال بچہ کیطرح کہیں سے کہیں نکل جاتا ہے۔

شبلی کا بیان ہے کہ ایک بڑا فرق عام مصوّری اور شاعرانہ مصوّری میں ہے۔ تصویر کی اصلی خوبی یہ ہے کہ جس چیز کی تصویر کھینچی جائے اُسکا ایک ایک خط و خال دکھایا جائے لیکن شاعر اکثر صرف اُن چیزوں کو لیتا ہے اور اونکو نمایاں کرتا ہے جن سے صرف ہمارے جذبات پر اثر پڑتا ہے۔ باقی چیزوں کو وہ نظر انداز کردیتا ہے یا اُن کو دھندلا رکھتا ہے کہ اثر اندازی میں اُن سے خلل نہ آئے۔

ہومر جب کبھی معشوق کی شاعرانہ تصویر کھینچتا ہے تو چونکہ وہ اُستادوں کا اُستاد ہے کبھی اس سے زیادہ نہیں کہتا کہ "ہیلن" میں دیویوں کا حسن تھا حالانکہ تمام رزم نامہ الیڈ کی بنیاد ہیلن کے حسن پر قائم ہے۔ ارسٹو جو اُستادوں کے درجہ کو نہیں پاتا اپنی کتاب "ارلینڈ و فروزیو" میں الکینا کی شاعرانہ تصویر کھینچتا ہے تو اُسکا پورا سراپا لکھ جاتا ہے۔ ہومر نے صرف دو جگہ [illegible] لکھا کہ ہیلن کی باہیں گوری تھیں اور اُسکے بال خوشنما تھے جسطرح کہ بعض لوگ [illegible]

اُردوئے معلّٰی

ریختہ ابر محیط اے شاہد رنگین چمن　　برج بھاشا تیرا گلشن ہند ہے تیرا وطن
نکہتِ گلہائے رنگیں سے بسا ہے پیرہن　　عطر بازی کر رہی ہے انجمن در انجمن

یوں لغات نو بنو سے تو نے دامن بھر لیا
آنکھ بھر کر حسن کو دیکھا اوسے اپنا کر لیا

کلمہ گو تیرا رہا ہے میر سا عالی منش　　سینۂ سودا میں تھی سوز محبت کی طپش
درد کے دل میں رہی ہے تیرے ناوک کی خلش　　اک ولی کی گود میں پائی ہے تو نے پرورش

رشک کے زیر اثر معروف کی ممنون ہے
ہر رگ و پے میں ترے ان رہبروں کا خون ہے

شاہ حاتم اور مبارک نے بڑھائی آبرو　　صاف کی ناسخ نے اور آتش نے تیری گفتگو
ذوق و مومن نے سنواری تیری زلفِ مشکبو　　کر کے جرأت آئینہ تاباں نے رکھا روبرو

جانجاناں اور سراج الدین چراغ افروز تھے
شمع تھی محفل میں تو سوز و اثر دلسوز تھے

غرق دریائے فصاحت تیری ہر تقریر ہے　　سکۂ نقد سخن اب تیرا عالمگیر ہے
تیرے ہر اک لفظ میں اک درد ہے تاثیر ہے　　آج درباروں میں تیری شان ہے توقیر ہے

مدتوں کھیلے محمد شاہ کے آغوش میں
موجزن دریا سے ہے تیرے لب خاموش میں

بادۂ سر جوش غالب تیرے پیمانے میں ہے　　ساغر صہبائے آتش تیرے میخانے میں ہے
برق و تاباں کی تجلی تیرے کاشانے میں ہے　　شوکت شاہانِ ماضی تیرے افسانے میں ہے

جتنے سامانِ خلش تھے تیری محفل میں ملے
میر کے سر تیز نشتر سب ترے دل میں ملے

(لسان الہند) مرزا عزیز لکھنوی

فطرت کی ضد

نفسیاتِ شباب کا نظریہ یہ ہے کہ ہر عورت اپنے زمانۂ شباب میں حسین ہوجاتی ہے۔ ایلنس جوان تھی بالکل جوان بیس برس کا سنِ نوجوانی کو عبور کرنے کے بعد ہی میسر ہوتا ہے۔ تاہم اسکے مجسمہ میں کوئی خوبصورتی اور کوئی تشکیل نہ تھی۔ اس کی آنکھیں بڑی تھیں شراب سے خالی، ہونٹوں میں گداز تھا۔ مگر غیر جاذب چہرہ سڈول تھا۔ مگر بدرنگ، اس کی تو پلکیں ہی اتنی چھوٹی تھیں کہ لبباطِ عارض کے کنارے چھونا بھی انھیں دشوار تھا۔ ایک حسین عورت کی جتنی تعریف ہوسکتی ہے اسی لحاظ سے اس کی جوانی قابلِ تنقیص تھی۔ دنیا جوانیوں کے لئے سرگرم مساعی ہے۔ مگر وہ باغ میں بے پردہ ٹہلا کرتی اور کوئی سیّار ایک اچٹتی ہوئی نظر کے سوا اس پر دوسری نظر بھی نہ ڈالتا۔ شام کے وقت کچھ حسین دوشیزہ لڑکیاں باغ میں آتیں اور اُن کے پرستار انھیں پھول نذر کرتے وہ مسکراتیں اور دلوں میں امواجِ نشاط دوڑ جاتیں، مگر ایلنس کسی کنج کے پاس یا کسی درخت کے نیچے کھڑی رہتی اور کوئی اس سے بات بھی نہ کرتا کلیسا میں عبادت کے دن موسیقی کا کوئی نغمہ ایسا نہ تھا جسے وہ کمال عقیدت سے اپنی جوانی میں نہ کھینچتی ہو، شمع کی کوئی لو اور عود سوزان کی کوئی موج ایسی نہ تھی جسے وہ اپنے بالوں پر نہ بہالیتی ہو۔ مگر عبادت گذار کلیساؤں میں ایک متنفس بھی ایسا نہ تھا جو اسکے حریمِ شباب میں عبودیّت ذوق کا اعتراف کرسکے۔

اسنے سوچا آخر یہ ماجرا کیا ہے، کیا وہ ابھی جوان نہیں ہوئی ہے، یا اس کی شامِ شباب اس قابل نہیں کہ دنیا اپنی شفقِ آرزو کو اس میں متجلّی کرسکے۔ وہ جب آئینہ دیکھتی اُسے معلوم ہوتا کہ جوانی کی گھٹائیں صرف اسی پر چھائی ہوئی ہیں، اُسے اپنے پلیح ترین رنگ میں بھی ایک ادائے جاذب محسوس ہوتی تھی، چہرہ کی سیاہی میں جب اس کی آنکھیں چمکتیں تو وہ فوراً متبسّم ہوجاتی، اُسکی اُٹھان میں کوئی ناہمواری نہ تھی۔ مگر صرف اسکا دیکھنے والا کون تھا، نگاہیں تو ہمیشہ چہرہ کی رعنائیوں میں جذب ہونے کی خوگر ہیں۔ وہ تو صبیح ہونٹوں کو رنگین، اور مست آنکھوں کو خمار آلود دیکھنا چاہتی ہیں، وہ توصبیح عارض پر شفقی رنگ کو قابلِ سجدہ سمجھتی ہیں، اور جبینِ صاف کو بوسہ گاہِ آرزو۔

آخر ایک دن وہ جھنجلا کر اُٹھی۔ اُس کے اعتبار میں جو پوشاک سب سے زیادہ نفیس تھی پہنی۔ بال سنوارے اور کھول کر فضائے جسم پر بکھیر دئے چمڑہ کا ایک نفیس بٹوہ ہاتھ میں لیا۔ گھر سے نکلی اور سیدھی ایک دار الطعام میں پہونچی۔ جہاں کئی میزیں اور چمکدار کرسیاں باقاعدہ رکھی ہوئی تھیں۔ بمبئی میں اس سے بہتر کوئی دار الطعام نہ تھا۔ اس نظر سے نہیں کہ اس میں سامان غیر مکلّف تھا بلکہ اس اعتبار سے کہ وہاں جو لوگ آتے تھے وہ اکثر ادیب شاعر یا انشا پرداز ہوتے تھے، علم دوست سوسائٹی کا وہ ایک مقررہ مرکز تھا جہاں تبادلۂ خیالات کی بہترین سہولتیں نکل آتی تھیں۔ ایلنس مردانہ وار داخل ہوئی اور ایک میز کی تیسری کرسی پر جا بیٹھی جہاں دو نوجوان مسافر پہلے سے بیٹھے ہوئے گفتگو میں محو تھے۔

وہ دونوں اپنی گفتگو میں اسقدر منہمک تھے کہ جوان نووارد عورت کے آنے اور بیٹھنے کی انھیں مطلق خبر نہ ہوئی۔ ایلنس بغیر تحریک کے آزادانہ

بیٹھی رہی اور باتیں بدستور ہوتی رہیں۔
متفق نہ ہونا دوسری بات ہے، لیکن منظور تمھیں یہ ماننا پڑیگا کہ نظریہ قائم کرنے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی مشاہدہ خود ایک دلیل ہے اور میرا تجربہ مشاہدہ پر مبنی ہے۔

منظور:۔ ناشطؔ ابھی دنیا میں تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔ مشاہدات کے متنوع میدانوں میں ایک حیران نظر لئے ہوئے عمر بھر بھٹکتے پھرو مگر کسی خاص فیصلہ پر نہیں پہونچ سکتے۔

ناشط:۔ ہاں یہی تو میں بھی کہتا ہوں فیصلہ کا تعین اُسی وقت ہو سکتا ہے جب دنیا کی ہر سوسائٹی ایک مرکزی خیال اختیار کر سکے اور یہ ناممکن ہے اسلئے ہر شخص کا ایک نیا نظریہ ہو سکتا ہے۔

منظور:۔ بعض معاملات میں تائید و تقلید بھی ہو جاتی ہے۔ مثلاً یہ مسئلہ کہ قوتِ معاشقہ صرف اُس عورت کیطرف رجوع ہوتی ہے جو معاشرت کے معیار مقررہ پر حسین ثابت ہو سکے، اب جہاں تک تم غور کروگے نظریاتِ محبت کو اسکے خلاف نہ پاؤگے۔

ناشط:۔ یہ تو بالکل غلط ہے اور تاریخاً بھی غیر صحیح ہے عرب کی اکثر عورتیں غیر حسین تھیں مگر قبائل کے قبائل اُن کے عشق میں مجروح نظر آتے تھے۔ کیا تم نے عنبرہ کے وہ اشعار نہیں سنے جس میں اُسنے عجمی حسن کی تذلیل کرتے ہوئے اپنے عاشق بجیر کی مدح سرائی کی ہے وہ کہتی ہے :۔

”دنیا کی حسین صبحیں کیسی ہی لطافتوں کے ساتھ طلوع کیوں نہ ہوں مگر بجیر میری ہی شام شباب کی خنکی میں آسودہ رہیگا۔ میں عرب کی چراگاہوں میں ایک زخم خوردہ ہرنی ہوں اور بجیر کی نوازش نے مجھے عجم کی شیرینی سے زیادہ مغرور کر دیا ہے۔ بجیر جب راستے کا تھکا ہوا آتا ہے (تو) میں اپنے قوی ہاتھوں سے بے حد آرام پہونچا دیتی ہوں جسے نزاکت برداشت نہیں کر سکتی۔“

زینس کی آنکھیں ناشط کے ہر ہر لفظ پر کچھ زیادہ کشادہ ہو جاتی تھیں اور اُس کے ہونٹوں کو ایک شگفتگی بار بار اس لمحہ بہ لمحہ چھو جاتا تھا منظور نے سگریٹ کا ایک کش لیا سیدھے پاؤں کو اُلٹے پاؤں پر رکھکر کہنیاں میز پر جما دیں اور سر کو ایک ہلکی سی جنبش دیکر سگریٹ کا گل پھونکتے ہوئے کہا:۔ یہاں بجیر اور عنبرہ کا ذکر نہیں ہے یہ ہندوستان ہے وہ زمانۂ جاہلیت کی باتیں ہیں، عالم تاریک کے فسانے ہیں تمدن اور معاشرت کے قوانین جن لوگوں نے مرتب کئے ہیں اُن کے ملفوظات یقیناً قابل تسلیم ہیں ہندی شاعری کا دامن انھیں محاکات سے بھرا ہوا ہے عورت جس کی پسندیدگی مطلقاً غیر اہم اور بے اثر ہے وہ بھی اسی مرد کو محبت کے قابل سمجھتی ہے جس کی آبشاری چتونوں میں پھولوں کا رس لہریں لیتا ہو اور جسکے شبنمی رخسار سیب اور انار کی طرح رنگین ہوں جب عورت کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ مرد میں تجمل کا معائنہ کرے تو کیا مرد اس بات کا مستحق نہیں ہے کہ وہ عورت میں سامان دلکشی کا متلاشی ہو۔

ناشط۔ دلکشی اور حسن کی خواہش و ضرورت سے اس وقت بحث نہیں بحث اس پر ہے کہ محبت صرف جمال پسند ہے یا شباب پرست میرا مشاہدہ یہ ہے کہ محبت حسن کی محتاج نہیں، بلکہ وہ اپنے مطمح نظر میں کچھ ایسی خوشگوار تسلیاں محسوس کرتی ہے کہ رنگ و بو کی اُسے مطلق پروا نہیں ہوتی اور وہ مطالبات شباب میں اپنی تمام ضرورتوں کو جذب کر کے صرف ایک معیت جمیل کی آرزومند ہو جاتی ہے۔

منظور:۔ آؤ ہم پہلے محبت پر بحث کرلیں، تم محبت کو کیا سمجھتے ہو؟

ناشط۔ مختصراً عرض کردوں یا مطولاً۔

منظور جسطرح چاہو بحث کرو آج میں تمھیں اچھی طرح ثابت کردونگا کہ تمھارے تجارب کسقدر محدود اور مقید ہیں۔

ناشط:۔ محبت کی عالمانہ تعریف یہ ہے کہ روح کی پاکیزگی اپنے ماسوا میں ممزوج ہوجائے۔

حکیمانہ تعریف یہ ہے کہ سوداویت کا غلبہ عناصر پر غالب آکر نفسانیت سے وحشت انتساب ہو۔

فلسفیانہ تعریف یہ ہے کہ محبت ایک ربط باہمی کے کشادوبسط کی انتہائی ضرورت ہے۔

شاعرانہ تعریف یہ ہے کہ کسی پر دل آجائے۔

محققانہ تعریف یہ ہے کہ جذبات وحسیات کسی کیطرف کلیتہً رجوع ہوجائیں۔

اور عام تعریف یہ ہے کہ وصل واتصال کی آرزو وہم آغوشی وہمکناری کی خواہشات میں انسان معذور و مضطرب ہو۔

منظور: اور تو کوئی خصوصی تعریف باقی نہیں رہ گئی۔؟

ناشط:۔ ہاں میری زبان میں تو محبت انھیں متعلقات ومتعلقات کی حامل ہے۔

منظور:۔ مگر میں کہتا ہوں یہ سب اعتبارات ہیں اور وہ بھی بالکل غلط۔

ناشط:۔ غلط ہونے کی دلیل پیش کیجئے۔

منظور:۔ ہاں سنئے! عالمانہ تبصرہ اس لئے غلط ہے کہ ایک پاکیزہ روح ماسوا کا امتزاج کبھی گوارا کرہی نہیں سکتی، حکیمانہ تعریفات سے غیر صحیح ہے کہ غلبۂ سودا صفائے خون کا منافی ہوگا، اور جب خون میں فساد عارض ہوجائیگا تو نفسیات میں ہیجان ہو ہی نہیں سکتا۔ محبت غلبۂ سودا کا سبب ہو یہ حدت طبیعت کی بنا پر ایک حد تک ممکن ہے لیکن غلبۂ سودا وجہ محبت ہو یہ بالکل غلط ہے نفس کو انتساب وحشت کے لئے سودا مجبور ضرور کر سکتا ہے مگر وہ وحشت ایک مرض سے تعبیر کیجا سکتی ہے نہ کہ محبت سے، فلسفیانہ فیصلہ میں ربط باہمی ایک ایسا ٹکڑا ہے جو حدود محبت سے خارج ہے ربط باہمی کی موجودگی میں محبت دل کی رگوں سے صعود کرہی نہیں سکتی، جب ربط باہمی موجود ہے تو محبت کیسی۔؟ مساوات معاشرت کیلئے یا مسرات معیت پر کیف محبت کی تعریف اس سے بالاتر ہے، شاعرانہ توجیہ مہمل محض ہے دل کا آنا کوئی معنی نہیں رکھتا اور میں تو کسی شاعر کے فیصلہ کو کوئی فیصلہ نہیں سمجھتا، محققانہ تعریف بھی ناقص ہے "کسی کیطرف" میں جو عامیت ملحوظ رکھی گئی ہے وہ محبت کی اہمیت کو مجروح کردیتی ہے۔ اور عام تعریف میں بھی اس عامیت کے علاوہ سوقیت پائی جاتی ہے غرضکہ آپ نے جتنی تعریفیں کیں سب غیر مکمل اور ناقص ہیں۔

ناشط: کیا خوب تو پھر آپ کوئی مکمل تعریف کیجئے۔

منظور:۔ ہاں سنو محبت نام ہے اس جذبۂ فطری کا جو حریم حسن کے دلکش اور روح فریب سامانوں سے انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے اور جسکا نتیجہ ہمیشہ ناکامی اور نامرادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

ناشط :- تو محبت کے لئے حسن لازم ہے۔

منظور قطعاً۔

ناشط :- قیس عامری ....

منظور :- (ایک توہین آمیز لہجہ میں) معاف کیجئے ناشط صاحب! آپ کسی معمولی شخص سے اس وقت ہمکلام نہیں ہیں۔ مثال کے لئے صرف قیس و لیلےٰ کا قدیم فسانہ یاد رکھنا انتہائے جہالت ہے۔ میں کہتا ہوں لیلےٰ بے حد حسین تھی آپ اس سے انکار کیجئے میں دلیل مانگونگا تو کیا آپ ثابت کر سکینگے۔

ناشط :- معاذ اللہ۔ کسقدر پیچیدہ دماغ رکھتے ہو منظور —— تم مسلمان ہو؟

منظور :- الحمد اللہ۔

ناشط :- شارع کے متعلق جو روایات ہیں اُن کا ثبوت مالمشاہدہ کیا پیش کر سکتے ہو؟

منظور :- یہی کہ دل اُن روایات کو قبول کرتا ہے۔

ناشط :- اسی طرح ....

منظور :- جی نہیں میں کبھی یقین نہیں کر سکتا کہ لیلےٰ بدصورت تھی۔!

ناشط :- اچھا اس کا رنگ تو سیاہ تھا۔

منظور :- سیاہ رنگ میں جو تابانی اور تبسمات پنہاں ہوتے ہیں وہ صباحت کو نصیب بھی نہیں ہو سکتے۔ تم نے رات کی ملاحت فام مستی شاید کبھی نہیں دیکھی۔ تم نے مقدمۂ شب کی تاریکی اور اس کی رنگینی پر شاید غور نہیں کیا۔ تم تو ناشط ایک سطحی نظر پر مغرور نظارہ ہو۔ تم جوان ہو اور غلبۂ خواہشات سے مغلوب۔ اسلئے تمھیں حسن شباب اور ہوس و محبت میں کوئی تمیز ہو ہی نہیں سکتی۔

ناشط :- ہاں میں تو یہی کہونگا کہ ارتعاش قلب کو متحرک کرنے کے لئے صرف شباب کافی ہے۔

رائنس (ایک دم اُٹھکر ناشط کے بازو پکڑتے ہوئے) تو میں تمھیں چاہتی ہوں کیا تم مجھے پسند کروگے۔؟

ناشط :- چونک پڑا اور منظور ایک غلط انداز نگاہ کے بعد سگریٹ سُلگا کر کھڑا ہو گیا۔ ناشط حیران تھا کہ یہ بلا کہاں سے نازل ہوئی اُسنے سر سے پاؤں تک رائنس کا جائزہ لیا اور ایک متین لہجے میں بولا میں آپ کا مطلب مطلق نہیں سمجھا!

رائنس اداے محجوبیت سے اپنے جسم کو سمیٹ کر کچھ کہنا چاہتی تھی کہ منظور نے مسکرا کر ناشط کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

منظور :- آپ کا مطلب یہ ہے کہ آپ جوان ہیں گو حسین نہیں ہیں اور اس لئے آپکے نظریہ کے مطابق دلجوئی اور دلنوازی کی حقدار ہیں۔

ناشط :- تو پھر میں کیا کروں۔؟

منظور اپنے نظریہ پر عمل۔

ناشط :- میں ہنوز اسکے لئے تیار نہیں ہوں۔ (رائنس نے بازو چھوڑ دیئے) (باقی)

ایڈیٹر

فریادِ شاعر

(از)

(مولانا جوش ملیح آبادی)

اے خدائے عشق! اے پروردگارِ کائنات
اسے کہ تیرے حکم پر موقوف کارِ کائنات

اے کہ تیری ہر نظر روحِ گدازِ زندگی
اے کہ ہر ایما ترا مضرابِ سازِ زندگی

کیا پھنسانا چاہتا ہے مجھکو تدبیروں میں تو
کیا جکڑنا چاہتا ہے مجھکو زنجیروں میں تو

کاوشِ ہستی پہ کیا معمور کرتا ہے مجھے
کام کرنے کے لئے مجبور کرتا ہے مجھے

فکر میں بھی کچھ کروں کیا آج کل کیواسطے
حکم ہے میں ہی اُٹھوں سعی و عمل کیواسطے

زور کیا جسطرح بھی چاہے ستا سکتا ہے تو
لیکن اتنی بات کیا مجھکو بتا سکتا ہے تو؟

جھومتی گردوں پہ تیرے حکم سے آتی ہے کیا؟
نشہ میں ڈوبی ہوئی برسات کی کالی گھٹا

عکس ہے تیرا ہی کیا یہ حسن کے رخسار میں
سرخ ڈورے تو نے ہی ڈالے ہیں چشمِ یار میں

کیا تو ہی در پردہ لرزش دے رہا ہے روح کو
تو ہی اس شدت سے جنبش دے رہا ہے روح کو

کیا یہ تو نے ہی بھری ہے ضو دُرِ خوشاب میں؟
کیا یہ تیرا ہی تبسم ہے شبِ مہتاب میں؟

اور کیا تو ہی ہے یہ جو ناز سے وقتِ سحر؟
مسکراتا ہے دھندلکے کا دریچہ کھول کر؟

یہ اگر سچ ہے تو پھر تو کیوں ستاتا ہے مجھے
کس لئے بیکار دیوانہ بناتا ہے مجھے

کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ میں کیونکر جیوں
اک طرف حکمِ خرد ہے اک طرف درسِ جنوں

تابشِ توحید بھی ہے جلوۂ اصنام بھی
وعظِ ہشیاری بھی ہے اور بادۂ گلفام بھی

حکم استقلال ہے ترکیبِ سیمابی کے ساتھ
سازِ بیداری ہے سامانِ گرانخوابی کیساتھ

اسطرف تو ہے یہ سختی ہوش رکھو اپنے بجا
اسطرف گاتی ہیں کلیاں رقص کرتی ہے صبا

شور ادھر ہے گام زن ہو جا عمل کی راہ میں
حسن عریاں ہے ادھر عشرت سرائے ماہ میں

اسطرف تو یہ منادی ہے نہ کھونا عقل و ہوش
کوئی گا کر آ رہا ہے اسطرف گیسو بدوش!

بیڑیاں پہنا رہے ہیں اسطرف لیل و نہار
مسکراتی آ رہی ہے اسطرف فصلِ بہار

پائی ٹا شن

(چینی لٹریچر کا ایک انگریزی شاعر)

شاعری ایک ایسا مذاق ہے جسکا وجود دنیا کے ہر حصہ میں پایا جاتا ہے کوئی قوم کوئی مذہب کوئی ملت اس سے خالی نہیں۔
لیکن شاعری کو صحیح معنوں میں کم از کم ایشیا میں اہل چین نے سمجھا کہ شاعری اور آرٹ ایک چیز ہیں۔
یوں ذرا سوچو تو آرٹ اور شاعری میں آخر فرق کیا ہے؟ اور کتنا ہے؟ شاعر اپنے "حسیات لطیف" کو الفاظ کے سانچے میں ڈھالتا ہے اور مصور اپنے نظارہ جمال کو رنگ اور روشنائی کے ذریعے چند الٹی سیدھی لکیروں میں ظاہر کرتا ہے۔
"تصویر بے آواز موتی ہے لیکن نظم ایک بولتی چالتی تصویر ہے" ایک مشہور چینی مثل ہے۔
یہی سبب ہے کہ تمام چینی مشاہیر شاعر، مصور، اور فلسفی تھے انھوں نے شاعری اور آرٹ کو یہاں تک ملایا کہ متحد الخاصیت کر دیا۔
اہل چین کا ایمان ہے کہ دل کی عمیق ترین گہرائیوں کے راز قلم سے ظاہر کئے جا سکتے ہیں "ان کا قول ہے کہ روح برش میں رہتی ہے"۔
بارہویں صدی کے ایک آرٹسٹ کا قول ہے کہ آرٹ کا راز خود آرٹسٹ میں رہتا ہے"۔
اہل سپین کو قدرتی مناظر سے زیادہ دلچسپی ہے لیکن اطالوی کہیں بڑھ کر ہیں یہی تو سحر اں شاعری کا راز ہے۔
ایک چینی مصور (مسٹر Wu Tao Tzu) کو کسی شہنشاہ نے ایک دریا کے مناظر دکھلانے کو بھیجا۔ جب وہ واپس آیا تو لوگوں کے حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کیونکہ اس کے پاس دکھانے کو کوئی خاکہ تک نہ تھا شہنشاہ نے پوچھا تو متانت سے اتنا جواب دیا کہ وہ سب کچھ میرے دل میں ہے۔ کیا یہ روایت دنیائے شاعری میں ایک قیامت نہیں؟
"پائی ٹاشن" چین کی دنیائے شاعری میں ایک پر راز شخصیت ہے اس کا کلام گمنام ہو کر مطبوع خاص و عام ہو چکا ہے اسنے چینی لٹریچر کا اس گہری نظر سے مطالعہ کیا کہ چینی نقاد بھی چیخ اٹھے۔ روایتیں جینی علم ادب سے لیکر انگریزی زبان میں نظم کی گئی ہیں ان کا ناظم ضرور کوئی چینی اہل زبان تھا۔
اب پائی کا مجموعہ کلام شنگھائی میں چھپ چکا ہے۔ شاعر نے کتاب اپنے آبا و اجداد کے نام معنون کی ہے۔
اس مجموعہ کے چھپتے ہی یہ بات پایہ تحقیق تک پہنچ گئی ہے کہ پائی نیویارک کا ایک مشہور ڈاکٹر فریڈرک پیٹرسن تھا، ڈاکٹر پیٹرسن کے دیکھنے والے شاہد ہیں کہ ان کا طرز اور وضع قطع چینی سے مزین تھا۔ اب میں اسی کے چند ترنم ریز نغمے گاتا ہوں۔

گورے کالے کا امتیاز

"بنانے والے نے خاکی آدمی کو مختلف رنگ دئے، اس میں پاک روح ملا دی، ان کے چہرے بشرے علحدہ ہیں کوئی سرخ کوئی سپید، اور کوئی سیاہ ہے، یہ ظاہری امتیاز ہے، ورنہ دل اور دماغ میں ہر ایک برابر کا حصہ رکھتا ہے تخلیق سے پہلے بھی وہ خاک سے اٹھے اور مرکر بھی اسی خاک میں جائینگے۔

ایک ویران باغ

مرمریں روشوں پر انسانی قدم نہیں پڑتے، موسم خزاں کی تند و تیز ہوا اُن مرغزاروں پر گزرتی ہے۔
ناشپاتی کے رنگ ڈوبیں، زرد پتوں میں اور سوسن کے تختوں میں مجھے چہرۂ غم اور محض چہرۂ غم نظر آتا ہے۔

"چینی لڑکی بن باسی میں" ایک چینی نظم "شی کنگ" کا ترجمہ ہے۔ اس سے قبل انگریزی اور جرمنی میں ترجمہ ہو چکی ہے لیکن یانی کا ترجمہ اصل چینی نظم سے بہت قریب ہے۔
ایک چینی لڑکی دیس سے دور ہے، اُسکے لئے دنیا نئی ہے وہ یوں گاتی ہے۔
"تاتاری بادشاہ تاج، مہر اور سنہری تحفوں کے ساتھ آیا لوگوں نے مجھے بیاہ دیا۔
اب میرے پاؤں میں گردش ہے۔ میں خانہ بدوش کی بیوی ہوں لیکن خوش باش گھر سے بہت دور ——————
میری زندگی تلخ ہے۔
مجھے خیموں، گوشت، اور کُمس سے نفرت ہے —— زندگی ایک بار ضرور شیریں تھی۔ !!! مجھ سے دور آسمانی فضا میں پرواز کرنے والی ابابیلو! اپنے پرِ پرواز مجھے دو —— تاکہ میں اُڑ کر گھر کی راہ لوں !!
"زندگی ایک بار ضرور شیریں اور کیف آگیں تھی" !!

(ماخوذ)

حاجی محمد صادق ایوبی

تدبیرِ منزل

(فرمودۂ علامہ سیماب صدیقی الوارثی اکبرآبادی)

ہجوم عام ہے اور حسنِ معنی بے محابا ہے
فضائے دلنشیں جلوہ نمائے طورِ موسےٰ ہے

جہاں آج آسماں رفعت کی بنیادوں پہ قائم ہیں
یہاں ویرانیاں تھیں دیکھنے والوں نے دیکھا ہے

چمک اُٹھے ہیں وہ ذرے جو کل تھے گردِ بیں نگاہ
وہ عالم خواب کا سا تھا یہ بیداری کی دنیا ہے

نہالِ آرزو کو رشکِ طوبےٰ دیکھنے والو
جسے لائے تھے بہرِ آشیاں ہم یہ وہ تنکا ہے

طلوعِ لالہ و گل ہے زمینِ شورہ قسمت سے
جہانِ رنگ ذروں کی رگوں سے پھوٹ نکلا ہے

وہ آنسو جو دعا کے ساتھ طوفاں خیز نکلا تھا
وقارِ موجِ گنگا آبروئے رودِ جمنا ہے

جمودِ حاشیہ میں جس نے کر دی زندگی پیدا
نگاہوں کی فضائے روح میں اب تک وہ زندہ ہے

زموجِ ہر نفس صد کیف میریزد بجانِ ما
مشیر و سیّد و سالار و میرِ کاروانِ ما

ترقی کی ہوائیں چل رہی ہیں بزمِ فانی میں
بڑھا ہے عنصرِ باقی مزاجِ زندگانی میں

جنھیں تعمیرِ قومیت میں آتا ہے فنا ہونا
مدارج کچھ انھیں طے ہیں عمرِ جاودانی میں

سحر کے بعد ہی عنوان اکثر یاد ہیں ہم کو
بڑی افسردگی تھی آخرِ شب کی کہانی میں

سفاہت کی وہ عالمگیر خود رائی و خودداری
جہالت کی وہ دار و گیر سعیِ خونفشانی میں

نظر آنا وہ ہر منظر میں اک آشوب کا عالم
ابھر آنا وہ شخصی قوتوں کا حکمرانی میں

وہ سب اغلاطِ شب پروردۂ جہل و تغافل تھیں
مگر اب آچکی ہے صبح جوشِ ضوفشانی میں

بھلا دے کسلِ ماضیات دورِ حال پیدا کر
کہ مستقبل ترا ہے جلوہ گر تیری جوانی میں

برنگِ آفتاب از پردہ ہائے گرد بیروں شو
چو قطرہ بگذر از سیلابِ دشواری و جیحوں شو

دکھا دے پھر زمانے کو کہ تو اصلاً حجازی ہے
جسے کہتے ہیں غفلت تیری شانِ بے نیازی ہے

ابھی تک وادیوں میں بازگشتِ بانگ ہے باقی
پہاڑ اب تک لرز جاتے ہیں تجھ سے تو وہ غازی ہے

تیری فطرت میں ہے تقدیس جزوِ سہو و نسیاں کی
گنہگاری بھی تیری انتہائے پاکبازی ہے

جلالِ شہریاری ہے ابھی تیرے تجمل میں
ابھی تیرے تخیل میں کمالِ فخرِ رازی ہے

عمل ہے فرض تیرا پھر مآل کار جو کچھ ہو　　وہ کوئی اور ہے جو ذمہ دار کارسازی ہے
ٹھہر بھی راہ جد و جہد میں لیکن کمربستہ　　خیال اتنا رہے تجھ کو کہ ہر وقفہ مجازی ہے
مٹا کر زحمتِ واماندگی پھر مستعد ہو جا　　کہ دنیا دوست بنکر مائل غربت نوازی ہے

دریں ہنگامہ می آید صدائے محفلے دیگر
پسِ ایں منزلِ سخت است باقی منزلے دیگر

رہ جہد و طلب کی منزلوں میں رائیگاں ہو جا　　مثالِ سبزہ پھر صحنِ گلستاں پر عیاں ہو جا
حواسِ خمسہ کو لے ساتھ میرِ قافلہ خود بن　　غبارِ کارواں کب تک ہیگا کارواں ہو جا
ثبوت احساس کو دے اپنی فطرت کی بلندی کا　　زمیں گردِ کدورت جب اڑائے آسماں ہو جا
نگاہ اہلِ عالم خود ترے جذبات کو پڑھ لے　　جب اُن کے سامنے آئے سراپا داستاں ہو جا
خموشی و سماعت دونوں بہتر ہیں تکلم سے　　چھپا لے راز اپنا ہو سکے تو رازداں ہو جا
یہ ہیں آدابِ منزل جن سے شاید تو نہ تھا واقف　　سروشِ غیب کی آواز آئی شادماں ہو جا
شبستانِ منزلِ مقصود کا دیپ ہے پروانہ　　تو یہ پروانہ لے اور صورت نکہت رواں ہو جا

بروانہ شمع علم افروختہ معشن تخیل را
"خدا خود میر سامان است اربابِ توکل را"

الٰہی جذب کا ہیدہ کو ذوقِ بیقراری دے　　شکستِ عزمِ ملت کو مجال استواری دے
عمل کی لغزشِ رفتار کو بجلی عطا فرما　　دلِ مجبور کو پھر ہمتِ خود اختیاری دے
سوادِ خاطرِ محزوں میں ویرانی جھلکتی ہے　　نظر کی غنچگی کو مژدۂ فصلِ بہاری دے
بہت کمزور ہے نشو و نمائے جسم قومیت　　ہوائے باغ عالم کو مذاق سازگاری دے
مٹانا ہے تو پہونچا کر مٹا عرشِ ترقی پر　　فلک جسکی زمیں ہو وہ عروجِ خاکساری دے
دلِ ناواقفِ انجام گھبرایا ہوا سا ہے　　عروسِ علم کو خود اضطرابِ ہمکناری دے
نظامِ قومِ مسلم کو بدل دے حدِ ممکن تک　　پھر اپنے موقلم کو زحمتِ قسمت نگاری دے

چناں در گلشنِ ملت بہارِ اولیں آید
ز ہر برگش صدائے تہنیت روح الامیں آید

اَلْعِمَارَةُ

تمام عالم کی مشہور ترین اسلامی عمارات کی معتبر تاریخ مفصّل

مرتبہٗ

مولانا سعید احمد مارہروی منیجر شعیب محمدیہ ہائی اسکول
اگرہ

پہلا باب

عمارات دھلی

دوہلی ؛

دھلی کا قدیم زمانہ میں اندرپت نام تھا اِس کے کہنڈرات موجودہ شہر سے تین میل کے فاصلے پر متھرا کی سڑک پر واقع ہیں۔
راجہ پرتھی راج عرف رائے پتھورا نے اس قدیم شہر کے قریب ایک قلعہ تعمیر کرایا تہا جسکا محیط ساڑہے چار میل کے قریب ہے
قطب صاحب کی لاٹ اسی کے اندر واقع ہے۔ سلطان قطب الدین ایبک اور سلطان شمس الدین التمش اسی قلعہ میں رہتے تھے
سلطان غیاث الدین بلبن نے اپنے عہد سلطنت اور ۶۶۶ھ ۱۲۶۷ء میں ایک جدید قلعہ تعمیر کرایا جو مرزغن کے نام سے موسوم تھا۔ اس کے بعد
سلطان معز الدین کیقباد نے ۶۸۵ھ ۱۲۸۶ء ہجری میں دریائے جمنا کے کنارے ایک جدید شہر آباد کیا جس کا نام کیلو گڑھی (کیلو کہڑی)
تہا حضرت امیر خسرو قران السعدین میں اسی شہر کی تعریف میں فرماتے ہیں۔ ؎

حضرت دہلی کنف عدل و داد — جنت عدن است کہ آباد باد
ہست چو ذات ارم اندر صفات — حرسہا اللہ عن الحادثات

مقبرہ ہمایوں اور درگاہ سلطان نظام الدین اولیا اِسی شہر کے کہنڈرات میں واقع ہیں۔ سلطان جلال الدین خلجی نے اسی کے
قریب ایک جدید شہر کی بنیاد ڈالی اور اُسے شہر نو کے نام سے موسوم کیا۔ اس شہر نو کے حصار کی تعریف میں امیر خسرو نے ایک
قصیدہ لکھا تہا جسکی ایک بیت یہ ہے ؎

شہا در شہر نو کردی حصارے — کہ رفت از کنگرہ با تا قرسنگ

اس کے بعد سلطان علاؤ الدین خلجی نے سیری کا قلعہ اور شہر بنوایا جسکے نشانات قطب صاحب کو جاتے ہوئے بائیں ہاتھ کیجانب
دکہائی دیتے ہیں اس قلعہ کو قلعۂ علائی بہی کہتے تھے۔
غیاث الدین تغلق نے اپنے عہد میں ایک جدید شہر اور قلعہ تعمیر کرایا جو تغلق آباد کے نام سے موسوم اور قطب صاحب سے چار میل
مشرق کیجانب متھرا کی سڑک کے قریب واقع ہے۔ یہ قلعہ اب تک موجود ہے۔ اسی کے قریب غیاث الدین تغلق کا مقبرہ ہے۔
تغلق آباد کے قریب محمد تغلق نے ایک نیا شہر آباد کرکے دونوں شہروں کو ایک کر دیا۔ محمد تغلق کے مشہور محل ہزار ستون کے کہنڈرات
اسی نئے شہر میں واقع ہیں۔ ابن بطوطہ نے اسی کی نسبت لکھا ہے کہ یہ ایک عظیم الشان شہر ہے اور اُس کی عمارت میں خوبصورتی
اور مضبوطی دونوں پائی جاتی ہیں۔ اُس کی فصیل ایسی مضبوط ہے کہ دنیا بھر میں اُسکا نظیر نہیں اور مشرق میں کوئی شہر خواہ
اسلامی [illegible] عظمت کو نہیں پہنچتا بڑا فراخ اور آباد شہر ہے۔

سلطان محمد تغلق کے مرنے کے بعد ۷۵۵ھ/۱۳۵۴ء میں فیروز شاہ تغلق نے ایک نیا شہر فیروز آباد کے نام سے آباد کیا جو مقبرۂ ہمایوں سے لیکر موجودہ شہر کے شمال کیطرف پہاڑی تک چلا گیا تھا۔ کالی مسجد اسی شہر میں واقع تھی۔ جس مقام پر اب فیروز شاہ کی لاٹ کھڑی ہے وہاں اس شہر کا قلعہ تھا۔ اس شہر میں ایک طاس گھڑیال لگایا گیا تھا جسکی آواز سے معلوم ہوتا تھا ؎

ہر ساعتے کہ بر در شہ طاس میزنند　　نقصان عمر میشود آں یاد میدہند

نمازوں کے اوقات روزہ کھولنے کا وقت۔ سائے کا حال۔ دن رات کی کمی بیشی کا انداز اس سے معلوم ہوتا تھا۔
ہمایوں نے ۹۴۰ھ/۱۵۳۳ء میں قلعہ اندر پت کو از سر نو تعمیر کرا کر دین پناہ نام رکھا۔ یہ قلعہ شاہجہاں آباد سے دو کوس کے فاصلے پر اب تک موجود اور پرانے قلعہ کے نام سے مشہور ہے۔ اسکے بعد ۹۴۸ھ/۱۵۴۱ء میں شیر شاہ سور نے قلعہ سیری اور دہلی علائی کو ویران کر کے ایک نیا شہر آباد کیا جسکا اب صرف ایک دروازہ (کابلی دروازہ) باقی رہ گیا ہے۔ سیلم شاہ سور نے سلیم گڑھ تعمیر کرایا غرضکہ ؎

ہر کہ آمد عمارتے نو ساخت　　رفت و منزل بدیگرے پرداخت

سب سے آخر میں تاریخ ۲۵ ذالحجہ ۱۰۴۸ھ/۱۶۳۸ء کو موجودہ دھلی یعنی شاہجہاں آباد کی بنیاد شہنشاہ شاہجہاں کے حکم سے رکھی گئی۔ نو برس اور تین مہینے کے عرصے میں اس کی آبادی قلعہ اور دیگر عمارات شاہی تکمیل کو پہنچیں اور ساڑھے تین سو برس کے بعد حضرت امیر خسرو کی یہ پیشین گوئی جو دھلی کی شان میں کی تھی پوری ہوئی۔ ؎

اگر فردوس بر روئے زمین است　　ہمین است و ہمین است و ہمین است

دہلی کی پر عظمت عمارات کا مفصل حال سید احمد خاں نے اپنی کتاب آثار الصنادید میں قلمبند کیا ہے اس کتاب میں صرف مشہور اور عالیشان عمارتوں کے حالات لکھے جاتے ہیں۔

مسجد قوت الاسلام

پہلے اس جگہ راجہ پرتھی راج کا مندر تھا۔ ۵۸۷ھ/۱۱۹۱ء میں قطب الدین ایبک نے دہلی کو فتح کر کے اسی بت خانہ کو خانۂ خدا بنالیا اور مشرقی دروازہ پر فتح کی تاریخ اور اپنے نام کا کتبہ کندہ کرادیا۔ اسکے بعد شہاب الدین محمد غوری کے حکم سے ۵۹۲ھ/۱۱۹۵ء میں قدیم مندر کی عمارت کے سامنے پانچ در بطور مسجد کے سنگ سرخ سے تعمیر ہونا شروع ہوئے جو ۵۹۴ھ/۱۱۹۷ء میں بنکر تیار ہوئے ان میں درمیانی در کا ارتفاع ۴۸ فیٹ اور چوڑائی ۲۲ فیٹ ہے اور اردگرد کے در ۲۸-۳۰ فیٹ بلند ہیں۔ ان دروں پر نہایت پر تکلف سنگتراشی اور گلکاری کی ہوئی ہے اور آیات قرآنی اور احادیث نبوی منقوش ہیں۔ اس درجہ کی لمبائی ۲۱۶ فیٹ اور چوڑائی ۱۵۰ فیٹ ہے ۶۲۷ھ/۱۲۲۹ء میں سلطان شمس الدین التمش نے اس عمارت کے شمال و جنوب میں تین تین در اور تعمیر کرا کر مندر کے بیرونی دالان تک مسجد کو بڑھا دیا۔ ان دروں پر بھی خط نسخ اور خط کوفی میں آیات قرآنی کندہ ہیں اور بہت نفیس سنگتراشی کا کام ہے۔ ان دروں کی لمبائی ۱۰۲+۱۰۲ فیٹ ہے۔ اسکے بعد سلطان علاء الدین خلجی نے شمال کی طرف چوتھے درجہ کی بنیاد رکھی۔ اس میں ۳۸۵ فیٹ کی لمبائی میں ۹ در رکھے تھے ۷۱۱ھ/۱۳۱۱ء میں اسکی تعمیر شروع ہوئی جو ۷۱۵ھ/۱۳۱۵ء میں بادشاہ کے مرنے کی وجہ سے ناتمام

رہ گئی۔ فرگسن صاحب لکھتے ہیں کہ اس مسجد کو محرابوں کی بلندی اور قطب مینار کی وجہ سے دنیا کے عجائبات میں شمار کرنا چاہئے
ابن بطوطہ کا قول ہے کہ یہ مسجد بلحاظ وسعت و خوبصورتی تمام دنیا میں بے نظیر ہے۔ حضرت امیر خسروؒ فرماتے ہیں ؎

صفت مسجد جامع کہ چناں است درو — شجرۂ طیبہ ہر سوئے چو طوبیٰ بجناں
مسجد او جامع فیض آلہ — زمزمہ خطبۂ او تا بماہ

قطب مینار یا قطب صاحب کی لاٹ

یہ بے نظیر مینار جو اصل میں مسجد قوت الاسلام کا مازنہ ہے۔ رفعت و شان اور خوشنمائی میں لاثانی اور ابتدائی اسلامی تعمیر کا بہترین نمونہ ہے اسکے کٹہرے اور نقش و نگار خالص عربی طرز کے ہیں۔ پہلے یہ ہفت منظری یعنی سات منزل کا مینار تھا جسکی اب صرف پانچ منزلیں باقی ہیں جنمیں چوتھی منزل سنگ سرخ اور سنگ مرمر کی اور باقی منزلیں خالص سنگ سرخ کی ہیں ان پر آیات قرآنی کے کتبے کندہ ہیں اور نہایت بے نظیر منبت کاری اور گلکاری کی ہوئی ہے۔ سید احمد خاں مرحوم کی رائے ہے کہ اس کی پہلی منزل راجہ پرتھی راج کے زمانہ کی ہے۔ کیونکہ اسلامی مینار علی العموم کرسی دے کر بنائے جاتے ہیں اور اس میں کرسی نہیں دی گئی۔ ڈاکٹر گستاولی بان لکھتے ہیں کہ اس کی شکل سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکے معمار ہندو تھے۔ موسیو گارسان دیتاسی کا بیان ہے کہ اس لاٹ کی شان اور خوبصورتی کا بیان الفاظ کے ذریعہ سے ناممکن ہے۔ اس کی نظیر تمام عالم میں نہیں ہے۔ پہلی منزل پر ۵۸۷ھ ۱۱۹۱ء یعنے فتح دہلی اور قطب الدین ایبک سپہ سالار اور معز الدین یعنی شہاب الدین محمد غوری کے نام کا کتبہ کندہ ہے باقی منزلوں پر بانی مینار سلطان شمس الدین التمش کا نام منقوش ہے ۷۷۰ھ ۱۳۶۸ء میں فیروز شاہ تغلق اور ۹۰۹ھ ۱۵۰۳ء میں فتح خاں نے اس کی مرمت کرائی۔ اسکے بعد ۱۸۰۳ء میں جب زلزلہ کے صدمہ سے اوپر کی چھتری گر کر مینار مرمت طلب ہو گیا۔ تو سرکار کمپنی کے حکم سے مسٹر اسمٹ صاحب گڈھ کپتان نے ایک لاکھ روپے کے صرف سے اس کی مرمت کرائی اور جس جگہ کنگورے تھے وہاں سنگین کٹھرہ اور پانچویں منزل پر برجی خوبصورت کٹھرہ بنوادیا۔

قطب مینار کے نیچے کا قطر ۴۷ فیٹ ۳ انچہ اور چوٹی کا ۹ فیٹ ہے سیڑھیوں کی تعداد ۳۷۸۔ اور بلندی درجہ وار ۹۶ + ۵۰ + ۴۰ + ۲۵ + ۲۵ + ۲ فیٹ کٹھرہ کل ۲۳۸ فیٹ ہے۔

دروازہ سلطان علاء الدین خلجی

قطب مینار کے پاس مسجد قوت الاسلام کا یہ عالیشان دروازہ واقع ہے۔ ڈاکٹر گستاولی بان لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے فن تعمیر کا یہ ایک نہایت اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس میں عربی وضع غالب ایرانی طرز کم اور ہندی مذاق بہت ہی کم ہے۔ عربوں کی یادگاروں میں سے بہتر کوئی عمارت نہیں اور باستثنائے چند دروازوں کے جو قصر الحمرا کے اندر واقع ہوئے ہیں میں نے کوئی چیز اسکے مقابلہ کی نہیں دیکھی۔ تناسب اجزا کے لحاظ سے اگر یہ دروازہ علاء الدین کی یادگار کا راستہ واقع ہوتا تو اسے کہہ سکتے تھے کہ یہ کسی عظیم الشان کلیسا کا رو کار ہے جو کوئی ان عمارات ر دروازہ و مینار کی سچی تصویروں کو بغور دیکھے گا وہ ضرور اس حیرت انگیز

صنعت کی قدر کرے گا جسے ان عمارات کے معماروں نے نہ فقط مختلف اوضاع تعمیر کے ترکیب دینے میں صرف کیا ہے بلکہ اس ترکیب سے انھوں نے ایک نئی اور انوکھی طرز پیدا کی ہے۔ دروازہ کے ستون ہندی وضع کے ہیں محرابوں کے طرز اور آرائشوں کا بہت بڑا حصہ عربی ہے اور عمارت کی مجموعی صورت کسی قدر اُن دروازوں کو یاد دلاتی ہے جو ایران کے اس قسم کی عمارتوں میں ہوا کرتی ہیں۔ یہ دروازہ جسقدر عظیم الشان ہے اُسی قدر مستحکم ہے۔ اندلس کی اینٹوں کی جگہ یہاں پتھروں سے کام لیا گیا ہے اور پتھر میں ترشے ہوئے گل بوٹے قصر الحمرا کے سادہ مصالح کا کام دیتے ہیں۔ اس دروازہ کو ۷۱۰ھ ۱۳۱۰ء میں علاء الدین خلجی نے بنوایا تھا۔ یہ بالکل سنگ سرخ کا ہے اور کہیں کہیں سنگ مرمر بھی لگا ہے۔ اسکے چاروں طرف چار دروازے بنائے ہیں اور چھت کا لداؤ بطور برج کے بہت بلند پاٹا ہے۔ چاروں طرف بہت عمدہ منبت کاری اور گلکاری کی ہے اور حدیثیں اور قرآن شریف کی آیتیں منقوش ہیں۔ اس دروازہ کے علاوہ بادشاہ نے مسجد کے اُس درجہ کے صحن میں جو اُسنے بنوانا شروع کیا تھا سو گز کے محیط سے ایک مینار کی بنیاد رکھی تھی اور ۲۰۰ گز بلند بنانے کا ارادہ کیا تھا لیکن ہنوز ایک درجہ بھی پورا نہ ہونے پایا تھا کہ بادشاہ کی عمر پوری ہوگئی اور وہ ناتمام رہ گیا۔

مقبرہ سلطان شمس الدین التمش

قطب مینار کے پاس یہ مقبرہ واقع ہے اس کی عمارت بھی عربی طرز کی خوشنما یادگار ہے۔ بیرونی جانب سنگ خارا اور اندرونی جانب سنگ سرخ اور کہیں کہیں سنگ مرمر لگا ہے۔ تمام دیواروں پر آیات قرآنی کندہ ہیں اور بہت نفیس منبت کاری کام بنا ہوا ہے۔ پہلے اس مقبرہ پر ستون دار گنبد تھا جو اب گر گیا ۶۳۳ھ ۱۲۳۵ء میں شمس الدین التمش کے مرنے کے بعد رضیہ بیگم اُسکی بیٹی نے اس مقبرہ کو بنوایا تھا فیروز شاہ تغلق نے اس کی مرمت کراکر صندل کا چھپرکھٹ چڑھایا تھا۔

درگاہ امام ضامن

یہ مقبرہ علاء الدین کے دروازہ کے پاس واقع ہے بہت خوش قطع بنا ہوا ہے اور گنبد بھی بہت خوشنما ہے اندر سنگ مرمر کا فرش ہے صاحب مقبرہ کا اصلی نام امام محمد علی مشہدی تھا۔ یہ بزرگ سکندر لودی کے زمانہ میں مشہد مقدس سے دہلی میں تشریف لائے تھے اور یہ مقبرہ اپنے سامنے بنوایا تھا ۹۴۴ھ ۱۵۳۷ء میں ان کا انتقال ہوا اور حسب وصیت اس مقبرہ میں دفن کئے گئے۔

درگاہ حضرت قطب صاحب

حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا انتقال شب دوشنبہ ۱۴ ربیع الاول ۶۳۴ھ ۱۲۳۶ء کو ہوا تھا۔ تین سو برس تک مزار مبارک کے پاس کوئی عمارت تعمیر نہیں ہوئی۔ شیر شاہ سور کے عہد اور ۹۴۸ھ ۱۵۴۱ء میں خلیل اللہ خاں نے ایک چاردیواری تعمیر کرائی تھی جو اب نہیں رہی۔ ۹۵۸ھ میں سلیم شاہ سور کے عہد میں یوسف خاں نے درگاہ میں ایک دروازہ تعمیر کرایا کہ جسکی تاریخ بنا "درگاہ خواجہ قطب" ہے۔

ہے۔ ۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء میں شاکر خاں نے جانب غرب ایک دروازہ بنوایا۔جواب تک موجود ہے ۱۱۳۰ھ/۱۷۱۷ء میں فرخ سیر نے مزار کے گرد سنگ مرمر کی نفیس جالیاں اور خوبصورت دروازے بنوائے جو ۱۲۵۲ھ میں بہادر شاہ نے صندل کا کٹہرہ نصب کرایا۔

درگاہ کے متصل جالیوں کے پاس جو مسجد ہے وہ اوّل خود حضرت قطب صاحب نے بنائی تھی اس میں دو محرابیں ہیں دوسرا درجہ سلیم شاہ سور اور تیسرا درجہ فرخ سیر کا بنوایا ہوا ہے۔ درگاہ کی باولی حافظ محمد داؤد خاں مستقیم جنگ نے ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۶ء میں بنوائی تھی۔

موتی مسجد

یہ سنگ مرمر کی خوبصورت مسجد قطب صاحب کی درگاہ کے پاس واقع ہے ۱۲۲۱ھ/۱۷۰۹ء میں شاہ عالم بہادر شاہ نے اسے بنوایا تھا اس میں تین گنبد اور دو مینار ہیں۔تین در کی مسجد ہے۔فرش بھی سنگ مرمر کا ہے جسمیں سنگ موسیٰ کی پچیکاری ہے۔ اس مسجد سے ملا ہوا شاہ عالم بہادر شاہ کا مجرہ ہے۔ اسی مجرہ میں ۱۲۲۱ھ/۱۸۰۶ء میں شاہ عالم ثانی اور ۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء میں محمد اکبر شاہ ثانی دفن ہوئے۔

بھول بھلیاں

قطب صاحب کی لاٹ کے پاس ادہم خاں کوکہ اکبر بادشاہ کا مقبرہ ہے جو بھول بھلیوں کے نام سے موسوم ہے۔ اکبر بادشاہ کے حکم سے یہ مقبرہ تعمیر ہوا تھا۔ اس کی عمارت نہایت خوبصورت ہے گنبد کی دیوار میں بھول بھلیاں بنی ہیں۔ اس مقبرہ میں اب ڈاک بنگلہ ہے۔

راجوں کی بائیں

نواح قطب صاحب میں یہ عالیشان اور خوبصورت باولی واقع ہے۔ اسے سکندر لودی کے عہد میں دولت خاں نے ۹۲۲ھ/۱۵۱۶ء میں تعمیر کرایا تھا۔ اسکے کنارے پر ایک مسجد اور مسجد کے صحن میں ایک گنبد بنا ہے۔کسی زمانہ میں باولی کی عمارت میں راج و معمار آباد ہو گئے تھے جب سے راجوں کی بائیں مشہور ہے۔

درگاہ و مسجد مولانا جمالیؒ

قطب صاحب کے کھنڈرات میں جہاں کسی زمانہ میں گھمسان آبادی تھی۔مولانا جمالی کنبوہ دہلوی کیؒ یہ درگاہ واقع ہے مولانا کا اصلی نام شیخ فضل اللہ اور جمالی تخلص تھا۔ کتاب سیر العارفین اور مثنوی مرأة المعانی آپ ہی کی تصنیف سے ہیں اصحاب تذکرہ نے آپ کو یگانۂ روزگار مانا ہے۔ صفوف صوفیہ میں عارف گرامی۔انجمن علماء میں علامی فہامی۔اور بزم اہل نظم میں شاعر نامی تھے۔ مدتوں اقصائے عالم کی سیر کی حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں ایک قصیدہ لکھا تھا اسمیں فرماتے ہیں۔

موسیٰ زہوش رفت بیک پر تو صفات ۔۔۔ تو عین ذات مے نگری در تبسمی

بعض صلحا کو حضور سرور کائنات سے اس بیت کے مقبول ہونے کی بشارت ہوئی ہے۔ ۱۰ ذیقعدہ ۹۴۲ھ/۱۵۳۵ء کو شیخ کا انتقال ہوا "خسرو ہند بودہ" ۹۴۲ تاریخ وفات ہے۔جس جگہ مزار واقع ہے وہیں عالم حیات میں مسکن تھا۔اپنے حجرہ میں قبر کی جگہ بنا دی تھی۔یہ پتھر اور چونے کی عمارت ہے۔ اندر کاشانی چینی اور منبت کاری کا بہت خوبصورت اور دلفریب کام ہے۔ اور خود شیخ کی دو

غزلیں خوشنما منبت کاری میں منقوش ہیں جنکے چند شعر یہ ہیں۔ ؎

اگر بکفر کشد دیر سیاہ کاری ما | بود بعفو تو چشم امید واری ما
بخاک کوئے تو در چشم مرد ماں خواریم | بہ نزد اہل نظر عزت است خواری ما
زابر لطف تو شد ناپدید گرد گناہ | ولیک شستہ نشد داغ شرمساری ما
جمالیا بدر یار التجا ے آر | کہ ہست بر در دلدار رستگاری ما

دیگر

زحد گذشت بہ عشق تو بیقراری ما | امید ہست کہ رحم آوری بزاری ما
جمال عفو تو کے آمدے بروں ز نقاب | اگر نبودے نمودی گنہگاری ما
نظر بسوئے جمالی فگن ز روئے عطا | ببیں بجانب سستی و خامکاری ما

مقبرہ کے بیرونی احاطے میں شیخ کے خاندان اور اہل و عیال کی قبریں ہیں اور اُسکے ملحق ایک عالیشان سنگین مسجد ہے جسکی محرابوں پر اُبھرے ہوئے حرفوں میں آیات قرآنی کندہ ہیں۔ اس مسجد کو مولانا جمالی نے ۹۳۵ھ ۱۵۲۸ء میں بنوایا تھا۔ مسجد اور درگاہ دونوں عمارتیں محکمۂ آثار قدیمہ کے متعلق ہیں

حوض شمسی یا قطب صاحب کا تالاب

قطب صاحب کے نواح میں سلطان شمس الدین التمش نے ۶۲۷ھ ۱۲۲۹ء کے قریب اس حوض کو سنگ سرخ سے تعمیر کرایا تھا حضرت امیر خسرو نے قران السعدین میں اس حوض کی تعریف لکھی ہے جسکے چند شعر یہ ہیں۔ ؎

در کمر سنگ میان دو کوہ | آب گہر صفوت و دریا شکوہ
ساختہ سلطانِ سکندر صفات | در سد کوہ آئینہ زاب حیات
تا خضر آب خوش او نوش کرد | آب خود از چشمہ فراموش کرد
شہر گر از وے بنود آب کش | کس نخورد در ہمہ شہر آب خوش

ابن بطوطہ نے بھی اس حوض کا حال اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ شہر دہلی کے باہر ایک حوض ہے جو سلطان شمس الدین التمش کیطرف منسوب ہے۔ اہل شہر اُسکا پانی پیتے ہیں۔ بارش کا پانی اس میں جمع ہوتا ہے طول دو میل اور عرض ایک میل کے قریب ہے۔ غربی جانب یعنی عیدگاہ کی طرف پتھر کے گھاٹ بنے ہیں جو چبوتروں کی شکل میں ہیں۔ ہر چبوترے کے کونے پر گنبد اور پانی کے اندر سیڑھیاں بنی ہیں۔ وسط حوض میں منقش پتھروں کا دو منزلہ گنبد بنا ہوا ہے۔ جسکے اندر ایک مسجد بھی ہے۔ جب تالاب میں پانی زیادہ ہوتا ہے تو کشتیوں میں بیٹھکر لوگ اس گنبد میں جاتے ہیں اکثر زاہد اور متوکل اس مسجد میں رہتے ہیں۔

۷۱۱ھ/۱۳۱۱ء میں علاء الدین خلجی اور اُسکے بعد فیروز شاہ تغلق نے اس حوض کو صاف کراکر مرمت کرائی اب اسکے پتھر وغیرہ سب اُکھڑ گئے محض تالاب رہ گیا ہے جسکا رقبہ دوسو چھتر ۲۷۶ بیگہ پختہ ہے کنارے پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا مزار ہے جو نہایت دلچسپ جگہ ہے حضرت شیخ سماء الدین پیر مولانا جمالی کا مقبرہ اور اولیا مسجد بھی حوض کے مشرقی کنارے پر واقع ہے اور اور بھی کئی چھوٹی چھوٹی عمارتیں کنارے پر بنی ہیں ۔

حوض خاص

یہ حوض ایک سوکئی بیگہ پختہ آراضی میں قطب صاحب کے راستے میں واقع ہے ۔ اسے سُلطان علاء الدین خلجی نے ۶۹۵ھ/۱۲۹۵ء میں تعمیر کرایا تھا ۔ چاروں طرف اسکے پختہ دیواریں بنی ہوئی ہیں ۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ دہلی اور دارالخلافہ کے درمیان میں ایک اور حوض ہے جس کو حوض خاص کہتے ہیں یہ حوض حوض شمسی سے بڑا ہے ۔ اسکے کناروں پر چالیس کے قریب گنبد ہیں اسکے ارد گرد اہل طرب رہتے ہیں اُن کی وجہ سے اسے طرب آباد کہتے ہیں ۔ یہاں اہلِ طرب کا بہت بڑا ایک بازار ہے اُس میں ایک جامع مسجد بھی ہے اور سوائے اسکے اور اور مسجدیں بھی ہیں ۔

فیروز شاہ تغلق نے ۷۵۵ھ/۱۳۵۴ء میں اس حوض کی مرمت کرائی اور اسکے کنارہ پر عالیشان مدرسہ تعمیر کرایا تھا ۔ فیروز شاہ کا سنگین مقبرہ جو ۷۹۲ھ/۱۳۸۹ء میں تعمیر ہوا اِسی حوض پر واقع ہے اور بھی کئی چھوٹے چھوٹے گنبد اور مقبرے اس حوض کے کنارے پر بنے ہوئے ہیں برسات میں یہاں کا منظر قابل دید ہے ۔

بدیع منزل

حوض خاص کے سامنے فیروز شاہ کی مشہور عمارت بدیع منزل واقع ہے جو عام طور سے بیجے منڈل کے نام سے موسوم ہے ۔ یہ جہاں نما کے نام سے بھی مشہور تھی ۔ اس کی قطع عجیب ہے ایک بلند برج پر چار دروازوں کا ایک کمرہ بنایا ہے اُس کی دیواریں سے اوپر جانیکا زینہ رکھا ہے ۔ اوپر ایک خوبصورت بارہ دری تھی جو اب گر گئی ۔ اسکے قریب موضع بیگم پور میں جا بجا فیروز شاہی کی تعمیر کردہ دو مسجدیں واقع ہیں ایک مسجد بیگم پور اور دوسری مسجد کالو سرائے کے نام سے مشہور ہے ۔

مقبرہ سُلطان غازی

قطب صاحب سے دو کوس کے فاصلے پر مغربی جانب یہ مقبرہ واقع ہے ۔ اسمیں شاہزادہ ناصرالدین محمود پسر کلاں شمس الدین التمش کی قبر ہے ۔ یہ شاہزادہ لکھنوتی و بنگال کا حاکم تھا ۔ ۶۲۶ھ/۱۲۲۸ء میں اُس کا انتقال ہوا ۔ اُس کی لاش وہاں سے لاکر اس جگہ دفن کی گئی ۔ اور ۶۲۹ھ/۱۲۳۱ء میں یہ مقبرہ تعمیر ہوا ۔ اسکی عمارت بہت نفیس ہے ۔ اندر چاروں طرف مکان ہیں اور مغربی جانب چھوٹی سی سنگ مرمر کی مسجد ہے ۔ درمیان میں ایک غار کے اندر جسمیں پندرہ سیڑھیاں اُتر کر جاتے ہیں قبر ہے ۔ غار میں ستون کھڑے کرکے چھت پاٹی ہے ۔ چھت پر مثمن چبوترہ ۴ فیٹ بلند بنایا ہے ۔ مقبرہ کا دروازہ سنگ مرمر کا ہے اور اُس پر آیات قرآنی بخط نسخ و کوفی کندہ ہیں

شبِ بے ابر

نہ برق کی وہ تابشیں نہ رعد کے وہ زمزمے
نہ کاروانِ ابر کی وہ شورشیں وہ قہقہے

نہ وہ گھٹائیں کالی کالی چرخ پر تلی ہوئی
نہ وہ ردائے شام دوشِ ماہ پر کھلی ہوئی

نہ وہ پھوار ہے نہ وہ ترشحِ نم آفریں
نہ وہ بہار ہے نہ وہ ہوائے شبنم آفریں

نہ مینڈکوں کی وہ کنارِ آبجو نفیریاں
نہ اب کلیل میں ہیں پچھلی رات کو ٹٹیریاں

نہ شور مور کا ہے اور نہ رقص میں طیور ہیں
نہ جھینگروں کے راگ صرف بارشِ سرور ہیں

زمیں ادھر خموش ہے فلک ادھر خموش ہیں
تجلیاں ہیں رات میں بہت مگر خموش ہیں

مرے جہانِ قلب پر بھی ابرِ غم ضرور تھا
شروعِ عشق وجہ بارشِ ستم ضرور تھا

گھٹائیں میرے دل پہ حسرتوں کی تھیں گھری ہوئی
چمک تھی سوزِ غم کی بجلیوں سے کوندتی ہوئی

گرج فغاں کی رعد کے لئے نہیب گرم تھی
وفورِ اشک سے ہر ایک رگ جگر کی نرم تھی

بدن کا عضو عضو مرغ زمزمہ نواز تھا
صدائے استخواں میں عالمِ شکستِ ساز تھا

سوادِ دل پہ اب کہاں وہ حسرتوں کی بدلیاں
اُڑا کے لے گئیں انھیں کسی کی سرد مہریاں

ہجوم داغ دل میں ہے عیاں مگر خموش ہے
ستاروں سے بھری ہوئی ہے شب مگر خموش ہے

ساغر

پڑا تھا۔ اور میں دامن در دست اُسے دیکھ رہا تھا۔ مجھے بڑا قلق ہوا جب میں نے دیکھا کہ ایک سفید مسالہ زمین پر پھیل گیا ہے مجھے ہنسی آگئی۔ میں ایک مصنوعی طمانیت کے ساتھ باہر آیا۔ اب اندھیرے میں واہمہ مصروف خلاقیت تھا۔ مجھے دیواروں پر برہنہ سر حرکت کرتے ہوئے نظر آتے تھے۔ اور گول میزیں کمروں میں چلتی پھرتی دکھائی دیتی تھیں، میں اس وحشت ناک نظارہ سے گھبرایا نہیں تاہم اکتا ضرور گیا۔ اور اُس دروازہ کی تلاش ہوئی جو مجھے اس طلسم کدہ سے باہر نکالدے مگر مجھے معلوم ہوا کہ تاریکی نے ایک ایسے گوشۂ نامعلوم تک پہونچا دیا ہے جہاں سے نکلنا دشوار ہے۔

آخر میں ایک میز پر لیٹ گیا۔ کچھ گول میزیں اپنے چاروں طرف رکھ لیں نیند نہ آئی مگر صبح ہو گئی، اُجالا ہوا تو میں نے دیکھا کہ میں اپنے گھر موجود ہوں اور جو کچھ نظر آیا وہ سب کاغذ پر۔

اسرار خانۂ مغربی میں بجز منتشر حالات اور شکستہ و بوسیدہ کرسیوں کے اور کیا ہوگا جسے ارباب ذوق نے خواہ مخواہ راز بنا رکھا ہے۔ میرے خیال میں اس کا راز یہی ہے کہ اس میں کوئی راز نہیں۔

محقق بدایونی

شبابیات

خیام العصر حضرت ساغر نظامی کا مجموعہ رباعیات ایک موضوعِ "شباب" پر ۶۴ رباعیاں۔ اپنی نوعیت کی سب سے پہلی اور سب سے آخری دلچسپ کتاب۔ پاکٹ ایڈیشن پریس سے نکلتے ہی ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی ہے۔ پہلا ایڈیشن بہت جلد ختم ہونے والا ہے۔ قیمت فی جلد ۸؍ علاوہ محصول۔ خریداران پیمانہ سے حسب وعدہ رعایتی قیمت صرف ۶؍ لیجائے گی۔ آج ہی کارڈ لکھدیجئے۔

منیجر پیمانہ اگرہ

طنزیات

فرمین لاج میں ایک رات

ہندوستان میں مغیبات کی بہاں اور بہت سی فریب گاہیں ہیں وہاں فرمین لاج اکثر شہروں میں دارالاسرار بنے ہوئے ہیں۔ جسکے ممبر قوم کے مقتدر افراد ہیں۔ بڑے بڑے سنجیدہ بزرگ جنھیں اس انجمن کی رازکشائی کا دعویٰ تھا جب شریک انجمن ہوئے تو خود بھی راز بن گئے۔ "آنرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد" مجھے اکثر اصحاب الرّائے سے اس سلسلے میں بحث کرنے کا موقع ملا مگر سب نے اس چیستان کو سر وحدت کی طرح چھپایا اور "اسرار سینہ بہ سینہ" کی طرح زبان پر نہ آنے دیا۔

آخر ایک دن جبکہ لاج سنسان پڑا ہوا تھا اور تاریکیٔ شب اس کی بلند دیواروں پر پہرہ دے رہی تھی نردبان خیال لگاکر میں اسکے اندر جا پہونچا دیکھا کہ متعدد کمرے ہیں سب میں گول میزیں بکثرت پڑی ہیں مگر سب کے پائے ٹوٹے ہوئے ہیں۔ کچھ کاغذات منتشر پڑے ہیں اور کچھ شکستہ پینسلیں اس بات کا پتہ دے رہی ہیں کہ یہاں آج کوئی قلمی جنگ ضرور ہوئی ہے۔ ایک کمرہ مقفل تھا میں نے اسے کلید تحقیق سے کھولا تو اس میں قدیم وجدید سائنس کے کچھ آلات ملے اور کچھ تار ایسے نظر آئے جنکا سلسلہ دوسرے کمروں سے مربوط تھا میں نے ایک بٹن جو دیوار پر نصب تھا بے خوف ہوکر دبا دیا معاً ایک دھماکے کی آواز ہوئی اور ایسا معلوم ہوا کہ کسی دوسرے کمرے میں کوئی چیز بڑے زور سے گر پڑی ہے میں اپنے کمرے کو کھلا ہوا چھوڑکر باہر آیا اور ایک دوسرے کمرہ میں داخل ہوگیا اس میں چند کافوری شمعیں ملیں جو ہنوز جل رہی تھیں اور جن کی روشنی مختلف رنگوں سے کمرہ کی دیوار کو منقش کررہی تھی۔ اس روشنی میں مجھے دو سر نظر آئے۔ جو قدامت کے اثر سے مہیب ہوگئے تھے۔ اور جنکی زبانیں لاج کی فضائے راز نے باہر کھینچ لی تھیں۔ مجھے کچھ خوف سا معلوم ہوا مگر ہمت تحقیق نے یاوری کی اور میں اُس کمرہ سے باہر آنا چاہتا تھا کہ میرا دامن کسی نوکدار آلہ میں پھنس گیا۔ میں سمجھا پکڑے گئے۔ دامن کی گرفت خالی از علت نہیں ہے۔ سب سے اپنے جسم میں لرزش معلوم ہونے لگی۔ مگر میں نے یہ دیکھنے کی کوشش نہ کی کہ میرا دامنگیر کون ہے۔ جب اس حالت میں چند منٹ گذر گئے تو زبان دراز کھوپریوں کے مہیب وقار نے مجھے پھر اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ لرزش جسم بڑھتی چلی جارہی تھی۔ اور مستقبل خوف سے قریب تر ہوتا جاتا تھا۔ آخر میں نے قوت مردانگی سے کام لیا آنکھیں بند کرلیں اور دامن کو ایک ہاتھ سے بزور کھینچکر بھاگنا چاہا قدم اُٹھے ہی تھے کہ کسی چیز کے گرنے کی آواز نے میری روح کو کپکپا دیا۔ میں اُسے کسی ذی رُوح کی صدائے احتجاج سمجھا بڑھ کر دیکھا تو ایک طرف آہنی لڑکا ہوا

راہِ وطن

۱

شوق پھر لیجا رہا ہے سوئے وطن — پھر سمائی دل کو آرزوئے وطن
ٹھنڈی ٹھنڈی یہ رات سرما کی — ہر طرف چاندنی ہے چھٹکی ہوئی
محو آرائش گلستاں ہے — وجد افزا نمائش زمستاں ہے
دھیمی دھیمی ہوائے فرحت زا — بھینی بھینی یہ نکہت صحرا
بھیگی بھیگی فضائے نورانی — ہلکی ہلکی برودت انسانی
دشت صحرا شجر حجر تارے — دور پہ بستیوں کے نظارے
اوڑھ رکھی ہے سب نے سر تا سر — ماہتابی مہین ایک چادر
کس قدر پر سکوں مناظر ہیں — وجد انگیزِ روحِ شاعر ہیں

مجھ کو لیکن ہے جستجوئے وطن
شوق لیجا رہا ہے سوئے وطن

۲

ذرے ذرے پہ حکمراں ہے سکوت — قطرے قطرے کا راز داں ہے سکوت
آدمی چپ ہیں جانور چپ ہیں — بحر و بر چپ ہیں بام و در چپ ہیں
ساکنانِ زمیں بھی ہیں خاموش — آسماں کے مکیں بھی ہیں خاموش
دور دورہ جمود کا ہر سو — چار جانب ہے ایک عالم ہو
کیسی حیرت زدہ ہے فطرت بھی — آنکھیں پتھرا گئیں ستاروں کی
کار فرما ہے بے حسی ہر جا — ساری مخلوق کو ہے سکتہ سا
ہاں مگر اک خموش موسیقی — ایک اک چیز پر ہے چھائی ہوئی
چھپتے چھپتے کو جس سے راز و نیاز — ذرہ ذرہ ہے گوش بر آواز

اور میں جا رہا ہوں سوئے وطن
دل ہی دل میں ہے گفتگوئے وطن

۳

ریل گاڑی کا آہنیں نغمہ — آتشیں شعلہ آفریں نغمہ
رہ نوردانِ خستہ جاں کیلئے — شب روانِ شکستہ جاں کیلئے
داروئے اضطراب ہے گویا — ایک افسونِ خواب ہے گویا
لوریوں کی صدا جو آتی ہے — نیند آنکھوں میں چھائی جاتی ہے
خواب سے ہمکنار ہے کوئی — کرب سے بیقرار ہے کوئی
بیٹھنا اس سے بعض کو دشوار — جائے تنگ است مردماں بسیار
کوئی غربت زدہ ہے کشتۂ غم — ہجر میں وقفِ گریۂ پیہم
اور کوئی رفیقِ راہ حبیب — لطف اندوزِ وصل و عیش نصیب

ایک میں ہوں کہ مست بوئے وطن۔
شوق میں جا رہا ہوں سوئے وطن

ظہیر ایم۔ اے (علیگ)

(اردو نثر نگاروں کا ایک جامع اور مکمل تذکرہ)

مرتبہ

مولانا انتظام اللہ صدیقی گوپاموی ثم الاکبرآبادی

جو

"پیمانہ" کے لئے بطور خاص مرتب کیا گیا

مقدّمہ

اُردو کی اساس

مُسلم فاتحین ہی نہیں بلکہ آریوں کی آمد اور سنسکرت کی تدوین سے بہت بیشتر ہندوستان میں مختلف پراکرتوں کا رواج تھا اور ان میں کی اکثر بھاکھا برسرِ عروج تھیں۔ ان پراکرتوں میں سروسنی یعنی برج بھاکھا ہر اعتبار سے مہا بھاشا تھی۔ اور برج سے مالوا اور مگدیس (صوبہ بہار) کی سرحد تک پھیلی ہوئی تھی۔ صدیوں کے بعد سنسکرت کا اثر پڑا اور اُسکے بعد تاتاری۔ ترکی۔ ژند و پہلوی اور یونانی کا بھی ہر زمانہ میں اثر پڑتا رہا کیونکہ یہ قومیں ہند سے گہرا تعلق رکھتی رہیں۔ اور ان ممالک کے افراد اس ملک میں بکثرت آئے اور یہاں کے لوگ وہاں گئے۔

"ہندؤں کے زوال اور بدھ کے عروج کے وقت تک قدیم فارسی (پہلوی وغیرہ) کا یہاں کی بھاکھا اور خصوصاً ہماری بھاشا پر بیرونی اثر غالب ہو چکا تھا اور سنسکرت عوام کی زبان نہ ہونے کی وجہ سے اس قدر دب چکی تھی اور نامقبول ہو چکی تھی کہ مہاتما بودھ کو اپنا وعظ سنسکرت میں نہیں بلکہ یہاں کی عام زبان یعنی مقبول و مروج بھاشا میں کہنا پڑا۔"

"مسلمانوں کے یہاں آنے کے وقت تک سنسکرت مٹ چکی تھی۔ اور سندھ اور مالوہ وغیرہ میں تو وہ ایک غیر زبان سمجھی جاتی تھی اس سے عربوں اور عربی کا اثر اس سروسنی یعنی مہا بھاشا پر بہت گہرا پڑا۔ اور عراقی و شامی۔ عربی و بحرین کی مخلوط زبانوں کا بھی اثر ہوتا رہا آخر ملتان وغیرہ بھی اس سے خالی نہ رہ سکے۔ اہلِ عرب کے رخصت ہونے پر دوبارہ تاتاری و ترکی اور بعد کو وہ ایرانی اس میں ٹڈی دل کی طرح آئے جنکی زبانیں خالص نہیں رہی تھیں بلکہ عربی اثر سے مغلوب اور مفتوح ہو چکی تھیں ان بیرونی زبانوں میں فارسی (جدید) کا گہرا اور دیرپا اثر یہاں عام زبانوں اور خصوصاً مہا بھاشا پر پڑا اور غوریوں کے وقت تک یہ مہا بھاشا فارسی بھاشا ہو گئی۔ رفتہ رفتہ یہی زبان اُردو بن گئی۔ اور مغلوں کے عہد اور خصوصاً شاہجہاں کے زمانہ میں وہ اتنے عروج پر پہونچ گئی کہ اردوئے معلےٰ کا موزوں خطاب پا سکی۔"

تاریخِ اُردو

خلیفہ ولید کے عہد میں محمد بن قاسم ثقفی نے سندھ فتح کیا جسکے حدود اس زمانہ میں قنوج تک پھیلے ہوئے تھے "فتح ہندوستان در عہد ولید بن عبد الملک از دست محمد قاسم ثقفی صورت لبست و از اوا سطہ ۹۲ھ تا آغاز ۹۵ھ رایات محمدی از حدود ولایت سندھ تا اقصائے قنوج فراموش نمود و سرکشاں ملک را مطیع و منقاد ساخت[۱]۔"

جنوبی ہند (ساحل مالابار) مبلغین و تجار و اہلِ اسلام کا پہلی صدی سے دوسری صدی کے آخر تک آماج گاہ رہا۔ اکثر قبائل عرب آکر آباد ہوئے۔ ان کی زبان کے اثرات قنوج تک پھیل گئے تھے۔ برج کی مرکزی حیثیت سے دیس دیس کے جاتری جمع ہوتے رہتے اور یہاں کی عام بھاشا میں بھی مذہبی جاتریوں کی وجہ سے مسلمانوں کی زبان کا اثر کافی طور پر ہوتا رہا۔

---

[۱] مآثر الکرام صفحہ ۵۔

ہر نئی آنے والی نسل کا یہ مرغزار برج جولانگاہ رہا۔ ہے جسقدر اقوام ہند میں وارد ہوئیں فطرت کے اس حسن کدہ پر ضرور حاضر ہوئیں"۔ اور یہی وجہ ہے کہ دیگر اقطاع ملک سے زیادہ یہاں کی زبان پر ان کا اثر پڑا اور اسکا دامن مختلف السنہ کا مینا بازار بنگیا۔ سلطان محمود غزنوی نے ۱۳ ۴ھ میں قنوج و کالنجر کو فتح کیا۔ تو نندا ہندی شاعر نے سلطان کی مدح میں ایک منظوم قصیدہ پیش کیا جس میں اکثر عربی الفاظ بھی تھے ۵۲

عہد مسعود میں علامہ ابوریحان بیرونی مصنف کتاب الہند نے سولہ برس ہند میں مقیم رہ کر زبان سنسکرت کی تحصیل کی اور سنسکرت میں صاحب تصنیف ہوئے۔ یہ زبردست شواہد اس امر کے ہیں کہ باہم ہندی اور عربی زبانوں میں تاثیر و تاثر اور فعل اور انفعال شروع ہوگیا تھا۔

بہرام شاہ کا زمانہ آیا ابوسعد بن مسعود بن سلمان ایرانی متوفی ۵۱۵ھ جو لاہور میں سکونت پذیر تھا۔ ہندی کا بھی اعلیٰ شاعر تھا صاحب تذکرہ مجمع الفصحا لکھتے ہیں۔ "الحاصل وے راسہ دیوان بود۔ تازی۔ ہندی۔ و پارسی"

محمد غوری نے ۵۸۸ھ میں رائے پتھورا بمقام دھلی فتح پائی۔ تو چند کوی نے پرتھی راج رسا لکھی جس میں عربی۔ فارسی الفاظ شامل تھے ۵۳

۶۰۱ھ میں دلی مسلم سلاطین کا مستقر الخلافت ہوگیا۔ دلی برج کے نزدیک واقع تھا۔ یہاں کی زبان برج کی زبان تھی مگر شہری و دیہقانی کا فرق تھا۔ دلی مرکز علم و فضل اور متھرا و بندرابن فضل و کمال سے معرا۔

۶۰۵ھ میں امیر خسرو دہلی میں پیدا ہوئے یہ علم و فضل کی یگانہ روزگار ہستی تھی۔ عربی۔ فارسی۔ ہندی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ اپنی تصنیف "نہ سپہر" جو اخیر عمر ۷۱۸ھ میں تصنیف کی اسکے تیسرے سپہر میں اپنے ہندی نژاد ہونے کا ذکر کر کے ہندوستان کے مختلف حصص کی زبانوں کا دلچسپ تذکرہ کرتے ہوئے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ ہر ملک میں اس ملک کے فاتحوں کی زبان رفتہ رفتہ خواص عوام میں مروج ہو جاتی ہے اور اس ملک کی زبان مشترکہ بن جاتی ہے ۵۴

آپنے اپنے عہد کے مروجہ زبانوں کی نسبت لکھا ہے کہ ہر ہر صوبہ کی زبان علیحدہ علیحدہ ہے جسمیں سے ایک کو دوسرے سے کوئی مناسبت نہیں مثلاً سندھی۔ لاہوری۔ کشمیری۔ تلنگی۔ گجراتی۔ مالاباری۔ گوڑ۔ بنگالی۔ اودھی۔ دہلوی۔ اس فہرست سے سُراغ لگتا ہے کہ اس زمانہ میں اردو زبان کی داغ بیل پڑ چکی تھی جو اپنی ابتدائی حیثیت میں دہلوی زبان کہی جاتی تھی۔

حضرت خسرو کے ہندی کلام سے دہلوی زبان کا پتہ چل جاتا ہے کہ اس وقت یہ بھاشا مروج تھی۔ آپ ایک موقعہ پر فرماتے ہیں۔

گوری سوئے سیج پر مکھ پر ڈالے کیس جا خسرو گھر آپنے ساجھ بھئی چوندیس

آپنے سات بادشاہوں کا زمانہ دیکھا ۷۲۵ھ میں بعہد محمد غیاث الدین محمد تغلق وفات پائی۔ محمد تغلق کی بے عنوانیوں سے دکن میں خود مختار حکومتیں قائم ہوئیں جسکا بانی علاء الدین حسن بہمنی تھا۔ اسکے زمانہ ۷۴۶ھ میں پرانی دلی اُجڑ کر دولت آباد

---

۵۲ خزانہ عامرہ ازآزاد بلگرامی۔ ۵۳ آب حیات صفحہ ۱۵۔ ۵۴ تبصرہ

خلد آباد بس رہے تھے۔ تمام علمی گھرانے اپنے وطن کو خیرباد کہہ رہے تھے۔ انھیں میں حضرت برہان الدین غریب بھی تھے ان کے ہمراہ چار سو بزرگانِ دین اسطرف سے دکن کو گئے اور سکونت پذیر ہو گئے۔ انکے میل جول سے وہانکے باشندوں کی بھی زبان درست ہونے لگی۔ حضرت مخدوم ابوالفتاح صدرالدین سید محمد حسنی گیسو دراز دلی میں ماہ رجب ۷۲۱ھ میں پیدا ہوئے پانچ سال کی عمر میں اپنی والدہ کے ہمراہ اورنگ آباد گئے اور پندرہ برس کی عمر میں والدہ کے ساتھ پھر دلی چلے آئے۔ ۸۰ برس کی عمر میں دکن مراجعت کی وہیں ماہ ذیقعد ۸۲۵ھ کو وفات پائی۔

سلطان احمد شاہ بہمنی المتوفی ۸۳۱ھ ۱۴۲۲ء کے زمانہ میں آپنے ہندی بھاشا میں عربی فارسی اور ترکی الفاظ شامل کر کے بخط فارسی ایک تصوف کا رسالہ معراج العاشقین کے نام سے لکھا یہ اُردو کی پہلی نثر ہے۔ آغاز کتاب اسطرح پر ہے۔

قال نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے انسان کے بوجنے کون پانچ تن ہر ایک تن کون پانچ دروازے ہیں ہور پانچ دربان ہیں۔

خواجہ بندہ نواز گیسو دراز سے پیشتر اخیر عہد خسروی میں سید اشرف جہانگیر متوفی ۸۰۸ھ ہیں گذرے ہیں جنکا مزار کچھوچھہ میں ہے آپ نے اپنے سلسلہ کے ایک بزرگ وجیہ الدین کے ارشادات ایک جگہ اس عہد کی زبان میں بخط فارسی جمع کئے ہیں جسکی عبارت یہ ہے۔

اے طالب آسمان زمین سب خدا ہیں ہے ہور سب خدا ہے بتحقیق جان اگر تجھ میں کچھ سمجھ کا ذرہ ہے تو صفات کے باہر بتہر تمام ذات ہی ذات[۵۱]

بہمنی حکومت کے مثل بیجاپور۔ گولکنڈا وغیرہ میں خود مختار حکومتیں قائم ہوئیں۔ بیجاپور کی حکومت کا بانی ابراہیم عادل شاہ اول متوفی ۹۵۶ھ ۱۵۵۷ء تھا اس نے اپنے زمانہ میں فارسی کے بجائے اُردو درباری زبان قرار دی اور دفتر میں بھی یہی رائج ہو گئی۔

"دفتر فارسی برطرف ساختہ ہندوی کرد وبہامنہ (برہمن) را صاحب دخل گردانید"[۵۲]

دکن میں اُردو (ہندی) ارتقا کے ابتدائی منازل طے کر رہی تھی اسی عہد کا مشہور شاعر سعدی دکنی ہے جسکا یہ شعر مشہور ہے۔

ہمنا تمن کو دل دیا تم نے لیا ہور دُکھ دیا
تم یہ کیا ہم وہ کیا ایسی بھلی یہ ریت ہے[۵۳]

عہد سلاطین قطب شاہیہ میں یہ زبان ترقی کر رہی تھی اردو نثر و نظم کو کافی وسعت حاصل ہوئی۔ سلطان محمد قلی۔ محمد عبد اللہ۔ اور تانا شاہ ہر ایک باکمال شاعر تھے اور بعض صاحب دیوان۔

عہد قطب شاہی میں شعرا کے علاوہ نثر نگار بھی تھے۔ مولانا عبد اللہ نے ۱۰۳۲ھ میں کتاب احکام الصلوٰۃ خط نسخ میں فقہ حنفی پر کسی فارسی کتاب کا ترجمہ کیا نمونہ کی عبارت حسب ذیل ہے۔

اول کلمہ طیب۔ پہلا کلمہ بولتا ہوں ہیں پاکی کا کا ہے کی پاکی ایمان کی کفر تی شرک تی۔[۵۴]

اسی زمانہ میں کتاب مفتاح الخیرات لکھی گئی ہے۔ جسکے مصنف کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ نمونہ درج ہے[۵۵]

ایمان کی حکمان کا معرفت ہور ارکان پچھاننا تمام مسلمان پر فرض ہے کہ سب کون اسکی پچھان نی چھٹکارا ہے۔

(باقی)

---

۵۱ رسالہ نگار ماہ دسمبر ۲۵ء صفحہ ۱۔ ۵۲ تاریخ فرشتہ۔ ۵۳ رسالہ لسان الملک جلد ۱ نمبر ۲ و ۳۔ از نواب سید نصیر حسین خاں خیال ۵۴ دکن میں اُردو مرتبہ نصیر الدین ہاشمی صفحہ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۹۔

"انوارِ روح"

مرے دل پر پڑا تھا مدتوں سے نور کا پردا — مگر وہ زندہ رفتہ زندگی کے نام سے سرکا
فضا حسرت سے ٹپکاتی تھی میری آنکھ سے آنسو — نظر خیرہ تھی۔ خاموشی سے ہر ذرہ کو تکتا تھا
خزاں کی آندھیاں پامال کرتی تھیں مرا گلشن — نہالِ آرزو ان موسموں میں پھولتا پھلتا
جوانی کی بہاریں اڑ رہی تھیں سرد آہوں سے — فضا آغوش پھیلاتی تھی دامن جھاڑ کر اپنا
حریمِ عنصری سے روح برق آسا نکلتی تھی — جہاں آباد تھی میری تمناؤں کی اک دنیا
مری غفلت میں شیشہ سے پری پرواز کرتی تھی — بڑی مشکل سے برسوں میں [illegible]

حسینہ "شانِ حریت میں کچھ آہستہ گاتی تھی — سبک نغمے ہوا سے اہلِ دنیا کو سناتی تھی

"اگر ہے غافلو! مجھ سے محبت تو نتیجہ کیا؟ — مجھے پابند کرنے سے تمہیں کچھ مل نہیں سکتا
تمہیں ہے آرزوئے دید اگر تو تو مجھے دیکھو — نہاں ہوں ذرے ذرے میں عیاں ہے مجھ سے ہر ذرہ
بہت دھیمی سی تاروں کی صدائے سوزِ پنہاں ہوں — مری بھینی سی بو سے ہے شگفتہ زیست کی دنیا
ابد کو جو کھینچے گا میں وہی خطِ شعاعی ہوں — بنیگا داستاں بنکر ازل میں تھا جو اک نقطہ
مجرد نور کی پتلی ہوں۔ محور ہوں دو عالم کی — کہیں تم مجھ سے اسفل ہو کہیں ہوں تم سے میں اعلیٰ
کہوں تو کیا کہوں تم سے کہ لا حاصل ہیں یہ نکتے — بیاں میرا سمجھ میں کچھ تمہاری آ نہیں سکتا

مجھے گر یا دیکھ سکتے ہو۔ مرے لمعات کو دیکھو — کبھی فطرت کے آئینہ میں۔ تم جذبات کو دیکھو

ادائے شرمگیں تاروں کی چمکیلی لبِ دریا — جھلکتی آبِ موتی کی۔ شعاعِ شبنمِ بیضا
ہنسی شاداب وادی کے ہرے پتوں کی کرنوں میں — وہ چھاؤں شام کی ہلکی شفق کا رنگ بکھرا سا
فضائے صبح میں۔ اڑتی ہوئی زردی سی بادل کی — [illegible] ہے کسی چہرہ پہ کچھ [illegible]
سفید اک ابر کا ٹکڑا۔ مٹا سا سطحِ گردوں پر — وہ [illegible] سا ایک کرہ کا کف خاموشی [illegible]
سپیدہ سی چاند کی دھاری۔ دلوں پر شبنمی خنکی — وہ اک مبہوم سا اجسام میں رشتہ رگِ جاں کا
سرورِ صبح، وہ آغازِ غفلت سانس کی ہستی — وہ وقتِ نزع۔ دھندلا سا شکستہ حال نظارہ

یہی معصوم تنویریں ہیں۔ انور شمعِ فطرت کی — بگڑتی اور بنتی ہیں لکیریں جن سے قسمت کی

سردار انور بی۔ اے۔ علیگ

ایران اور ممالکِ متحدہ امریکہ

"یہ خیالات اُس باکمال مسلمان مدبر کے ہیں جس کی سیاسی قابلیت کا اعتراف نہ صرف ایران کو ہے بلکہ علی العموم تمام یورپین سلطنتیں اور علی الخصوص امریکہ اُسکے تدبر و تحمل کا ستائش گر ہے۔ آنریبل مرزا محمود خاں سنحافی قونصل جنرل ایران، جنکا حصہ ایران کی تنظیم جدید میں بیش از بیش ہے اور جنکا یوروپین نام "متین۔ ایس۔ سلطانیہ" مشہور ہے ایک وجیہہ نوجوان فاضل مغربیات ہیں۔ جو خیالات آپ نے ظاہر فرمائے ہیں اونکی جہت یہ نہیں ہے کہ امریکہ کی ہمہ گیر وسعتیں اور دانشمندیاں ظاہر کیجائیں بلکہ اس مضمون سے اُن کا منشا مشرق و مغرب میں ایک اتحاد اور ایک جذبۂ خلوص پیدا کرنا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ امریکہ میں قوت تنظیم و اصلاح خداداد ہے۔ جسکا مشاہدہ اکثر یوروپین سلطنتوں کی آویزش کے وقت کیا جاچکا ہے۔ ایرانی حکومت میں ایک مدت سے امریکن دماغ کام کر رہے تھے۔ اور ایران کے دورِ جدید میں بھی امریکن عنصر نمایاں ہے۔ اگر مسٹر شسٹر ایران سے علیحدہ نہ کر دئے جاتے تو شاید اس انقلاب میں اتنی تعویق نہ ہوتی۔ مگر اس میں بھی کوئی مصلحتِ نہاں اور کوئی راز مضمر تھا۔

عروسِ ایران، اسوقت آغوشِ رضا خاں میں ہے۔ کیخسرو۔ نادر شاہ۔ اور کیومرث کی روحیں اُس پہلوی شجیعِ ایران کو مبارکباد دے رہی ہیں اور تختِ کسریٰ اُسکی پابوسی کو تقدسِ رفتہ کا استرداد سمجھتا ہے۔

ایران کا دورِ جدید بہار امن و مسرت سے لبریز ہے۔ وہ مقامی شاعر جو مشکلاتِ وطن اور ملکی شورشوں سے بےچین ہوکر چیخ اُٹھتے تھے۔ "اُور کارِ ایران بخدا است" کہکر سینہ کوبہ تھے۔ آج "مسرت" و "ابتہاج" گویا اُنھیں کی تصانیف ہیں۔ ایران کا "بلبل" جو مدتوں سے خزاں کا ماتمی اور بربادی کا نوحہ سرا تھا پھر گلبانگِ جدید پر آمادہ ہے۔

ہم بھی اس اسلامی عظیم المرتبت سلطنت کی خوشحالی و سکوں پذیری پر تبسم مسرت کے تازہ موتی نچھاور کرتے ہیں۔ اور کیخسروِ ثانی آقای رضا خاں کی خدمتِ جمیل میں تہنیت رساں ہیں۔"

(ایڈیٹر)

ان سواحل سے ڈاکٹر اے۔ سی ملس پا، وزیر اعظم مالیۂ ایران کی معاودت، جو اس ملک کی امریکن جماعت کے صدر ہوکر دوبارہ جارہے ہیں۔ اور آنریبل ہاف مین فلپ، جدید امریکن وزیر ایران کی روانگی۔ ایران کی داخلی اور خارجی حالت کی تنظیم کے لئے ایک شگونِ نیک ہے۔ اور اُن نتایج کو مدد پہونچانے والی ہے جو مستقبل قریب کی بہبودیوں پر نظر رکھتے ہوئے ممالک متحدہ امریکہ اور ایران کے اتحاد باہمی سے حاصل ہوئے ہیں۔

تمہیداً میں عرض کرونگا کہ مسٹر شسٹر، ڈاکٹر ملس پا، نیز دیگر بیرونی اصحاب الرائے کا طرز عمل ہمیشہ اکثر اہل فارس کے لئے رہنمائے کار رہا ہے۔ حکومت فارس کے اس طرز عمل کی ابتدا کہ بیرونی مشیرانِ مدبر حکومت کے مختلف شعبوں کی تنظیم کے لئے

مقرر کئے جائیں - خصوصاً محکمۂ اقتصادیات میں اُن کا تقرر ہو ۱۹۱۰ء سے ہوتی ہے - گیارہ برس کے بعد اُسنے ایک قدم آگے بڑھایا اور مسٹر مارگن شُسٹر کو خازنِ اعلیٰ کی خدمات پر مامور کر کے سلطنت کے تمام مالی انتظامات اُن کے سُپرد کر دئے -

اس مصلحت اندیشی کا نتیجہ ہر نقطۂ خیال سے ہمارے لئے قابلِ اطمینان ثابت ہُوا - مثلاً ہم اہلِ بلجیم کی خدمات کا صحیح طور پر ذکر کر سکتے ہیں جو اُنھوں نے ایران کے لئے وقف کیں، اور جنپر ایران کے محکمۂ محصولات کا دار و مدار تھا - یہ علاوہ ان بلجیم گذشتہ ۲۵ سال سے نہایت قابلِ قدر کام کر رہے ہیں - اُن کی متدین خوش انتظامی کا نتیجہ یہ ہے کہ آمدنی محصولات آج اس سلطنت کا بہترین مالی جزو ہے -

امریکہ اور ایران کے باب اتحاد میں سب سے پہلا عنوانِ علمی، مسٹر مارگن شُسٹر کا نام ہے - ایسے کارکنوں میں جو ایرانی نہ تھے آپکی مدت خدمات سب سے زیادہ طویل اور سب سے زیادہ رفیع ہیں -

آپ کا قیام ایران میں ایک سال سے بھی کم رہا - تاہم مقربان ایوان شاہی سے لیکر ایک دریوزہ گر تک مجھے ہم آغوش کر لیگا اگر میں اعلان کر دوں کہ آپکے کارنامۂ جلیل نے ایران کو ایک صدی آگے بڑھا دیا -

آپکی ذات و مثال ایران میں ایک ابدی اور مضبوط جوش کا ذریعہ ثابت ہوئی - آپ ہمارے وطن سے جُدا ہونے پر مجبور کر دئے گئے - مگر آپکی یاد اور آپ کے کام ہمیشہ ہمارے ساتھ رہیں گے - یقین کر لینا چاہیئے کہ مسٹر شسٹر قدرت کا وہ آلۂ کار تھے جن سے قوموں کی تعمیر و ترصیع ہوا کرتی ہے -

آپ کی رُخصتِ مجبور، خلافِ قیاس، ہماری ذلت کا باعث نہ ہو سکی - بلکہ ایک قومی فسانۂ غم سمجھی گئی - جس نے ہماری قومیت میں ایک نمو پیدا کر دی، اور قوم مُلک کی نجات کیطرف مائل ہو گئی -

کسی بات سے اہل ایران کا دل من حیث القوم اپنی عزت اور فرض کیطرف مائل نہ ہوا - اور کسی وقت بھی ہم کو اپنے قومی حقوق کی قدر کا احساس نہ ہوا جتنا کہ اُس زمانہ میں ہو سکا جو مسٹر شسٹر کی ہمیشہ یاد رہنے والی جُدائی کے بعد ہم پر گذرا -

الوداع کے دن وہ فارس کے قومی غرور کا ایک بیکر نازش تھا - زخمی - مگر غیر مفتوح -! یہ مسٹر شسٹر ہی کی عنایت تھی جسنے حقوق کی نگاہداشت کے لئے ہماری آنکھیں کھولدیں - یہ مسٹر شسٹر ہی کی رہنمائی تھی کہ ہم اپنے مُلکی حقوق سے آگاہ ہو گئے -

گو وہ بے دست و باز و تھے تاہم اُنھوں نے دو عظیم ترین طاقتور سلطنتوں کا مقابلہ کیا - اور صاف کہدیا کہ وہ ہرگز اُس مختصر قوم کے حقوق میں کسی کو مداخلت نہ کرنے دینگے جسنے اپنے حقوق اُن کے ہاتھ میں دیدئے ہیں - پھر کیا تعجب ہے اگر اُنھوں نے اہلِ ایران کے قلوب میں بحیثیت محافظ حقوق، اپنا گھر بنا لیا -

اسکے علاوہ مسٹر شسٹر کی ایک اور خدمت بھی تاریخ ایران میں ثبت ہے مسٹر شسٹر کے تعارف سے پہلے، امریکہ ایرانیوں کے لئے ایک ناآشنا خطۂ زمین تھا - حقیقتاً پچیس سال قبل براعظم یورپ میں اکثر مغربی ممالک کے باشندے بھی امریکہ کو ایرانیوں سے کچھ ہی زیادہ جانتے تھے - اہل ایران کیلئے مسٹر شسٹر امریکہ کے نمایندے تھے - جب سے ہم اُن سے متعارف ہوئے ہم امریکہ کو بھی جاننے لگے - آپکی ہمت و اخلاق سے ہمیں اہلِ امریکہ کی ہمت و اخلاق کا اندازہ ہوا - جسکے بعد ہمیں اہلِ امریکہ کی محبت، ہمجنسی اور جمہوریت پسندی کا اعتبار و اعتماد ہونے لگا -

امریکن خازن اعلیٰ کی جدائی کا احساس جو اُن کے بعد اہل فارس کو ہوا، اُس خط کے الفاظ سے کسی قدر ظاہر ہوتا ہے جو میرے بھائی سابق نائب صدر وزارت ایران نے اس وقت مجھے لکھا تھا :-

"مسٹر شسٹر جنہیں تمام اہل فارس اپنے حقوق کا محافظ خیال کرتے تھے ہم سے رخصت ہونے پر مجبور کردیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایران، روس اور برطانیہ کا شکار ہونے کو ہے"

اُس وقت سے بہت زیادہ پانی سر سے گذر چکا ہے۔ آج کوئی روسی درندہ منظر پر باقی نہیں ہے۔ اور برطانوی بربریت بھی سنجیدگی اور انسانیت سے بدل چکی ہے۔ راقم خط کو ۱۹۱۷ء کی جنگ میں پھانسی دیدی گئی۔ یہ خط اُس نے ۱۹۱۲ء میں لکھا تھا اور سالہائے بعد پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرحوم کی پیشین گوئی غلط نہ تھی۔ ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۰ء تک ایران مبتلائے انحطاط و مصائب رہا۔ اوسکی داخلی و خارجی حالتیں ابتر ہوگئیں۔ اوسکی تمنائے حریت، اور رعیت کی بہبودی کا خیال، ناامیدی اور مایوسی سے بدل گیا وہ دو سلطنتوں کی پُر فریب مصلحتوں میں دانۂ آسیا کی طرح پسا چلا جا رہا تھا۔

سازشیں اور رشوت ستانیاں حد سے بڑھ چکی تھیں، جسکے انسداد کے لئے سلطنت کی تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ کوئی شخص قابل اعتماد نہ تھا۔ وہ ایک بلجی جو مسٹر شسٹر کے عہدہ پر فائز تھے وہ بھی ایرانیوں سے کسی طرح مرجح نہ تھے۔ فی الحقیقت اُن میں سے ایک بلجی اپنے فرض خدمت سے اسقدر دور جا پڑا تھا کہ جو بھی افراد اپنی خدمات دیانت و شرافت کے ساتھ انجام دے رہے تھے۔ انھیں بھی اپنی شہرت معرض خطر میں نظر آنے لگی۔ آخر حکومت نے اُس شخص کی کرسی ایک ایرانی کو دیدی۔ متین لیس سلطانیہ کے روزنامہ عصر جدید نے جوان دنوں ایران میں بہت مقبول تھا اُس خازن اعلیٰ کی برطرفی میں بہت زیادہ حصہ لیا۔

ان تمام تلخ تجارب کے بعد یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایران بیرونی عنصر کو جگہ دینے کی مصلحت پر افسوس مند ہے۔

۱۹۱۲ء کے بعد مالیہ ایران کی حالت بھی ایسی ہی تھی۔ اور سیاسی حالت کچھ اس سے بھی بدتر۔ ملک کے تمام ذرائع یا تو روس کے ہاتھ میں تھے یا انگلینڈ کے اختیار میں۔ چند خود غرض اور بداخلاق اہلکاران کو بالجبر قرض دیا جاتا تھا۔ جو ملک کے لئے کسی نوعیت سے نافع نہ تھا۔ بلکہ اُس کا مصرف زیادہ تر سازشیں تھیں جنھیں روز بروز قوت حاصل ہوتی جاتی تھی۔ حاصل کلام اُس وقت ایران میں نہ دولت تھی نہ فوج تھی۔ پارلیمینٹ صرف ایک لفظ اور نام تھا اور سلطنت محض ایک تماشہ۔

ایران کش مکش کی اس وادی میں تھا کہ ۱۹۱۴ء میں ایک واقعہ ظہور پذیر ہوا۔ جسکا انتظار بڑے عرصہ سے کیا جا رہا تھا۔ اور وہ ایسی عجیب النوع پھرتی سے ہوا کہ دنیا حیران رہ گئی۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ نے بہت سے سبق مشرق و مغرب کو سکھا دئے۔ ۵ سال کی متواتر آویزشوں نے یورپ کے مستحکم تمدن کو ہلا دیا۔ اور اہل مشرق کے اس خیال کو بھی متزلزل کردیا کہ بعض یورپین ممالک میں عقل و فراست غیر محدود ہے۔ علاوہ بریں یہ جارحانہ صلح اہل مشرق کو اطمینان نہ دلا سکی کہ موجودہ صلح مستقبل کے لئے بھی مکمل اور حقیقی ہے۔

اُن اصولوں کی ناکامی جو صدر امریکہ مسٹر ولسن نے اختیار کئے، یا یوں کہنا چاہئے کہ بعض یوروپین ممالک جن صلح آگین

اصولوں پر عمداً عمل پیرا نہو سکے۔ اُنھوں نے اور بھی ہیجان عظیم پیدا کر دیا مثلاً وہ طرزِ عمل پیش کیا جا سکتا ہے جو ایران کے لئے انجمن صلح میں پیش کیا گیا۔

بلحاظ نتیجہ جنگ جو بے انتہا مظالم مشرق اور ایران پر ہوئے۔ اُنھوں نے اُس قدیم درخت کو جڑ سے ہلا دیا۔ اور مغربی ممالک نے جس خوفناک تماشہ کا مظاہرہ کیا اُسنے ایران کو اپنی گذشتہ عظمت اور اقتدار صاحبقرانی کی یاد دلادی۔ ایران نے اپنے باشندوں کے لئے بیسویں صدی میں شاندار حیاتِ قومی کا سبق سیکھا۔ اُسنے چند فرسودہ امثلہ کو دُھرایا جن میں تدبر قومی موجزن تھا۔ یعنی "گھر کا دروازہ بیکار ہے اگر تم اُسمیں قفل نہ لگا سکو" اور "اگر تم صلح کے متمنی ہو تو اپنی تلوار کو تیز رکھو اور مدافعت کے لئے تیار رہو"۔ اُسے ایک اور مثال یاد آئی "جھوٹ اور سچ دو فسانے ہیں" یعنی یہ الفاظ بے معنی ہیں جبتک تم ایک کی حفاظت اور دوسرے کو اپنی قوت سے مغلوب نہ کر سکو۔ اس تخیلی کیفیت میں ایران کو اپنی حالت کا احساس ہوا اور اُسنے فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنے گھر کا خود انتظام کرے گا۔

ایران کے لئے منشائے قدرت میں ایک محیر العقول واقعہ موجود تھا۔ مصائب و انحطاط کے اس طویل زمانے میں (۱۹۰۶ء سے ۱۹۲۱ء تک) وہ ایک قومی نجات دہندہ کے ڈہونڈنے میں برابر مصروف رہا جیساکہ وہ قرون گذشتہ میں بھی اکثر کر چکا تھا۔ ۱۹۲۱ء میں اس نے عصر حاضرہ کا ایک خاص ہیرو "رضا" پیدا کر لیا۔ جنکو کوئی نہ جانتا تھا۔ اور نہ کسی نے اُن کا نام سُنا تھا۔ وہ ایک سادہ شخص طول و طویل خطابات اور القابات سے معرا۔ غیر دولت مند اور غیر جہاں دیدہ تھے۔

صرف چند پُرانے افسرانِ فوج اُنکو بحیثیت ایک طاقتور اور تندرست سپاہی کے جانتے تھے۔ جو صرف اپنی ہمت و استقلال کے ذریعہ فوج کے مشکل ترین کام انجام دینے والے سمجھے جاتے تھے۔ یہ ایک شخص تھا جسے مادرِ وطن نے بحیثیت ابن الوقت ہمیں عطا کیا۔ اور جو ایران کی قدیم قومی شخصیتوں کا روحانی مجسمہ ثابت ہوا۔ "رضا" ایران کے اصول قدیم و جدید کا معیار بخوبی سمجھ گئے اُنھوں نے اپنا کندھا پہیے پر رکھدیا۔ تین سال کے اندر ایک قومی فوج مرتب کر لی۔ جہاں اس سے پہلے ایک متنفس بھی نہ تھا۔ تین سال کے اندر وہ ایک ادنیٰ سپاہی کے درجہ سے فائز ہو کر ایک فوجی رہنما بنگئے۔ اور موجودہ ایرانی حکومت کے پیشوا مان لئے گئے۔ اُن کا عزم بالجزم، اُن کا آہنی استقلال، مشکل ترین کاموں کی انجام دہی کی قابلیت، اور اُن کے ایثار شجاعت نے موجودہ ایران کا اُنھیں بہترین ہیرو بنا دیا۔ حقیقتاً اپنے عہد کے سب سے بڑے شخص

رضا خاں پہلوی ہیں

یہ امر مسلمہ ہے کہ اقتصادی اور فوجی حالتیں ہمیشہ دوش بدوش رہتی ہیں۔ اقتصادیات کی ترمیم ملک کا مقصد ثانی بنگئی۔ مسٹر شُسٹر کے لاثانی کارہائے نمایاں کے بعد فطرتاً ایران بجز اسکے اور کیا کر سکتا تھا کہ وہ اُس قوم کیطرف مائل ہو جسنے اُسکے ساتھ کبھی کوئی فریب نہیں کیا۔ علاوہ ازیں ممالک متحدہ امریکہ جنگ عظیم کے بعد سے ایک نئی تہذیب کا گہوارہ بنے ہوئے ہیں۔ اور تمام مشرق وسطیٰ ان کو انسانیت، رحمدلی اور جمہوریت کا کعبہ تصور کرتا ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر ایران نے دوسری مرتبہ پھر امریکہ کیطرف رجوع کیا۔ اُسنے امریکہ سے مدد چاہی کہ وہ اسکی مالی تنظیم کے لئے ایک امریکن جماعت بسرکردگی ڈاکٹر ملسپو بھیجدے ۱۹۲۲ء سے اس جماعت نے جو خدمات کی ہیں وہ صفحات تاریخ پر ہمیشہ نمایاں رہیں گی۔ امید کیجاتی ہے کہ وہ خدمات جو ڈاکٹر ملسپو کی زیر ہدایت عمل میں آرہی ہیں بدستور جاری رہینگی۔ آج بھی ایران کو اہلِ امریکہ کی دیانت داری، تجربہ کاری، اور قابلیت پر پورا اعتماد ہے۔ جیساکہ ۱۹۱۱ء میں مسٹر شسٹر کی خدمات پر تھا۔

سُلطان

(نظم متعلق تصویر)

دیکھ اے انسان اپنی سعی کا انجام دیکھ
دورِ حاضر میں کمالِ ہستیٔ ناکام دیکھ

کسطرح شمعِ شبستاں مہر کا پاتی ہے رنگ
کوششوں سے صبح بنجاتی ہے کیونکر شام دیکھ

ہے مساواتِ ازل مخلوق پر چھائی ہوئی
عام ہے فطرت کا ہر انسان پر انعام دیکھ

غلبۂ تقدیر سے پستی میں گرنا وہم ہے
چاک کرتی ہے حقیقت پردۂ اوہام دیکھ

با یقیں کوشش سے ہر چھوٹا بڑا ہو جائیگا
جوش میں آیا اگر ذرہ سہا ہو جائیگا۔

تو جسے "سُلطان" کہتا ہے اک انساں وہی ہے
حاملِ ترتیبِ اجزائے پریشاں وہ بھی ہے

اُس میں بھی کمزوریاں ہیں فطرتِ تخلیق کی
فطرتاً مجموعۂ اغلاط ونسیاں وہ بھی ہے

جذبۂ تدبیر اس میں ایک عنصر ہے مزید
محشرِ انسانیت میں یوں تو حیراں وہ بھی ہے

جوش و استقلال عزم و سعی ہیں اسکے اصول
ورنہ اک تصویرِ صد حسرت بداماں وہ بھی ہے

امتیاز اس کو دیا ہے قوتِ تنظیم نے
اس کی ہستی کو اُبھارا ہی رجا و بیم نے

سب یہاں اسفل سے بڑھ سکتے ہیں اعلیٰ کیطرف
نشو پا سکتا ہے ہر ذرہ ثریا کی طرف

جو نفس مُنہ سے نکلتا ہے ترقی یاب ہے
آدمی مائل ہے اپنے دورِ کبریٰ کی طرف

ہے یہ میدانِ عمل کچھ کام لے کچھ کام کر
کھینچ لا فطرت کو اپنی اصلِ نشا کی طرف

جوش میں آ اور اُٹھ خلوت نشینی تا بکے
فتح کر دنیا کو لیکن جھک نہ دنیا کی طرف

ڈھونڈتی پھرتی ہے تیری عیش سامانی تجھے
ہمتیں دیتی ہیں پیغامِ جہاں بانی تجھے

ساغر

ڈراما

انسان

(اثر۔ ساغر نظامی سیمابی علیگ)

(حقوق ترجمہ و نقل محفوظ ہیں)

دوسرا دور ——————— تیرہواں منظر

دنیا کا سب سے پہلا طوفان

(انتقام گاہ فطرت)

کثرت تغافل سے دنیا غارت ہو رہی ہے مفسدانہ اور انتقامانہ کوششیں جاری ہیں آسمان بادلوں سے گھرا ہوا ہے بجلی نہایت زور سے چمک رہی ہے رعد کی ایک مہیب گرج کے ساتھ ایک مسلسل آواز سنائی دیتی ہے لوگ اپنے اپنے عشرت کدوں سے انگڑائیاں لیکر اٹھتے ہیں۔

فطرت کی آواز:۔ کیوں اے نفس پرست انسان آخر تو نے اپنے مواعید کو بھلا دیا۔ کیا ہم نے تجھے صرف اسلئے پیدا کیا تھا کہ تو خواہشات نفس کی بیہودگیوں اور آرائشوں میں گھر رہے۔ کیا ہماری عبادت اور دنیا میں قیام امن تیری تخلیق کا اصل نشانہ تھا تجھے جو قوتیں عیش و عشرت کے لئے دی گئی تھیں کیا اُن کا مقصد یہ تھا کہ تو ہر وقت عشرتوں اور گناہوں میں مبتلا ہو کر ہمیں بالکل بھول جائے۔ ہماری قدرت و جلال کو قطعاً بھلا دے۔ سنبھل اور سُن کہ میں قادر ہوں۔ جبار ہوں، قہار ہوں، منتقم ہوں مجھے ہر وقت یہ قدرت حاصل ہے کہ میں تیرے عشرت کدوں کو دار البلا بنا دوں۔ اور جہاں مسرت کے سامان جمع ہیں وہاں بربادیوں کو بسا دوں۔

سورج کے طلوع اور چاند کے غروب میں میری نشانیاں موجود ہیں، ہوا کی سرد حرکتوں میں اور چاند کی لطیف مسکراہٹوں میں میری بشارتیں پنہاں ہیں مگر او مختصر الفہم انسان، تو نے سب سے اپنی نگاہیں ہٹالیں اور صرف مرکز نسائیت و نفسانیت پر جمالیں، اچھا دیکھ اور دیکھ! میرے جلال و جبروت کی گھٹائیں تیرے سر بفلک ایوانوں پر چھا رہی ہیں اور میرے غضب کا طوفان مائل بہ ارض ہے تیری معصیت کا پسینہ، تیری گنہگار زندگی کا خون، جو پانی ہو چکا ہے تجھ پر ایک طوفان عظیم کی صورت میں برسنے والا ہے۔ تیری آغوش کی زینتیں، تیرے بستر عیش کی بجلیاں، تیرے عشرت کدوں کی نازک رونقیں، تیرے غفلت کدوں کی گنہگار شمعیں، تیری خوابگاہوں کی حسین رفیقہ عورتیں، تیری زندگی کی نازشیں، خواہشات کی آرائشیں، سب تباہ و برباد ہو جانے والی ہیں۔ اٹھ اور اگر کر سکتا ہے تو اپنی ناچیز حبابی زندگی کے لئے مدافعت کا سامان کر۔

(بجلی نہایت زور سے چمکتی ہے اور گرج کے بعد ایک مہیب خاموشی ہر طرف مستولی ہو جاتی ہے۔)

ایک جوان۔ فطرت اپنے وجود کا ثبوت دے رہی ہے مگر کیوں ہم نے اسکی کیا خطا کی ہے اگر عیش پسندی کا نام گناہ ہے تو کیا فطرت یہ چاہتی ہے کہ ہم اپنے حسرت مآب دلوں کو پہلوؤں میں دبائے ہوئے دھوپ میں بےکار بیٹھے رہیں۔ اپنے خلوت کدوں میں مصروف راحت نہ رہیں۔ راتوں کو سوکر دن بنا دیں۔ اور دنوں کو خاموش رہ کر بے رونق کردیں۔ یہ تو سراسر ناانصافی ہے ظلم ہے، تعصب ہے، حسد ہے، بُغض ہے۔ اور وہ سب کچھ ہے جو فطرت کو اپنے لئے روا نہ رکھنا چاہیئے۔

دوسرا۔ مگر فطرت کے اس اعلانِ جنگ سے گھبرانے کی کیا ضرورت ہے، ہمارے محل بہت بلند ہیں۔ ہمارے قلعے اب نہایت مستحکم ہیں بارش یا سیلاب بلا یا طوفان ہمارا کیا بنا یا بگاڑ سکتا ہے۔ پانی اگر برسے گا تو نشیبوں میں سما جائیگا۔ طوفان اگر آئیگا تو پہاڑوں کی چوٹیاں ہمیں پناہ دینگی، ڈرانے والے سے کہدو کہ ہم ان گرجتی ہوئی صداؤں کی پروا نہیں کرتے اور اپنی پوری قوتوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کو تیار ہیں۔

تیسرا۔ اس سے پہلے کہ طوفان عظیم کا انتباہ عملاً صبر آزما ہو، ہمیں اپنی حسین عورتوں کو پہاڑ کی چوٹیوں پر پہونچا دینا چاہیئے،

چوتھا۔ ہم اس محشر سکون میں اپنا وقت ضائع نہیں کرسکتے۔ ہم سب بھی اُن کے ساتھ جائینگے۔ اور جبکہ طوفان پہاڑوں کے دامنوں میں اپنا سر ٹکرائیگا ہم پہاڑوں کی چوٹیوں کو ساحل مسرت سمجھ کر وہاں اپنی محبوب جمیل عورتوں سے ہمکنار ہونگے۔

ایک عورت۔ یہ کسی دشمن کی سازش معلوم ہوتی ہے، ورنہ بادل ہمیشہ آتے ہیں۔ بجلی ہمیشہ چمکتی ہے اور یہ دونوں ہماری مسرتوں میں کچھ اضافہ کرکے غائب ہو جاتے ہیں۔ آج ان میں نئی بات کیا ہے فطرت مجبور نہیں ہے کہ وہ ہمیں کسی بات پر مجبور کرے۔ اُسے اپنے ہی کاموں سے کب فرصت ہے کہ وہ ہمارے کارناموں میں خلل انداز ہو۔ اُن لوگوں سے جو اپنی خواہشات کے ہیجان سے ابھی سبکدوش ہو چکے ہیں۔ کہدو کہ وہ اطراف و جوانب میں اُس دشمن کا پتہ لگائیں جو کسی دوسری سرزمین سے آکر ہمارے عیش خانوں میں ہنگامۂ تلذذ برپا کرنا چاہتا ہے۔

دوسری:۔ ہمیں اپنے لطیف و حسین مشاغل میں سختی کے ساتھ منہمک ہو جانا چاہیئے، تاکہ ہم پر کسی مصیبت کا اثر ہی نہ ہو سکے۔

ایک جوان:۔ سُنا ہے کہ اسی جگہ کوئی خوف زدہ خدا پرست طوفان کی خبر سُنکر ایک زبردست کشتی تیار رہا ہے۔ جس میں وہ اپنے قبیلے اور دوستوں کو بٹھا کر طوفان کی مدافعت کرے گا (ایک قہقہہ بلند ہو کر اس خبر کا استقبال کرتا ہے)

دوسرا ایسے ہی وہم پرست لوگوں نے فطرت کو ہوّا بنا دیا ہے۔ اور دنیا کو دنیا والوں پر مشکل کر دیا ہے۔

(بوندیں شروع ہوتی ہیں)

ایک عورت ٹھنڈی بوندوں کی طراوت و تازگی ہمیں پھر خلوت گاہوں کی طرف کھینچتی ہے۔

ایک جوان۔ ہاں ہمیں بے تردد اپنے مشاغلِ عیش جاری رکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

سب جاتے ہیں بارش بکثرت طوفانی صورت اختیار کرتی ہے تمام مکان ڈوبتے اور مکین چلاتے نظر آتے ہیں ایک کشتی مع چند لوگوں کے پانی پر تیرتی ہوئی اونچی ہوتی چلی جاتی ہے اور ایک پہاڑ کی چوٹی پر جا کر ٹھہر جاتی ہے۔

دوسرا دور ——— چودھواں منظر

ایک ویران شاہراہ

طوفان کے بعد ایک عام ویرانی ہر طرف طاری ہے اور ایک مختصر مخلوق بے کسی کی حالت میں پریشان پھر رہی ہے۔

یامو۔ آہ شارف تم دیکھتے ہو دنیا کس عالم انحطاط کی طرف بہی چلی جا رہی ہے۔ خدا کی سطوت و جبروت نے انتقام کی خوف آفریں مصیبتوں میں مبتلا کر کے ہمیں بتا دیا ہے کہ وہ ہماری حالتوں سے بے خبر نہیں ہے اور ہماری ہر غفلت کے لئے اس کے ہاتھ میں ایک تازیانۂ عبرت موجود ہے۔ تو اب بھی انسان اپنے ماحول کو تہذیب و تمدن اور اصلاح ارتقاع سے بلند و لطیف نہ بنائیگا کیا اب بھی وہ اُس خواب غفلت کو جو چشم عالم پر مستولی ہے بیداری سے نہ بدلیگا۔

شارف۔ یامو۔ طوفان نے بستیاں برباد کر ڈالیں۔ آبادیاں غرقاب ہوگئیں۔ اب تو میں کہاں ہیں جنھیں انسانیت اور تمدن کیطرف رجوع کیا جائے۔ اور جمعیتیں کہاں ہیں جنمیں توعیظ و اصلاح کی رُوح پھونکی جائے۔ بیشک خدا کا انتقام بہت زبردست تھا۔ جہاں کل غفلت سنان عشرت میں جوش جذبات کا مظاہرہ ہوتا تھا۔ وہاں آج پانی بھرا ہوا ہے اور کوئی نہیں بتا سکتا کہ مکانوں کے ساتھ مکین کدھر بہ گئے اور اُنکی غرق آب لاشیں کس صحرا کے کانٹوں میں اُلجھ کر رہ گئیں۔

یامو قوانین و قواعد کی ترتیب کے لئے ایک ایسا ہی خاموش زمانہ درکار ہے جبکہ قانون شکن قوتیں اپنی طاقتوں اور شور شوں سے مشورت و مفاہمت کو پراگندہ نہ کر سکیں۔ ترتیب کے بعد آیندہ نسلیں قوانین کی قبولیت میں حارج نہ ہونگی۔

شارف ۔ تو کیا تمہاری رائے یہ ہے کہ دنیا از سر نو پھر آباد ہو جائے گی۔

یامو۔ شارف خدا کی زمین بہت وسیع ہے جتنی آبادی نذر آب ہو چکی ہے اُس سے کروروں حصّے زیادہ مخلوق اطراف عالم میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہ تباہی اور بربادی تو صرف اسی خطّے تک محدود تھی۔ اور یہاں بھی ابھی لا تعد نفوس باقی ہیں جن پر نفاذ قوانین کی ضرورت عائد ہو سکتی ہے۔

شارف۔ تو یامو تمہاری رائے میں موجودہ حالت قابل تغیر ہے؟۔

یامو۔ بے شک۔

شارف - میں اولیات تمدن کے متعلقات تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں۔

یامُو - سب سے پہلے ہمارے برہنہ جسموں کے لئے پتوں اور شاخوں سے ایک ملبوس تیار ہونا چاہیئے جو ہماری جسم پوشی بحد کافی کر سکے۔

شارف - اس سے کیا فائدہ ہوگا؟

یامُو - جذبات نفسانیہ جسم کی برہنگی سے زیادہ متحرک ہوتے ہیں اسلئے اجسام کی پوشیدگی سب سے پہلے ترین مصلحت ہے۔

شارف - اور پھر؟

یامُو - پھر ہمیں موجودہ معاشرت کی ترتیب کرنی چاہیئے۔ ابتک عورتیں مردوں کے لئے اسباب جنگ یا سامان غارت سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں رکھتیں، جو عورت جس مرد کو ملجاتی ہے وہ اُسی سے ملتفت و منسلک ہوجاتا ہے۔ اگر معاشرت کی حدود قائم کرلی جائیں تو وہ کھلے ہوئے گناہ جو عام شاہراہوں، گزرگاہوں، چشموں، اور پہاڑوں کے دامن میں صبح سے شام تک اور شام سے تا صبح ہوتے ہیں بہت کم ہوجائینگے۔ اور قانون معاشرت کا انضباط لوگوں میں اعتدال پیدا کردے گا۔

شارف - اس کی کیا تدبیر ہوسکتی ہے۔

یامُو - یہ کہ بربنائے قانون معاشرت ایک قبیلے کی عورتیں دوسرے اہل قبیلہ سے کوئی تعلق نہ رکھیں۔

شارف - تو پھر اپنے ہی قبیلے میں کسطرح کام چلے گا۔ اب انسان اتنا بے شرم نہیں رہا ہے کہ محرم و نامحرم میں تمیز نہ کرسکے۔

یامُو - یہ ہونا چاہیئے کہ جو مرد جن عورتوں کو اپنے لئے پسند کریں اُنکے سوا دوسری عورتوں کو ہاتھ نہ لگائیں۔

شارف - اسطرح عورتوں کی ایک بڑی تعداد محروم التفات رہ جائیگی۔ فرض کیجئے میں نے کسی قبیلے سے بیس حسین لڑکیاں منتخب کریں اور دس لڑکیاں اس قبیلے میں غیر حسین باقی رہ گئیں تو تم کب چاہوگے کہ ان سے منسلک ہو اور اُنھیں زینت آغوش بناؤ۔

یامُو - یہ بھی صحیح ہے مگر اب آسمانی طوفان عظیم ہماری دنیا کی بہت سی بھول تاریکیاں بہا چکا ہے مردوں کی طرح عورتوں میں بھی جذبۂ پاکیزگی اور بیداری عصمت نمایاں ہوتا جاتا ہے۔ کوئی ترکیب حفظ تمدن و معاشرت کی ضرور نکلے گی۔

شارف - بے شک ہمیں ہر افق قریب و بعید منور نظر آرہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کا آئندہ دور حیات سکون و مسرت سے ہمکنار ہوگا اور ہم بالکل برباد ہوجانے سے پہلے از سرنو آباد ہوجائینگے۔

یامُو - دیکھو دیکھو ہمارے مستقبل کا چاند وہ نکلا اضیا بار اور مسرت ہم اسکی ہر کرن ایک سطر ہے معنی خیز اور ہر گردش اک نوید ہے انقلاب انگیز، چلو ہم اپنے نو آباد گھروں میں بیٹھکر اپنے خوشگوار مستقبل کا انتظار کریں۔

{ دونوں جاتے ہیں، چاند بلند ہوتا ہے جسکی روشنی سے
{ کروں کیطرح تین کتبے منور ہوجاتے ہیں جنپر بخط جلی لکھا ہوتا ہے۔

علم **تمدن** **مذہب**

پیمانہ

جنوری سنہ ۱۹۲۶ء

خلاصۃ الباب

گلبدن بیگم

از ۔ مولوی علم الدین سالک بی ۔ اے

مسلسل

عصمت نقاب ۔ تقدس احتجاب ۔ ستودہ معجزہ علم و حیاء ۔ مخدرہ متقفۂ عزت کبریا ۔ گلبدن بیگم عمۂ مقدسہ حضرت شہنشاہی از دیدگاہ نظر طواف اماکن شریفہ داشتند ۔ بجہت ناایمنی راہ و سوانح روزگار ایں عزیمت از ممکن بطون بامر صع ظہور نیامد ۔ دریں ولا کہ عرصۂ دلکشائے ہندوستان دارالامن شد و باشش خانہ گجرات مسکن میدلت دوستان نیک گشت ۔ دامیران جزائر فرنگ کہ سنگ راہ سفر گزنیاں حجاز بودند اہل منتعار شدند ۔ و طبقات انام شمول آگاہی و دوام دادوہی در آسائش آبادایمنی در آمدند ۔ آں نور افروز عصمت را تیر شوق از مشرق گریبان ضمیر طلوع کرد ۔ و آن عزیمت آرام گسل خاطر شریف گشت ۔ و چوں لوامع حقیقت بر پیش گاہ ضمیر آسمان پیوند پرتو انداخت ۔ باوجود کمال تعلق و فرط ارتباط خواہش خود را برارادۂ ایشاں ترجیح نہ دادہ ۔ مبلغ ہائے گراں مند از نقد و جنس ہمراہ ساختہ رخصت فرمودند ۔ و بہ ایں تقریب برخے از مخصوصان ــــــ اقبال را نیز ایں آرزو شکیب ربا شد ۔ شہریار دوربیں حق آساس ہر ایک را نقد تمنا در کن ۔ ریختہ از بار آرزو سبکدوش کرد نیسد ند و آسامی عفت نہاداں کہ در ملازمت آں یکتائے عرصۂ آگاہی توفیق خدمت یافتند ۔ نقاب گزیں سرادقات دولت سلیمہ سلطان بیگم[۵۱] و حاجی بیگم ۔ گلعذار بیگم ۔ فرزندان گرامی میرزا کامران و سلطان بیگم حرم میرزا عسکری و ام کلثوم خانم نبیرہ حضرت گلبدن بیگم و گلنار آغا کہ در حرم ہائے حضرت فردوس مکاں انسلاک داشت ۔ و بی بی سفیہ و بی بی سرو سہی و شاہم آغا کہ از خدمت گزنیاں جنت آشیانی بودند ۔ و سلیمہ خانم دختر خضر خواجہ خاں آواخر ہر ماہ آلہی ایں گروہ سعادت منش ناقہ شوق را محمل بستند ــــــ بجہت تعظیم و احترام ایں سفر گزنیاں گلشن اقبال شاہزادہ مراد را ارشاد والا شد کہ تا ساحل دریائے جنوبی در ملازمت باشند ۔ روز نخستیں در حوالئے دابر نزول سعادت فرمودند ۔ دوران نکارم درۃ التاج سلطنت کبرے

---

۵۱ سلیمہ سلطان بیگم بابر کی دختر زادی اور امیر نور الدین کی دختر بلند اختر تھی ہمایوں کے حکم سے پہلے پہل اسکی شادی بیرم خاں خان خاناں کے ساتھ ہوئی اور جب سنہ ۹۶۸ھ میں بیرم خاں پٹن کے قریب شہید ہوا تو اکبر نے اپنی شادی سلیمہ سلطان خانم کے ساتھ کرلی ۔ یہ بیگم ایک نادر الکلام شاعرہ تھی اور مخفی تخلص کرتی تھی اس کا ایک شعر زبان زد خلائق ہے اور اکثر تذکروں میں اسکا اعادہ کیا گیا ہے۔

کاکلت را من ز مستی رشتۂ جاں گفتہ ام   مست بودم زیں سبب حرف پریشاں گفتہ ام

خلف الصدق خلافت عظمٰے شاہزادہ سلیم باکثر اعیان دولت رسید۔ مراسم تبجیل و تکریم بجائے آوردند۔

(اکبر نامہ جلد دوم صفحہ ۲۳-۷۲)

طبقات اکبری کا فاضل مصنف ملا جلال الدین کہتا ہے چونکہ شاہزادہ مراد ان ایام میں کمسن تھا۔ اسلئے اس قافلہ کا کارواں سالار رومی خاں جو بابر کے توپ خانہ کا افسر اعلٰے تھا مقرر ہوا۔ یہ قافلہ پٹن یعنی گجرات کے راستہ سے سورت پہنچا اور وہاں سے جہاز پر سوار ہو کر ساحل ایران کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا ایک سال کی مدت دراز کے بعد ساحل حجاز پر لنگر انداز ہوا دوران سفر میں حجاز کے جہاز پر پرتگیزوں نے حملہ کیا اور اُسے گرفتار کر لیا۔ مگر خوش قسمتی سے وہ بہت جلد ان کے پنجہ سے رہا ہو گیا۔ یہ قافلہ ساڑھے تین برس تک مکہ معظمہ میں مقیم رہا۔ اور چار دفعہ حج کعبہ سے مشرف ہوا۔ چوتھے سال یہ تمام قافلہ نہایت حسرت سے کعبہ مکرمہ کو خیرباد کہتا ہوا عدن کو روانہ ہوا۔ عدن میں شاہی جہاز آگے ہی تیار تھا۔ یہ اس پر سوار ہوئے اور جہاز نے لنگر اُٹھایا۔ ابھی یہ قافلہ تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ ایک نہایت بلاخیز طوفان اُٹھا اور جہاز راستہ سے ہٹ کر ایک چٹان سے ٹکرایا۔ قدرت حق سے اسی اثنا میں ایک اور جہاز وہاں آپہنچا جسمیں بایزید بیات اہل و عیال کو لیکر ہندوستان آرہا تھا۔ اہل جہاز نے اپنی داستان غربت اُنھیں سنائی۔ اور نہایت عاجزی سے اعانت طلب کی۔ جب بایزید کو اس امر کا پتہ چلا کہ اس تباہ ہونے والے جہاز میں اکبر کی پھوپی اور بیوی بھی شامل ہیں تو اسنے نہایت خندہ پیشانی سے اُن کی درخواست کو منظور کر لیا اور نہایت تعظیم و احترام کے ساتھ سب کو جہاز پر سوار کر لیا۔ یہ جہاز ۲۷ سنہ اکبری میں سورت پہنچا۔ اکبر نے شاہزادہ سلیم کو پیشوائی کے لئے بھیجا چنانچہ عہد اکبری کا مشہور مورخ ملا عبدالقادر بدایونی اپنی مشہور کتاب منتخب التواریخ میں لکھتا ہے۔

"دریں سال (۲۷ سنہ اکبری) شاہزادہ سلیم باستقبال گلبدن بیگم۔ و سلیمہ سلطان بیگم کہ از حج مراجعت نمودہ بودند بہ اجمیر رفت۔ صفحہ ۳۱"

اسوقت ہندوستان کی مذہبی بساط نہایت بُری طرح سے پراگندہ ہو رہی تھی۔ اکبر خاندان مبارک کے زیر اثر آکر ایسے ایسے افعال کا ارتکاب کر رہا تھا جو علمائے ظاہر بیں کے زاویہ نظر میں گناہ اکبر سے کم نہ تھے۔ انھیں ایام میں شیخ مبارک نے ابوالفضل اور فیضی سے ملکر ایک محضر نامہ تیار کیا۔ جسکا مطلب یہ تھا کہ بادشاہ ظل اللہ ہے۔ اسے اس امر کا حق حاصل ہے کہ متنازعہ فیہ مسائل میں بس مجتہد کے قول کو چاہے اختیار کرے۔ اور وہی حجت ہوگا۔ اس محضر نامہ پر سب سے اول ابوالفضل و فیضی۔ اور شیخ مبارک نے دستخط کئے۔ بعد ازاں دیگر علمائے دربار اور شیخ عبدالنبی مخدوم الملک کو بھی مجبوراً اس پر دستخط کرنے پڑے۔ اکبر نے اپنا پایہ اور بھی مضبوط کرنے کے لئے یہ اعلان بھی شائع کیا کہ آئندہ بادشاہ خود ہی جمعہ کی امامت کرایا کرے گا۔ چنانچہ چوبیس سن جلوس میں اسنے پہلا جمعہ پڑھایا۔ جسکا خطبہ فیضی نے تیار کیا تھا۔ ابتدائی اشعار ملاحظہ ہوں۔

بنام آں کہ مارا سروری داد   دل دانا و بازوئے قوی داد

بود وصفش ز حد فہم برتر   تعالٰے شانہ اللہ اکبر

یہ ابتدا اگر اسی پہ اکتفا ہوتا تو صورت معاملات اسقدر نازک نہ ہوتی۔ مگر وہ خود جاہل تھا۔

اہل غرض حضرات نے اسے جسطرح چاہا بنالیا۔ آخر کار اسنے دعوائے نبوت کیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کے ایک سرے سے لیکر دوسرے تک بیقراری اور اضطراب کی لہر اٹھ گئی۔ دربار میں ہل چل مچ گئی۔ اور بعض اہل دربار نے ہر جائز و ناجائز طریقے استعمال کرکے اپنے تعلقات منقطع کرلئے۔ علماء نے فتوے دئے شعراء نے اسکے خلاف قصائد لکھے۔ ملا شیری نے تو اکبر کے روبرو ایک قصیدہ پڑھا جسکے چند اشعار یہ ہیں۔

تا بزاید ہر زماں کشور بر اندازِ فتنی ∗ فتنہ در کوئے حوادث کدخدا خواہد شدن

با غضاب تو ضحواہ تیغ در ارباب شرک ∗ ابر سر از ذمہ گردن او خواہد شدن

فیلسوف کذب را خواہد گریباں پارہ شد ∗ خرقہ پوشی زہد را تقوے ردا خواہد شدن

شورش مغز است اگر در خاطر آرد جاہلی ∗ کز خلائق مہر پیغمبر جدا خواہد شدن

خندہ می آید مرا زیں بیت کز بس طرفگی ∗ نقل بزم منعم در گدا خواہد شدن

بادشاہ امسال دعوائے نبوت کردہ است ∗ گر خدا خواہد پس از سالے خدا خواہد شدن

طبقہ نسواں مردوں سے کمزور طبیعت ہوتا ہے۔ قدرت نے انھیں اس قسم کا دل و دماغ عطا کیا ہے کہ اسمیں جو نقش ابتدا سے بیٹھ جائے اس کا مٹانا ناممکن ہو جاتا ہے۔ گلبدن بیگم کی تربیت کچھ اسطرح پر ہوئی تھی کہ وہ مذہب کو سیاسیات سے بہت ہی بالا تر سمجھتی تھی۔ وہ خود دیندار تھی مگر متعصب نہ تھی۔ وہ دربار کا رنگ ڈھنگ دیکھتی تھی اور جی ہی جی میں کڑھتی تھی۔ اسنے اکبر کو سمجھایا مگر بے سود۔ اور یہی وجہ تھی کہ ایک عرصہ کے لئے اس کا رسوخ بہت ہی کم ہوگیا۔ اسکے ساتھ اسکا رفیق زندگی خواجہ خضر خاں بھی داعی اجل کو لبیک کہہ چکا تھا۔ لڑکا نالائق۔ نواسہ نے تو رہی سہی لٹیا ہی ڈبودی۔ ان تمام باتوں کا مجموعی اثر یہ ہوا کہ جب ۹۹۹ھ میں اس کا نواسہ محمد یار خاں اپنی ناجائز حرکات کی بناپر معتوب دربار ہوا تو بیگم کو اسکی سفارش تک کی جرات نہ ہوئی۔ وہ نہایت بے عزتی کے ساتھ دربار سے نکالا گیا۔

۹۸۰ھ کے قریب اکبر کے دل میں تاریخ الفی[۵۱] کے لکھوانے کا خیال پیدا ہوا۔ اکبر نے ملا عبدالقادر بدایونی اور دیگر اہل قلم کو اس کام کے لئے مامور کیا۔ تاریخ الفی کی تصنیف میں سب سے اہم مشکل یہ پیش آئی کہ عہد ہمایونی کے واقعات ابھی تک کتابی صورت میں جمع نہیں ہوئے تھے۔ اسکے ساتھ ہی ہمایوں کے وفادار اور جاں نثار دوست اور سپاہی ایک ایک کرکے فوت ہو چکے تھے۔ اکبر اس معاملہ میں نہایت پریشان رہتا تھا۔ آخر کار بہت غور و خوض کے بعد اسنے اس اہم ترین کام کے لئے دو آدمیوں کو منتخب کیا۔ ان میں سے ایک تو جوہر ہمایوں کا آفتابچی تھا۔ اور دوسری گلبدن بیگم ہمایوں کی بہن تھی۔ سب سے اول جوہر کے نام حکم جاری ہوا۔ اسنے ۹۹۵ھ میں

---

[۵۱] اسلام کے پہلے ایک ہزار برس کی مفصل تاریخ۔ یہ کتاب آجکل دنیائے اسلام سے ناپید ہے اسکا ایک قلمی نسخہ برٹش میوزیم لندن میں موجود ہے۔

تذکرۃ الواقعات نامی کتاب شروع کی۔ اس کتاب میں زیادہ تر وہی حالات ملتے ہیں جو خانماں بربادی کی حالت میں ہمایون کو پیش آئے۔ بیگم نے پہلے تو اکبر کے حکم کو ٹالنا چاہا۔ مگر اکبر کے اصرار سے مجبور ہو کر اس اہم ترین فرض کی سرانجام دہی کا بیڑہ اٹھایا۔ وہ خود ہمایوں نامہ کے آغاز میں کہتی ہے۔

"وقتیکہ حضرت فردوس مکانی از دار الفنا بہ دار البقا فرا سیدند۔ ایں حقیر ہشت سالہ بود۔ و بیاں واقع شاہد کمتر کہ بہ خاطر ماندہ بود۔ بنابر حکم بادشاہی (اکبر شاہ) انچہ شنیدہ و بہ خاطر بود نوشتہ میشود۔"

ہمایوں نامہ کب ختم ہوا؟ اسکے متعلق تمام مورخین حتیٰ کہ علامہ ابو الفضل تک خاموش ہیں۔ قیاساً یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ہمایوں نامہ سنہ سے پہلے پایۂ اختتام تک پہنچ چکا تھا۔

اس تصنیف کا اثر بیگم کے حق میں نہایت خوشگوار ہوا۔ اس کا کھویا ہوا تقرب اور اقتدار پھر عود کر آیا۔ اور روز بدن بڑھنے لگا۔ مسز بیورج کہتی ہے کہ جب جہانگیر نے بغاوت کا علم بلند کیا تو گلبدن بیگم اور حمیدہ بانو بیگم کی سفارش سے اس کی خطاپوشی ہوگئی مگر اس معاملہ میں خافی خاں اور جہانگیر نامہ دونوں خاموش ہیں۔ مرزا احمد ہادی جہانگیر نامہ کے مقدمہ میں لکھتا ہے کہ سلیمہ سلطان بیگم اکبر کے ایما سے جہانگیر کو منانے کے لئے اکبر آباد گئیں۔ اور حمیدہ بانو بیگم جو اسے دل و جان سے چاہتی تھیں اکبر آباد تک اسکی پیشوائی کے لئے آئیں۔ اور خود اسے اکبر کی خدمت میں پیش کیا۔ اور باپ بیٹوں میں صلح کرائی۔

ملاحظہ تزک جہانگیر صفحہ ۱۱-۱۲ خافی خاں جلد اول

بیگم کے بقیہ ایام نہایت امن سے گذرے۔ اکبر اکثر اسکی خدمت میں شاہانہ تحائف بھیجا کرتا تھا۔ جب اسکی عمر ۸۰ برس کی ہوئی تو ضعف و نقاہت سے اسکی حالت نہایت ردی ہوگئی۔ بچپن اور جوانی کی شوخیاں سب کافور ہوگئیں۔ چستی و چالاکی معدوم ہوگئی۔ وہ عمر اور ضعف کی بدولت نیم مردہ حالت میں بڑی اللہ اللہ کیا کرتی تھی۔ انھیں ایام میں اسے بخار کی خفیف سی شکایت پیدا ہوگئی جو بڑھتے بڑھتے مرض الموت بن گئی۔ اکبر اور مریم مکانی اور رقیہ بیگم (دختر ہندال و حرم اکبر) نے اسکے علاج میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ مگر موت کے آگے کسی کا زور نہ چلا اور آخر کار وہ پسماندگان کو مفارقت اور جدائی کے صدمات سہنے کیلئے چھوڑ کر فروری سنہ ۱۶۰۳ء میں اس خاکدان سفلی سے عالم علوی کی طرف کوچ کر گئی۔

مریم مکانی حمیدہ بانو بیگم کو جو جوانی میں اسکی رفیق و دمساز اور بڑھاپے میں اس کی غمخوار تھی۔ جب یہ معلوم ہوا کہ اسکی رفیق اب سفر آخرت کرنے والی ہے تو وہ اسکے پاس آئی۔ گذشتہ واقعات کی یاد سے اسکا جی بھر آیا۔ آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ اور نہایت بھرائی ہوئی آواز میں اسنے قدیم محبت بھرے نام سے پکارا۔ "جیو" (بڑی بہن) میری عزیز از جان جیو قربانت شوم ذرا آنکھ تو کھولو!" اسوقت بیگم پر سکرات الموت کا عالم طاری تھا۔ اب جواب دے تو کون؟ مگر جذبۂ الفت آخر رنگ لایا۔ بیگم نے آخری بار آنکھیں کھولدیں اور مغموم عزیزوں کا جھرمٹ اپنے گرد پاکر رونے لگی۔ اور نہایت دھیمی آواز میں کہا "خدا حافظ۔ میں جاتی ہوں۔ تم زندہ رہو" ان الفاظ کے ساتھ اسکی روح قدسی قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ تمام محلات میں کہرام مچ گیا۔ اور

صف ماتم بچھ گئی۔ دار الخلافت سے شور ماتم خیز اٹھا۔ ہر لب پر آہ تھی۔ آخرکار جنازہ تیار ہوا۔ زائرین کے ٹھٹھ لگ گئے۔ اکبر نے خود کندھا دیا اور شاہی قبرستان میں اسے سپرد خاک کیا۔

عادات وخصائل گلبدن بیگم نہایت حسین۔ خوبصورت اور دلربائی کی مجسم تصویر تھی۔ اس میں جمال وجلال کی وہ تمام خوبیاں موجود تھیں۔ جنکے ہونے سے ایک خاتون مجسم ناز کہلا سکتی ہے۔ وہ باسلیقہ تھی اور امورات خانہ داری میں اسے پورا ملکہ حاصل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہر ایک خاتون شاہی اسے دل وجان سے چاہتی تھی۔ ذہانت۔ ذکاوت فہم وفراست اور دانائی میں وہ سراپا کمال تھی۔ معاملہ فہمی میں اسے ید طولے حاصل تھا۔ سیاسیات سے اسے دلی لگاؤ تھا۔ بساط ہمایونی کی چالیں اکثر اسی کی بتائی ہوئی ہوتی تھیں۔ ان تمام کمالات کو تعلیم وتربیت اور بالخصوص ماہم بیگم اور بابر کی پرورش نے اور بھی چار چاند لگا دئے تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج خاندان تیموریہ میں سوائے چند ہستیوں کے کوئی ہستی اسکے مقابل نظر نہیں آتی۔

اعلےٰ تعلیم اور اسپر ذوق قلبی، اور مذاق سلیم نے اس کی طبیعت میں وہ جوہر پیدا کردئے تھے کہ وہ علم الانشاء اور شاعری میں بھی بقائے دوام کا تاج حاصل کرچکی ہے۔ وہ علم دوست تھی۔ اور ساتھ ہی علم پرور۔ ان سب کے علاوہ مجسم خیر تھی۔ اور شریعت کی پابندی نہایت سختی سے کرتی تھی۔ غریبوں کی مدد بیکس اور لاوارث لڑکیوں کی پرورش۔ دینی معاملات میں بڑھ بڑھ کر حصہ لینا۔ اسکی طبیعت میں جڑ پکڑ گئے تھے۔ وہ ہر سال ایک دو لاوارث لڑکیوں کی شادی اپنے خرچ سے کراتی۔ مساکین کے لئے حج کعبہ کا سامان مہیا کرتی۔ اہل اللہ اور فقرا کے لئے وظائف بہم پہنچاتی تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے زمانہ میں ایک نہایت نامور خاتون گنی جاتی تھی۔

وہ شاعرہ تھی اور نہایت زبردست۔ حب جدت طبیعت۔ شوخی ذہانت۔ افکار وحوادث۔ رنج والم اور واردات قلب اسکے دل میں طوفان جذبات پیدا کرتے تو وہ شعر کہتی تھی۔ اور ایسے شعر جو برق بنکر دل اور نسیم دل کو ہلا دیتے تھے۔ جذبات میں ایک ہلچل ڈالدیتے تھے۔ اسکے شعر اصلیت کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہوتے تھے۔ اسکی شاعری کا نمایاں جوہر سلاست وروانی ہے وہ جو چیز بیان کرنا چاہتی تھی انھیں ایسے صاف اور سادہ الفاظ میں بیان کرتی تھی کہ سننے والے اپنا جی تھام کر رہ جاتے تھے۔

فارسی ادبیات کی تاریخ میں دور اکبری اپنی گوناگوں ترقیوں کی بنا پر ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ غزل میں فلسفہ کی آمیزش اسی دور میں ہوئی۔ اس صنف کا بانی ملک الشعراء فیضی ہے جو اکبر کے نورتنوں میں ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ واقعہ بندی۔ مضمون آفرینی۔ اور دقت پسندی اس دور کے نمایاں جوہر ہیں۔ ان سب کے علاوہ شعراء اکبری نے ایک خاص انداز پیدا کیا جو متوسطین اور متاخرین میں بالکل معدوم تھا۔ وہ جو بات کہتے تھے پیچ دیکر کہتے تھے۔ جسکی اصلی وجہ یہ ہوتی تھی کہ جو خیال کئی اشعار میں بھی سما نہ سکتا تھا اُسے وہ ایک شعر میں ادا کردیتے تھے۔ اسی لئے عرفی کے قصائد۔ نظیری کی غزلیات فیضی کا بہت سا کلام آجتک شرح نگاری کا محتاج ہے۔ یہ رنگ ملک میں اسقدر متداول ہوا کہ ہر شخص اسی طرز میں لکھنا اپنے لئے باعث فخر خیال کرتا تھا مگر گلبدن بیگم کا کلام ان تمام بدعات سے مبرا ہے۔ اسکے اشعار موتیوں کی طرح چمکتے ہیں۔ جو تصنع اور جہلا کی استعانت سے بالکل مستغنی ہیں۔ مثلاً وہ اس مضمون کو کہ محبت کے بغیر زندگی بدمزہ ہوتی ہے۔ یوں ادا کرتی ہے۔

ہر نگارے را کہ او با عاشق خود یار نیست تو یقیں می داں کہ ہیچ از عمر بر خودار نیست

شعر کے الفاظ کسقدر سادہ ہیں۔ طرز بیان کسقدر عام فہم ہے۔ اور مضمون کسقدر دلنشیں ہے۔ ان سب پر برخودار کی محاورہ بندی نے تو شعر کی خوبی میں اور اضافہ کردیا ہے۔

افسوس ہے کہ آج اس کا دیوان صفحۂ عالم سے ناپید ہے۔ تاہم نکتہ نکتہ کا سراغ لگا کر جو کچھ ہاتھ آیا ہے وہ پیشکش ارباب ذوق کیا جاتا ہے۔

کشاد غنچہ اگر از نسیم گلزار است کلید قفل دل ما تبسم یار است
نہ گل شناسد و نہ رنگ و بو نہ عارض زلف دل کسے کہ بہ حسن و ادا گرفتار است

اشک کہ سر ز گوشۂ چشم بروں کند بر روئے من نشیند و دعوائے خوں کند

ز ہشیاران عالم ہر کرا دیدم غمے دارد دلا دیوانہ شو دیوانگی ہم عالمے دارد

آہ ازاں دامے کہ دارد رشتۂ جاں تا بہ زو وائے زاں لعلے کہ ہر دم می خورم خونها بہ زو

بیگم کی مشہور تصنیف ہمایوں نامہ ہے۔ جو ۱۹۰۲ء میں لندن سے یورپ کی مشہور مستشرقہ مسز بیورج نے حواشی ترجمہ اور بیگم کی سوانح عمر کے ساتھ شائع کیا۔ مگر افسوس ہے کہ خاتون موصوف نے انتہائے کاوش اور سخت ترین تحقیق و تدقیق کے باوجود بھی متن کی تصحیح اور ترجمہ کی سخت ترین لغزشیں کہائی ہیں۔ بیگم کی سوانح حیات سپرد قلم کرتے ہوئے جو فحش ترین غلطی کی ہے وہ یہ ہے کہ اُسنے ہمایوں نامہ کو بالکل نظرانداز کردیا پھر اسنے صرف انھیں واقعات کا اعادہ کردیا ہے جو مسٹر بیورج مترجم بابر نامہ نے ہمایوں اور بابر کی سوانح عمری میں استعمال کئے ہیں۔

افسوس کہ آج یہ ایڈیشن بھی ناپید ہے۔

ہمایوں نامہ پر حجۃ الحق محقق نامی۔ مدقق سامی۔ علامۂ فہامی۔ حضرت مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ایک نہایت مبسوط مقالہ سپرد قلم کرچکے ہیں۔ جسکے ہوتے ہوئے مزید تنقید کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ تاہم اسقدر بیان کردینا دور از بیان نہ ہوگا کہ ہمایوں نامہ کے کل نو نسخہ اکبر کے حکم سے تیار ہوئے تھے جس میں سے دو نسخہ تو اکبر کی شاہی لائبریری میں رکھے گئے۔ ایک نسخہ شاہزادہ سلیم ایک نسخہ دانیال۔ اور ایک شاہزادہ مراد کو عطا ہوا۔ ایک گلبدن بیگم نے اپنے پاس رکھا ایک علامہ ابوالفضل کو عطا ہوا۔ اور ایک نسخہ ہمایوں نامہ کے کاتب بایزید کے حصہ میں آیا۔ مسز بیورج نے جس نسخہ کو اپنا ماخذ بنایا ہے وہ دراصل برٹش میوزیم (موزہ برطانیہ) میں غدر کی لوٹ کے بعد پہنچا تھا جسکے آخر کے دو تین صفحہ معدوم ہوچکے ہیں۔ کامراں کی آنکھیں نکالنے اور ہمایوں کی پنجاب کیطرف یورش کرنے کے واقعات کے بعد یہ کتاب ختم ہوجاتی ہے۔ فقط۔

نرگس کی پنکھڑی میں

بالیں پہ آئے ہیں وہ ہنگامِ جاں کنی میں
اک جنگ ہو رہی ہے موت اور زندگی میں

حسرت نصیب دل میں آہیں گھٹی ہوئی ہیں
نغمے تڑپ رہے ہیں خاموش بانسری میں

بزمِ خیال میں وہ آئے تھے رات اے دل
صبحِ بہار لے کر ہونٹوں کی تازگی میں

دامن نواز، آنسو ہیں یادِ ماہِ رُخ میں
پھرتی ہوں پھول چنتی خاموش چاندنی میں

جاتے ہیں وہ بگڑ کر لیکن یہ بات کیا ہے
پھر پھر کے دیکھتے ہیں کیا جانے کیا ہے جی میں

یہ تیرہ تر گھٹائیں تاریک یہ ہوائیں
غم خوارِ دل رہی ہیں راتوں کی تیرگی میں

آتا ہے لطف اُن کو کرتے ہیں اب جفائیں
کچھ ایسی دلکشی ہے میری ستم کشی میں

تارے بھی ہو نہ واقف ان دل کی حسرتوں سے
آنسو نہیں ٹپکتے راتوں کی تیرگی میں

اے ناوکِ نگاہِ مستِ مئے تنعم،
زخمی کیا جگر بھی کیوں دل کی دشمنی میں

بن کر گدائے اُلفت مضرابِ عشق لیکر
جاؤں میں اس بہانے اُس شوخ کی گلی میں

اُس چشمِ مست میں ہے آنسو کہ ہے جمالہ
شبنم کا ایک قطرہ نرگس کی پنکھڑی میں

بلقیس جمال

شذرے

تعلیم نسواں

اس وقت جبکہ ہندوستان میں اس سرے سے اس سرے تک ترقی اور قومی بیداری کی تحریک پھیلی ہوئی ہے، اب بہت کم لوگ ایسے ہیں جو مسلمان خواتین کی تعلیم کو عیب اور گناہ سمجھتے ہیں۔ لیکن سوائے اُن چند انگریزی اور اسلامی مدرسوں کے جو اکثر شہروں میں اس غرض کے لئے کھولے گئے ہیں، عام طور پر تعلیم نسواں کا رواج نہیں ہوا ہے۔ اور نہ حامیان تعلیم نے اُن دشواریوں پر غور کیا ہے جو تعلیم نسواں کے راستے میں حائل ہیں۔ اخبار اور رسائل عورتوں کی ترقی تعلیم کے لئے کچھ زیادہ موزوں ثابت نہیں ہوئے۔ اسلئے کہ اُن کے پڑھنے والے بھی زیادہ تر مرد ہوتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ایک مرکزی انجمن صرف تعلیم نسواں کا مقصد پورا کرنے کے لئے ملک کے کسی بڑے شہر میں قائم ہو جو اپنی الحاقی انجمنوں کے ذریعہ ہر شہر میں عورتوں کی تعلیم میں کوشش کرے۔

الحاقی انجمنوں کا فرض ہونا چاہئے کہ وہ ہر شہر کے ہر محلہ میں تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ لڑکیوں اور عورتوں کی صحیح تعداد معلوم کریں جس کی اطلاع کے بعد مرکزی انجمن اُن انتظامات پر غور کرے جو ان ناخواندہ اور جاہل عورتوں کی تعلیم و تہذیب کے لئے مفید اور کارآمد ہوں۔ جبتک یہ انتظام پوری وسعت اور قوت کے ساتھ نہ ہوگا اس مقصد میں کامیابی غیر ممکن ہے۔ محض اخباروں یا رسالوں میں تعلیم نسواں کا شور مچانا، اور عملاً کوئی تدبیر نہ کرنا بے سود اور بیکار ہے۔

عطیہ بیگم فیضی کا احتجاج

ادہر تو یہ آوازیں بلند ہو رہی ہیں کہ عورتوں کو تعلیم دینا لازمی ہے۔ اُدہر جب تعلیم کے نتائج مرتب ہوتے ہیں تو مردوں میں ایک غیر ضروری وحشت شروع ہو جاتی ہے۔ ایجوکیشنل کانفرنس کے افتتاحی جلسہ میں جب خطبۂ صدارت ختم ہو چکا اور سکرٹری کی رپورٹ پڑھی جا چکی، تو عطیہ بیگم فیضی (بمبئی) نے تقریر کرنے کی استدعا کی۔ نواب صدر یار جنگ بہادر نے خواتین کو اطلاع دی تھی کہ انہیں کانفرنس میں شریک ہونے کی اجازت نہ دیجائیگی، عطیہ بیگم اور اُن کی ہمراہی خواتین جب عورتوں کی گیلری میں پہونچیں تو چکیں گری ہوئی اور کرسیاں الٹی ہوئی تھیں۔ جب ایک نسائی آواز گونجی تو حاضرین نے غل مچانا شروع کیا۔ اور آخر عطیہ بیگم صاحبہ کو تقریر کرنے کی اجازت دینی پڑی۔ جنہوں نے اپنا حق شرکت ثابت کرنے کی کامیاب کوشش کی۔

جب کانفرنس میں عورتوں کو شریک ہونے کی اجازت نہ تھی تو اسدن عورتوں کی نشست بالکل ہٹا دینی چاہئے تھی۔ زنانہ گیلری کی موجودگی اور کرسیوں کی برہمی دو متضاد باتیں ہیں۔ اسکے علاوہ جب عورتیں، اپنے حقوق سے واقف ہو چکی ہیں تو انہیں مطالبہ

کی اجازت آزادانہ ہونی چاہئے، کیا ضرورت ہے کہ بعض ملکی لیڈروں کی عورتیں ایک عام جلسہ میں تقریر کرسکیں اور بعض کو رد کیا جائے؟ لیڈیز کانفرنس میں بیشک انہیں اظہار خیال کے لئے حق آزادی دیا جاتا ہے مگر جب مردوں کی مجالس علمی میں شریک ہو کر وہ بھی اپنے حقوق کا مطالبہ کرنا چاہیں تو انکا روک دینا احساس ترقی کو مجروح کرنا ہے۔

ایک پوشیدہ خطرہ اور اُسکی تدبیر

بعض شکوک اور بعض باتیں لوگوں کے دلوں میں ہوتی ہیں جنکا وہ اظہار نہیں کرسکتے مگر اکثر عملی قوتیں انکا پردہ فاش کردیتی ہیں۔ اسوقت عورتوں کو ترقی اور آزادی سے روکنے میں جو مصلحت شریک ہے گو اسکا کہیں اظہار نہیں کیا جاتا، تاہم وہ اس قابل ضرور ہے کہ معرض بحث میں لاکر اُسپر اچھی طرح تنقید کیجائے۔ مصلحت یہ ہے کہ اگر عورتوں کو آزادی اور ترقی میسر آگئی تو نوجوانانِ ملک کی تخریب کا باعث ہوگا اور اخلاقیات میں کمزوریاں نمایاں ہونے لگیں گی۔ یہی وجہ ہے کہ نہ تو عورتوں کو عام جلسوں میں شرکت کی اجازت دیجاتی ہے نہ انہیں مکان کی چار دیواری سے نکلنے کا موقع دیا جاتا ہے اور نہ انکی تعلیم پر پوری توجہ کیجاتی ہے۔ لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ اگر ہندوستان کے مردوں اور عورتوں، لڑکوں اور لڑکیوں میں اعلیٰ تعلیم عام ہو جائیگی تو یہ خطرہ خود بخود دور ہو جائیگا۔ اس خطرہ کا امکان صرف جہالت تک محدود سمجھئے۔ انگلستان میں عورتیں آزاد ہیں۔ لیکن غیر ممکن ہے کہ کوئی شرمناک واقعہ رونما ہو۔ اشتیاق اور شوق صرف "پردہ پابندی" سے وابستہ ہے۔ اگر پابندیاں ہٹالی گئیں تو یہ ہیجان بہیمیت، جسکے لئے ہندوستان کے نوجوان افراد بدنام ہیں خود فنا ہو جائیگا۔ طبیعت صرف اس چیز کیطرف مائل ہوتی ہے جو چھپالی جائے اور جسکا حصول ناممکن ہو۔ عورتوں کو اپنی عصمت و عفت کے تحفظ کا خیال اب مردوں سے زیادہ ہے۔ اسلئے یہ مصلحت آمیز احتیاط صرف سوء ظن اور کمزوریٔ خیال پر مبنی ہے۔ جو خواتین زیور علم سے آراستہ ہو کر اسٹیج پر آچکی ہیں۔ ہمنے اُن کے متعلق کوئی افسوسناک افواہ بھی نہیں سُنی۔ قدامتِ خیال اس مصلحت کو بدستور رکھنا چاہتی ہے تو تعلیمی ترقی کی سعی ناقص فضول ہے۔ ہاں ہم اسکے مؤید ہیں کہ جاہل عورتوں کو آزادی میں حصہ لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ وہ ضرور فساد و پریشانی کا باعث ہوں گی۔ لیکن جن خواتین کے دل حریت قومی اور احساس تعلیم سے لبریز ہیں انہیں ہر قسم کی آزادی ملنی چاہئے۔ وہ اپنے نظامِ تحفظ کا انتظام خود کرلینگی۔

عورتوں کی فسانہ نویسی اور شاعری

تجربہ نے ثابت کیا ہے کہ تعلیم یافتہ عورتوں کو فسانہ نویسی سے روکدینا چاہئے۔ اسطرح انکے خیالات خراب ہوتے ہیں۔ اور ملک کو اُن سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ ایسے فسانے جنکا مواد صرف حُسن و عشق ہو اور وہ قوم و ملک کے لئے کوئی نتیجہ پیدا نہ کرسکیں مردوں کے قلم سے بھی اگر نکلیں تو قابل تحسین نہیں۔ پیمانہ پہلے اس گناہ کا مرتکب ہوچکا ہے لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس طریقہ سے مسلمان خواتین کی علمی تعمیر بہت خطرناک ہوجاتی ہے اسلئے پیمانہ میں بھی یہ سلسلہ بند کردیا گیا ہے اور جو فسانے وصول ہوئے تھے وہ واپس کردیے گئے ہیں

مسلمان خواتین کو ایسے مضامین لکھنے کی ضرورت ہے جو اُنکے حقوق، تکالیف، اور دشواریوں کی ترجمانی کرسکیں۔ اور جن کے پڑھنے سے مرد اُنکے صحیح جذبات معلوم کرسکیں۔ خواتین کا مضامین لکھنا نہ صرف ترقی نسواں کے مقاصد میں اضافہ خیز ہے بلکہ زبان کی بہترین خدمت ہے۔ بشرطیکہ خواتین اپنی مادری زبان کو ملکی زبان کے اشتراک سے محفوظ رکھیں اور وہی لکھیں جو کچھ وہ اپنے گھروں میں بولتی ہیں۔ اگر اس قاعدہ پر کوشش سے عملدرآمد ہوا تو بہت سے اصطلاحی الفاظ بنے بنائے مل جائینگے اور انکے لئے غریب و کریہہ الفاظ وضع کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ عورتوں کے لئے غزلیں کہنا بھی معیوب ہے۔ اسلئے کہ ابھی تغزل سے جذباتِ وصل و وصال کا عنصر

کم نہیں ہوا ہے اور عورتوں کے قلم سے اس قسم کے جذبات کی نگارش شرمناک ہو۔ اگر شعر کہنے کا فطری جذبہ رک نہیں سکتا تو نظموں اور غزلوں میں وہی خیالات موزوں ہونے چاہئیں جنکا تعلق پاکیزگی اور علوائے نفس سے ہو۔ اور جن کے سننے سے نسوانی ذہنیات کی بلندی کا پتہ چل سکے۔

زنانہ رسائل واخبار

آجکل عورتوں کے رسالے ہر طرف سے نکل رہے ہیں۔ اور اب سے پہلے بہت نکل چکے ہیں۔ لیکن ان رسالوں یا اخباروں کو "نسائی" کہنا غلطی ہے۔ انہیں علی العموم مردوں کے مضامین ہوتے ہیں، جنکے ذریعہ عورتوں کی ضروریات و مطالبات پر بحث کیجاتی ہے۔ اور اس مشورت کا اثر صرف مردوں میں تقسیم اور جذب ہو کر رہجاتا ہے۔ عورتیں اگر ان مضامین کو دیکھتی ہیں تو انہیں صرف مردوں کے خیالات اپنے متعلق معلوم ہو کر رہجاتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان رسائل و اخبارات میں جو عورتوں کے لئے شائع کئے جارہے ہیں، زیادہ مضامین عورتوں کے ہوں، مضامین کی ادبی اور علمی حیثیت کا خیال کرنا فضول ہو۔ اور انکی اصلاح بھی بیکار ہے۔ اس سے تصنع پیدا ہوجاتا ہے۔ عورتیں جو کچھ لکھیں وہ بجنسبہ درج کردینا اولیٰ تر ہے۔ اگر آج وہ غلط لکھتی ہیں تو کل صحیح بھی لکھنے لگیں گی۔ اغلاط کی طرف توسین (   ) میں اشارہ کیا جاسکتا ہے لیکن اب تو خواتین کے مضامین اغلاط سے بہت پاک ہوتے ہیں۔ اور انہیں مردانہ تحریروں کا عکس جھلکنے لگا ہے یہ جھلک حقیقتاً اچھی معلوم نہیں ہوتی۔ عورتوں کا لہجہ اور طرز تحریر گفتگو کیطرح مردوں سے الگ اور ممتاز ہونا چاہئے۔ پیمانہ کے صفحات خواتین کے لئے خالی ہیں۔ بشرطیکہ ان کا معیار نگارش ان عیوب و زوائد سے پاک ہو جن کا ذکر اس مہینے کے حصہ نسائیات میں کئی جگہ کیا جاچکا ہے۔

اکثر اخباروں اور رسالوں میں سینے پرونے، کہانے پکانے، اور مختلف باتوں کی تعلیم دیجاتی ہے۔ مگر رسائل کی تعلیم کچھ زیادہ کامیاب نہیں ہوتی۔ یہ باتیں ایک لڑکی اپنے گھر میں روز کے مشاہدہ اور تجربہ سے خود سیکھ سکتی ہے۔ جس کے لئے صرف مطالعہ ضروری نہیں ہے بلکہ مہارت اور عمل درکار ہو۔

اس قسم کے رسالوں اور اخباروں کی زبان آسان اور عام فہم ہونی چاہئے تاکہ عورتیں انہیں بیک نظر سمجھ سکیں۔ غایت، نظام عالم، ہمہ گیر، پر عظمت، استحصال، مناکحت، بیت الاطفال، فارسی اشعار یا رباعیاں گویہ اتنی دشوار باتیں نہیں ہیں۔ تاہم انسے بھی زیادہ آسان الفاظ اگر ایسے رسالے اور اخباروں میں استعمال کئے جائیں تو مناسب ہے۔

اس قسم کے صحائف میں اشتہارات کا بھی ایک خاص معیار ہونا چاہئے، جسپر اکثر توجہ نہیں کیجاتی۔ مجھے "بہشتی زیور" میں یہ دیکھکر بڑی شرم آئی کہ اسمیں مخصوص مردانہ بیماریوں کے اشتہار بڑی آزادی کے ساتھ درج تھے، یہ کتاب مولانا اشرف علی تھانوی نے صرف عورتوں کے لئے لکھی ہے۔ اور بہت مقبول ہے۔ اس قسم کے اشتہار دیکھنے سے عورتوں کو، یا عورتوں سے مشتہرین کو کیا فائدہ ہوسکتا ہے؟

ایڈیٹر

مطربہ سے

ہاں اک نظر ادھر بھی حسن و شباب والی
آ جام عشق بھر دے کافر شراب والی،

خلوت کدوں میں دل کے اندھیر ہو رہا ہے
رخسار اپنے چمکا اے آفتاب والی،

کانوں میں آرہی ہے نازک نوائے کومل
پھر چھیڑ اپنا نغمہ کافر رباب والی،

انگڑائیوں میں دیکھا جو کچھ وہ کیا بیاں ہو
دل ہو رہا ہے بیخود اے پیچ و تاب والی،

دل میں اتر گئی ہے تیری نوائے شیریں
آ مست تو بھی ہو جا اُف اے حجاب والی،

چہرے کی اک جھلک سے ذرّوں کو طور کر دے
رُخ سے اُلٹ کے برقع کافر نقاب والی،

موسیقیت سے تیری دل ہو رہا ہے بیخود
مضراب اپنا رکھ دے نازک شباب والی،

ہونٹوں کی لرزشوں میں مستور بجلیاں ہیں
خاموش کر یہ نغمے بیخود رباب والی،

دیکھو نہ اب غزالہ مضطر مغنیہ کو
نغموں میں مست ہے وہ رنگیں شراب والی

میمونہ غزال

معلومات

پیمانہ

جنوری سنہ ۱۹۲۶ء

خلاصۃ الباب

تصاویر ——— (۱) ٹراجن قیصر روم — (۲) ستون فیروز

تحقیقات جدیدہ

حضرت مسیح کا چہرہ

مشہور و معروف مصوّر "گبریل میکس" کی شہرہ آفاق تصویر "حضرت مسیح کا چہرہ" حال میں امریکہ نے خریدی ہے۔ اس تصویر کی تاریخ بہت عجیب ہے، یہ ۱۸۷۴ء میں بوہیمیا میں تیار کی گئی تھی۔ لیہن نامی ایک سوداگر نے اس کو خریدا، اور وہ دوبارہ اس کو فروخت کرنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ سخت بیمار ہو گیا۔ پھر موقعہ پر جب کبھی لیہن کے ورثا نے اس تصویر کے فروخت کرنے کا ارادہ کیا تو کوئی نہ کوئی خرابی پیدا ہوتی رہی۔ سب سے آخر میں لیہن کے ایک فرزند نے یہ تصویر امریکہ میں فروخت کی، اور اس واقعہ کے کچھ ہی دن بعد وہ فوت ہو گیا، اس تصویر میں خاص بات قابل تذکرہ یہ ہے کہ اس کی آنکھیں کھلتی اور بند ہوتی ہیں۔

سمندر میں جنگل

مسٹر ایف۔ اے۔ مچل ہوز جو ایک مشہور و معروف سیّاح ہیں چند دیگر شرکا کے ساتھ برطانی ہانڈرس کے عمق سمندر میں ریسرچ (تحقیقات و دریافت) کا کام کر رہے ہیں۔ انھوں نے سمندر کے عمق میں جنگل دریافت کیا ہے۔ جس میں ۲۰۔ ۳۰ فٹ اونچے درخت پائے جاتے ہیں ان جنگلوں کے اندر اور باہر کئی قسم کی جھاڑیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ نیز ان جنگلوں سے کئی قسم کی جاندار اور بے جان چیزیں بھی حاصل کی گئی ہیں۔ منجملہ ان کے ایک قسم کی مکڑی ہے جسکی ٹانگیں چار پانچ انچہ ہیں۔ ان جنگلوں میں مختلف قسم کے سانپ بھی پائے گئے ہیں۔

دنیا کے سب سے بڑے اور سب سے چھوٹے بیل

سلطنت برطانیہ کی نمائش ویمبلی میں حال ہی میں دو بیل لائے گئے ہیں جن میں سے ایک دنیا میں سب سے بڑا، اور دوسرا تمام بیلوں سے چھوٹا ہے، چھوٹے بیل کی عمر تین سال ہے بلندی ۳ فٹ، اور وزن ۳ ہنڈرویٹ ہے۔ اور بڑے بیل کی عمر ۴ سال بلندی ۶ فٹ ۲ انچ اور وزن ۳۰ ہنڈرویٹ سے بھی زیادہ ہے۔

بحری سانپ

بحری سانپوں کی نسبت داستانیں تو بہت سننے میں آئیں مگر ایسے لوگ بہت کم ہیں جنھوں نے کبھی بحری سانپ کو بچشم خود دیکھا ہو۔ مگر ایک سیّاح کے بیان سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ واقعی بحری سانپوں کا وجود ہے۔ اس سیّاح کا بیان ہے کہ ہانگ کانگ سے روانہ ہونے کے بعد سمندر میں سخت طوفان آیا اور دو روز تک ہمیں سخت تکلیف رہی۔ تیسرے روز جبکہ غروب ہوتے ہوئے آفتاب کی کرنیں سمندر پر پڑ رہی تھیں۔ میں اپنے ایک دوست کے ہمراہ تختۂ جہاز پر کھڑا ہوا تھا۔ اسوقت اسنے میری توجہ سطح سمندر کی طرف دلا کر کہا، "خدا کی قسم دیکھو کیسا جانور ہے"۔ ۱۰۔ ۱۵ منٹ تک ہم نے اُسے جنوب کی طرف بہتے ہوئے دیکھا، مجھے ۲۰ سال کا سمندری تجربہ حاصل ہے۔ اور عرصہ ۱۳۔ ۱۴ برس تک میں چین کے سمندروں میں جاتا رہا ہوں۔ مگر ایسا عظیم جانور سانپ کی قسم کا آجتک نہیں دیکھا۔ اس کی لمبائی ۵۰ فٹ اور اس حصّہ کی اونچائی

جو پانی کے باہر تھا ۱۷ یا ۱۸ فٹ تھی، اس کا رنگ ہلکے بھورے رنگ کا اور پشت سینگ کی طرح سخت تھی، اس کی عظیم دُم اور سر کا رنگ خاکی تھا۔

عجیب و غریب مچھلیاں

اب تک یہ ہی خیال کیا جاتا تھا کہ مچھلیاں گلپھڑوں سے سانس لیتی ہیں مگر علمائے سائنس نے اب یہ دریافت کیا ہے کہ دنیا میں ایسی مچھلیوں کا وجود بھی ہے جن کے پھیپھڑے ہیں اور زمین پر رہنے والے جانوروں کی طرح سانس لے سکتی ہیں یہ مچھلیاں تین قسم کی ہیں، ایک قسم کوئنس لینڈ میں، دوسری قسم افریقہ اور تیسری قسم جنوبی امریکہ میں پائی جاتی ہے۔ یہ مچھلیاں دریاؤں میں رہتی ہیں۔ برسات میں یہ دریا لبالب بھرے ہوتے ہیں مگر گرمیوں میں ان کا پانی اسقدر گرم ہو جاتا ہے کہ ہاتھ نہیں ڈالا جا سکتا۔ خشک موسم میں یہ مچھلیاں کیچڑ میں دب جاتی ہیں۔ اور اپنے پھیپھڑوں کے ذریعہ سانس لیتی ہیں۔

تنکوں کا کلاک

میونخ جرمنی میں ایک عجیب و غریب قسم کے کلاک کی نمائش ہوئی۔ یہ کلاک تمام کا تمام تنکوں کا بنا ہوا ہے۔ وقت نہایت ٹھیک دیتا ہے۔ اس میں کوئی کمانی نہیں اور نہ کوئی دھات استعمال کی گئی ہے۔ یہ گذشتہ ستر برس سے برابر چل رہا ہے اور اب تک اس کو مرمت کی ضرورت نہیں ہوئی۔ اسکا وزن دو سو گرام اونچائی ۱۷۰ سینٹی میٹر اور چوڑائی ۶۴ سینٹی میٹر ہے۔

ایک جدید بّرِ اعظم

مسٹر ایڈورڈ فیرفیکس نوٹسی نیویارک (جو کہ زمین کی حرکات میں خاص مہارت رکھتا ہے) نے بیان کیا ہے کہ جلد ہی بحر الکاہل کے مرکز میں جزائر ہوائی ایک براعظم کی صورت اختیار کرنے والے ہیں۔ مسٹر موصوف کو یقین ہے کہ یہ جزائر آہستہ آہستہ مگر بتدریج اوپر کی طرف اُبھر رہے ہیں اور اسی رفتار سے اُبھرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک پشت کے بعد جزائر ہوائی مجمع الجزائر جاپان کی برابر رقبہ گھیرے ہوئے ہونگے۔ مسٹر نوٹسی نے یہ بھی کہا ہے کہ اس دوران میں کوئی شدید ارضی حادثہ مثل زلزلہ وغیرہ بھی ظہور میں نہیں آئیگا۔

فوجی سگنل کا جدید طریقہ

جنگ کے ایام میں سگنل بھیجنے کے واسطے ایک جدید قسم کی روشنی ایجاد ہوئی ہے جو نظر نہیں آتی۔ اسکے ذریعے سورج کی روشنی میں آٹھ میل کے فاصلہ تک پیغام بھیجے جا سکتے ہیں۔ پیغام کو حاصل کرنے والے کے پاس بھی اسی قسم کا ایک آلہ ہوتا ہے جس کے ذریعہ پیغام بھی جا سکتا ہے۔

پانی نہ پینے والے جانور

پیٹے گونیا اور مشرق جدید میں ایسے جانور پائے گئے ہیں جو کبھی پیاس محسوس نہیں کرتے ان کی بناوٹ ہی اس قسم کی بنی ہوئی ہے کہ وہ تمام عمر بغیر ایک قطرہ پانی پیئے ہوئے گذار دیتے ہیں۔

ہشام میرٹھی

ٹراجن کے ستون

ٹراجن سنہ ۵۳ء عیسوی میں دریائے وادی الکبیر کے کنارے اتالیکا میں پیدا ہوا۔ اُس کا باپ اسپینی تھا جو پہلے رومیوں کی کونسل میں عہدہ دار تھا اور پھر ایشیائے کوچک میں سپہ سالاری پر فائز ہوگیا۔ اُس کے ماتحت رہکر ٹراجن نے بھی ایک ممتاز لشکری کی حیثیت حاصل کرلی، پارسیلوں اور یہودیوں کے خلاف اُس نے بڑی شہرت پائی اور سنہ ۹۱ء میں وہ بھی کونسل کا ایک رکن رکین بن گیا۔ اس کے بعد ٹراجن اپنے وطن لوٹا اور پھر دریائے رائین کی فوج کا سپہ سالار ہوگیا وہ ایک شجاع، اور وسیع الاخلاق کارکن تھا جس سے اُس کے ہم وطن نہایت خوش اور مطمئن تھے آخر اوسکی شہرت قیصر نیرؔوا کے کان تک پہونچی، جو لاولد اور ضعیف العمر تھا۔ اُس نے ٹراجن کو اپنا متبنیٰ کرلیا نیرؔوا کے انتقال کرنے پر ٹراجن اپنی خداداد قابلیت اور قابل رشک قوت انتظام کی برکتوں سے قیصر روم کے تخت پر متمکن ہوا۔ نیروا کے انتقال کے وقت وہ جرمن میں تھا مگر خبر انتقال پہونچتے ہی روم پہونچ گیا جہاں اُس کا استقبال پورے جوش اور مکمل پذیرائی کے ساتھ کیا گیا۔ تخت نشین ہوتے ہی اُس نے رومیوں میں سے اپنے لئے کام کرنیوالے افراد چھانٹ لئے اور مفسدین ملک کو جلاوطن کردیا اُس نے نظام سلطنت میں بہت سی نئی مگر ضروری ترمیمات کیں۔ جھوٹی نالش دائر کرنے والوں نے بڑا پریشان کر رکھا تھا۔ اُس نے اعلان کردیا کہ جو شخص جھوٹی نالش کریگا وہ سزا پائیگا۔ اس قانون کے مطابق اکثر جھوٹے نالشی بحیرۂ روم کے ویران ٹاپوؤں میں بھیجدے گئے۔ روم میں غلّہ بہت گراں فروخت ہوتا تھا حکومت نے محصول معاف کردیا۔

پہلی صدی عیسوی کے اختتام سے پہلے پلینی حکومت روم کی طرف سے بتھونیا کا صوبہ دار مقرر ہوا اور اُس نے اہل بیت حضرت مسیح علیہ السلام کو بربنائے لاعلمی بہت سی تکالیف پہونچائیں۔ مگر جب اوسکو اُن کے متعلق علم ہوگیا تو بہت پشیمان ہوا۔ ٹراجن سے اُنکی سفارش کی گئی اور تکالیف کی تلافی کی گئی۔ اس معاملہ میں جو مراسلت ٹراجن اور پلینی کے فی مابین ہوئی اُس سے ٹراجن کے بہت سے اوصاف اور کمالات معلوم ہوئے۔

سنہ ۱۰۱ء میں اہل روم اور ڈاکیوں میں ایک جنگ عظیم چھڑ گئی۔ قیصر ٹراجن ایک عظیم الشان فوج لیکر دریائے ڈینوب کے

کے پار گیا دشمن کو شکست دی اور لڑائی کے تیسرے سال اوس کے دارلسلطنت پر بھی قبضہ کر لیا۔ تیسرے سال بادشاہ مذکور نے صلح کی درخواست کی اور تاوانِ جنگ میں اپنے ملک کا ایک حصہ رومیوں کو دیدیا۔ جب ٹراجن کامیاب واپس ہوا تو اہل روم نے مسرت کا اظہار کیا شادیانے بجائے گئے اور ملک کی متعدد جماعتوں نے اُسے ڈاکیکس کا خطاب دیا۔

۱۰۴ء میں ڈاکیوں کے بادشاہ نے پھر سرتابی کی۔ اور ٹراجن کی فوجیں پھر ڈینوب کی طرف بڑھیں اُسوقت ٹراجن نے دریائے ڈینوب پر ایک پُل بنانے کا حکم دیا۔ قدیم پُلوں میں اس سے بڑا پُل تاریخ ابتک ثابت نہیں کر سکی۔

اس پُل کے بیس پشتے تھے۔ ایک ایک پُشتہ ڈیڑھ ڈیڑھ سو فیٹ بلند تھا۔ ایک پُشتے سے دوسرے پُشتے کا فصل ایک سو ستر فیٹ تھا۔ سب پر کاٹھہ کی محرابیں بنی ہوئی تھیں۔ پُل کی لمبائی چار ہزار سات سو ستر فیٹ تھی۔

اس لڑائی میں ڈاکیوں کے بادشاہ نے پھر شکست کھائی۔ آخر ناامیدیوں سے گھبرا کر خودکشی کر لی اور تمام ملک رومیوں کے قبضہ میں آگیا۔

اس فتح کی یادگار میں ایک مشہور معمار آپالوڈورس نے محلاتِ ٹراجن کے چوک میں جس کے چاروں طرف عالیشان ستونی عمارتیں کھڑی ہوئی تھیں، ایک مینار تعمیر کیا۔ جس کا نام "ستون فیروز" تھا یہ سنگ مرمر سے جو وہاں کرارا کہلاتا تھا ایک سو پندرہ فیٹ اونچا بنایا گیا تھا۔ اس مینار میں سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں جن کے ذریعہ اوپر تک جا سکتے ہیں۔ مینار سے ملحق چاروں طرف ڈاکیوں اور رومیوں کی لڑتی ہوئی تصویریں تراشی گئی ہیں۔ جو سنگ تراشی کا بہترین نمونہ ہیں مگر اونھیں اسقدر پیچ دار بنایا گیا ہے کہ جب تک پورے مینار کا بار بار طواف کیا جائے تصویریں اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتیں۔ مینار پر بہونچکر یہ تصویریں بہت زیادہ دھندلی معلوم ہونے لگتی ہیں۔ ستون کے حصہ زیریں پر بھی کچھ تصاویر بنی ہوئی ہیں اور ایک کتبہ بھی لگا ہوا ہے جس میں یہ عبارت کندہ ہے۔

"ٹراجن کی سرفرازیوں کے اعلان و یادگار میں یہ ستون بلند تعمیر کیا گیا ہے"
"اور سب سے اوپر اُسکی تصویر لگادی گئی ہے۔ تاکہ لوگ اُسے پہچان سکیں۔ یہ ستون"
"چھہ سال میں بن کر تیار ہوا ہے"

اس جنگ کے بعد چھہ سال تک ڈاکیوں سے صلح رہی۔ اس زمانہ میں ٹراجن ملکی انتظام اور آرایشِ رُوم میں مصروف رہا۔ اُس نے ایک کتب خانہ تعمیر کیا جس کا نام اُلپیا تھا۔ ایک مدرسہ اٹالیا نی غربا کے بچوں کی تعلیم کے لئے جاری کردیا۔ ان کاموں سے فارغ ہو کر ٹراجن نے پارسیوں کے خلاف اعلان جنگ کیا اور فتحیاب ہوا آرام نہرایم کو اپنے قبضہ میں کیا اور اہل ارمن کو خسرو کے ہاتھہ سے نجات دلائی۔ پھر دجلہ کو عبور کر کے بڑے بڑے شہر اپنے قبضہ میں کئے اپنی فوجوں کو خلیج فارس تک لیگیا۔ سمندر کی پُرآشوب موجوں میں جب اُس کا جہاز سکون کے ساتھہ چلا جاتا تھا تو اُسے سکندر اعظم کی طرح فتح ہندوستان کا خیال آیا۔ مگر اپنی کہن سالی پر نظر کرتے ہوئے اُس نے اس ارادہ کو فسخ کردیا۔

نیونینم کے باشندوں نے بھی اُس فتح کی یادگار میں جو ٹراجن کو پارسیوں پر حاصل ہوئی ہوئی تھی ایک ستون تعمیر کرایا

ستونِ فیروز

جو اب تک موجود ہے۔

ٹراجن نے ۶۴ سال کی عمر میں جب کہ وہ رُوم واپس آ رہا تھا کِلکیا سے گزرتے ہوئے مرض استسقا میں انتقال کیا اور رُوم میں ستونِ فیروز کے نیچے دفن ہوا۔ اُس کے بعد رُوم میں جتنے بادشاہ ہوئے اُنہیں جب اراکین سلطنت دعائیں دیتے تھے تو اُن کے الفاظ یہ ہوتے تھے کہ:۔

"آپ اگسٹس سے زیادہ سعادتمند اور ٹراجن سے زیادہ نیک ہوں"

ہندوستان کے اہم واقعات

مولانا عبدالباری لکھنوی مرحوم

بدنصیب ہندوستان اپنے قحط الرجال کے لئے جتنا بدنام ہے اُتنا شاید ہی کوئی ملک ہو۔ اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ تعلیم جدید نے مسلمانوں کو تقلید اسلاف سے بالکل بے پروا کردیا ہے اب علماء حکما ربھی مغربی نمونے کے پائے جاتے ہیں اور افراد ملت باقیات الصالحات میں سے فنا ہوجاتے ہیں پر انکی مسند پر ویسی ہی صورت نظر نہیں آتی یہ صرف غیر ملکی تقلید کا اثر ہے۔ مگر ممالک غیر میں ہندوستان کی تقلید کوئی نہیں کرتا۔ وہاں ایک مرنے والے کا جانشین ہر نوعیت سے اُس سے برتر و ثابت ہونے کی کوشش کرتا ہے اور اگر وہ اس کوشش میں ناکام رہتا ہے تو کم از کم اپنے پیش رو کا نقش صحیح تو ضرور ہی بن جاتا ہے۔ وہاں ایک پوپ کے مرنے پر دوسرا پوپ عمامہ و جبہ پہنکر عصا و تسبیح ہاتھ میں لیکر ایک مسلمان واعظ و امام کا روپ بھرنے سے ہمیشہ نفرت کرتا ہے۔ مگر یہاں ایک پیر طریقت جب دنیا سے راہی ہوتا ہے تو اُسکا جانشین کوشش کرتا ہے کہ امریکن راہب کی صورت میں رعب وداب کا اظہار کرے مولانا عبدالباری لکھنوی مرحوم مسلمانانِ سلف کے صحیح مقلد و یادگار تھے۔ اُن کی صورت اور سیرت سے اسلاف کی عظمت و بزرگی نمایاں تھی۔ فرنگی محل کے علماء ہندوستان میں ہمیشہ مستند اور معتبر تسلیم کئے گئے ہیں مرحوم نے اپنی خاندانی روایات کو من حیث المجموع زندہ رکھا اور قومی و ملی کاموں میں مالی و قلمی امداد سے کبھی دریغ نہیں کیا۔ فرنگی محل کے مدرسہ میں اب بھی مسلمان طلبا درس گیر ہیں اور یہ مرحوم کی همہ گیری تھی کہ باوجود انہماک قومی وہ ان طلباء کی تعلیم سے بے خبر نہ تھے فتنۂ ارتداد میں بھی مولانائے مبرور نے کافی حصہ لیا۔ اور ناں کو اوپریشن کے زمانہ میں بھی قوم کی نہایت احتیاط کے ساتھ رہنمائی فرمائی۔ افسوس کہ آپ پر فالج کا حملہ ہوا اور آپ جانبر نہ ہو سکے۔ خدا آپکو اپنے جوار رحمت میں ایک فردوسی خلوت عطا فرمائے اور آپ کے صاحبزادہ کو آپ کے نقش قدم پہ چلنے کی قوت دے۔

مہاراجہ الور کا ایثار

گذشتہ دسمبر میں جوبلی کے موقع پر حضور مہاراجہ بہادر والئی الور نے مُسلم یونیورسٹی علیگڈھ کو مختلف شعبوں کے لئے ایک کثیر رقم عطا فرما کر اپنی بے تعصبی اور علم دوستی کا بہترین ثبوت دیا۔ یہ غالباً تاریخ تعلیم میں پہلی مثال ہے کہ ایک ہندو مہاراجہ نے مسلمانوں کی تعلیم کے لئے اسقدر کشادہ دلی سے کام لیا۔ اسپر بعض ہندو اخبارات بہت زیادہ چراغ پا ہو رہے ہیں۔ لیکن اُنہیں تعصب سے الگ ہو کر سوچنا چاہئے کہ اگر ایک مسلمان والئی ریاست اتنی ہی رقم بنارس یونیورسٹی کو دیدیتا تو کیا اُسوقت بھی اُنکا یہی رویّہ ہوتا جب تعصب کا منشا یہی ہے تو ریاست الور سے مسلمانوں کو نکالنے کی کوشش کیوں نہیں کی جاتی جہاں وہ مہاراجہ کی فیاضیوں سے ایک مستقل فائدہ اُٹھا رہے ہیں؟ مہاراجہ الور نے جو صلح کُل پالیسی اس موقعہ پر اختیار کی وہ اُن کے گراں قدر عطیہ سے بھی زیادہ قیمتی ہے اور ہر قوم کے روسار اور والیان ریاست کے لئے موجب تشویق و تقلید۔

رہنمایان ملک کی کنارہ کشی

پے در پے سیاسی ناکامیوں اور متواتر شکست عزائم نے اُن تمام رہنمایان ملک کو کمزور کر دیا ہے جو اب سے چار سال پہلے ایسے قومی معلوم ہوتے تھے کہ گویا ہندوستان کو اپنی منزل مقصود تک دھکیل لے جائینگے ان میں سب سے زیادہ شہ زور مسٹر گاندھی تھے مگر اب اونہوں نے اعلان کر دیا ہے کہ وہ کامل ایک سال احمد آباد میں گوشہ نشین رہینگے یعنی اُسوقت منظر عالم پر آئینگے جب کانگریس کے آئندہ اجلاس منعقد ہونگے اور لوگ مسٹر گاندھی کو چلا چلا کر پکار رہینگے ملکی معاملات سے کنارہ کشی صاف ظاہر کر رہی ہے کہ مسٹر گاندھی کو اپنی ناکام کوششوں کا بہت رنج ہے اور وہ اس حالت رنج کو سکون وخاموشی سے بدلنے کے لئے سبکدوش خدمات ہونے کے آرزومند ہیں مولانا محمد علی بھی رفتہ رفتہ قومی انجمن سے اپنا ہاتھ نکالتے جاتے ہیں مسیح الملک حکیم اجمل خان کا طرز عمل بھی یہی ہے مولانا ابو الکلام آزاد بھی جنہیں اُنکی شیوہ بیانی اور طلاقت لسانی نے رہنما بنا دیا تھا اب صرف خلافت سے متعلق ہوکر رہ گئے ہیں۔ مولانا حسرت موہانی پر عدم اعتماد کے ووٹ دیئے جا رہے ہیں وہ بھی یقیناً عملی زندگی سے دست کش ہو جائینگے گو ان کا دل اکثر رہنمایان قوم سے زیادہ لبریز ہمدردی وحمایت ہے۔ مولانا محمد علی جوہر ... لباری کشمکش حیات سے رستگار ہو ہی چکے، اب باقی کون رہا۔ ڈاکٹر سیف الدین کچلو قومی تنظیم میں مصروف ہیں مگر روزنامہ تنظیم کے بند ہو جانے سے اُن کے کاموں کی بدنظمی اور غیر مقبولیت بھی ظاہر ہے اِن حضرات کی کنارہ کشی نے جن افراد کو اُبھرنے کا موقع دیا ہے وہ ہندوستان کو بہت جلد پھر اُسی مرکز پر لانے کی کوشش کر رہے ہیں جس پر اب سے دس برس پہلے تھا ہندوستان کی قسمت میں اگر آزادی ہنوز نہیں لکھی گئی ہے تو یہی مناسب تر ہے کہ وہ جاہلانہ اور قیانہ تاریکیوں میں گھرا رہے جن میں حفظ امن سکون، اور بے پرواہی کے عنصر محفوظ کر لینے کی کافی صلاحیت ہے بے معنی شورشوں ناعاقبت اندیشانہ کارروائیوں سے خاموشی اور غفلت میں پڑا رہنا بدرجہا بہتر ہے۔ ۵۔۶ سال کی متواتر چل پکار، جدوجہد، اور شور وغل کا نتیجہ اگر صرف یہی ہو سکتا ہے کہ مسٹر گاندھی جیسا نچلا نہ بیٹھنے والا مدبر یا سیاست کا دیوتا ایک سال کے لئے کامل آرزومند ہو جائے تو قابل مبارکباد ہیں وہ لوگ جو بغیر ایک لمحہ انتشار کے برکات امن وسکون سے بہرہ اندوز ہیں۔

آہ! مسٹر براؤن

اُن لوگوں کے کمالات کا اعتراف سچے دل سے کرنا پڑتا ہے جو ایک ملک و قوم میں پیدا ہو کر دوسرے ملک اور دوسری قوم کے ادبیات میں کمال عروج تک پہونچ جائیں۔ ایک مغربی ادیب اگر زبان کا ماہر اور ادیب ہو تو زیادہ تعجب خیز نہیں لیکن جب کسی دوسری زبان میں اُسی درک کمال حاصل ہو تو یقیناً وہ قابل رشک و غبطہ ہے۔ مسٹر براؤن کو ادبیات ایران میں جو خاص امتیاز و مہارت حاصل تھا، اُسنے یورپ، ہندوستان اور ایران میں انکی ایک خاص شخصیت قائم کر دی تھی۔ "ایران جدید" لکھکر مسٹر براؤن نے اپنی تنقیدی قوت اجتہادت و ترتیب کا بہترین ثبوت دیا ہے۔ افسوس ہے کہ آپ دنیا سے رخصت ہو گئے اور اپنی جگہ خالی چھوڑ گئے۔ "بزم ادب ایران" نے طہران میں وزارت تعلیم کے ہال میں ایک ماتمی جلسہ کیا جسمیں اظہار تعزیت و تاسف کے بعد مرحوم کی علمی و ادبی خصوصیات کا ذکر عقیدتمندی اور انتہائے غم اندوزی کیساتھ کیا گیا گو مسٹر براؤن ہم سے رخصت ہو چکے ہیں، مگر اُنکا نام اور اُن کا کام ہمیشہ ..... زندہ رہے گا اور آنے والی نسلیں قیامت تک اونکے کارناموں کو قدر و وقعت کی نگاہ سے دیکھینگی۔

دنیا میں کیا ہو رہا ہے

کارزار شام و ریف مردانِ ریف اور دلاورانِ شام نے فرانس کو جس کشمکش حیات میں ڈالدیا ہے اُس سے اُسکا نکل آنا بہت دشوار معلوم ہوتا ہے صلح کی خبریں بار بار آتی ہیں اور با در ہوا ثابت ہو کر رہ جاتی ہیں۔ فرانس صلح کرنے سے مجبور ہے۔ وہ اسے اعتراف شکست سمجھتا ہے اور یوروپین سلطنتوں کے سامنے جن کے دلوں میں اُس کا اعتماد و وقار قایم تھا، ذلیل ہونا نہیں چاہتا۔ روزیوں کو قسم قسم کے لالچ دیے جا رہے ہیں قبائل ریف کو غازی محمد بن عبدالکریم کی طرف سے بددل اور باغی کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے ان آویزشوں نے کافی طول کھینچا ہے اور بغیر کسی نتیجہ کے ان کا انجام نہیں ہو سکتا اسپین آیندہ موسم بہار میں ایک جنگ عظیم پر آمادہ ہے فرانسیسی جنرل بہ تعداد کثیر محاذ پر جمع ہیں دماغ کی گہرائیوں سے بہترین مدافعانہ اور جارحانہ تدابیر سوچ رہے ہیں اور تہذیب اور بد تہذیبی کیساتھ سائنس قدیم و جدید کے ہلاک کن ذرایع کام میں لائے جا رہے ہیں۔

امریکہ جسے دول یورپ کی آویزشوں میں انقلاب پیدا کرنے کی عادت ہے خدا جانے اب تک خاموش کیوں ہے۔ بہرحال صلح ہو یا جنگ کی موجودہ حالت کچھ اور زیادہ خطرناک ہو جائے۔ غازی عبدالکریم اپنے مرکز سعی سے نہیں ہٹ سکتے۔ جیسا کہ حال میں اُن کے ایک نمایندے نے اعلان کیا ہے کہ اب مجاہدین ریف کامل آزادی حاصل کئے بغیر دم نہ لینگے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہنوز جنگ ریف ختم نہیں ہو سکتی وہ اپنی پوری قوت کیساتھ جاری ہے اور پوری قوت کیساتھ جاری رہے گی۔

ارضِ حجاز کا نیا بادشاہ سرکاری اور غیر سرکاری اطلاعات جو ابتک انگریزی، اور عربی اخباروں سے وصول ہوئی ہیں اُن سے صاف ظاہر ہے کہ ابن سعود ملک الحجاز کی حیثیت سے حکمران حجاز تسلیم کر لئے گئے ہیں اور روسا و عمائدین حجاز نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔ بعض تاروں سے یہ پتہ بھی چلتا ہے کہ سلطان ابن سعود کو اپنے نجدی اور وہابی ہونے کا اعتراف ہے اور وہ حجاز پر اپنی شخصی حکومت قائم رکھنے کا تمنائی نہیں ہے۔ یہ خیال زیادہ تر اُن اثرات کے تحت میں پیدا ہے جو ہندوستان کے عالم اسلام میں احتجاج کے ذریعہ پیدا کئے گئے اور جن کی بلند ہنگامی سمندر کی سطح پر شور کرتی ہوئی ارضِ حجاز تک جا پہونچی۔ بے شک ارض مقدسہ حجاز کو شخصی حکومت سے پاک رہنا چاہئے تاکہ وہاں آیندہ اس قسم کی خونچکانیاں اور گولہ باریاں حائل احترام و تقدس نہوں۔ وہاں ضرورت ہے ایک وقار پر سکون کی، ایک خموشی و احترام انگیز کی، ایک نیاز سرنجاک کی ایک جنبش لب کی۔ ایسی مقدس سرزمین پر یہ غوغائے سیاست، یہ سودائے حکمرانی کسی طرح بھی مناسب نہیں ہندوستان کے علماء اگر اسکا کچھ سدباب کر سکتے ہیں تو اولیٰ تر مگر جب ارض حجاز صدیوں سے کسی شخصی حکومت کے زیر اثر رہی ہے تو اب اُسے جمہوریت کی برکات سے لبریز کر دینا آسان کام نہیں ہے۔ ہندوستان میں بیٹھکر حجاز کا انتظام ایسا ہی ہے جیسا کہ زمین پر بیٹھکر آسمان کے نظام کو کبھی کے متعلق کوئی رائے قایم کرنا۔ حجاز سے ایک بات کا جواب ہم روزہ وصول نہیں ہو سکتا۔ اور یہاں

جو پروپگنڈا کیا جاتا ہے اُس کی تکمیل تک وہاں سینکڑوں عملی انتظامات ہو چکتے ہیں۔ جس موتمر اسلامی کے انعقاد کی توقع تھی وہ بھی خیالات میں ایک روشنی پیدا کر کے رخصت ہوگئی۔ جب ہندوستان کے مسلمانوں میں باہمی اتفاق آراء کی قوت نہیں ہے تو وہ بیرونی انتظامات کی تکمیل کے لئے سرگرداں کیوں ہوں؟ برطانیہ عظمیٰ یقیناً سلطان ابن سعود کی حامی ہے۔ اور رہے گی حجازی اعوان و انصار سلطان کی ملوکیت کے معترف ہیں، اور ہندوستان کے علماء اسوقت باہمی اختلاف و انتشار میں گرفتار ہیں۔۔۔

اسلئے اس مسئلہ کو مستقبل قریب کے فیصلہ پر چھوڑ دینا چاہئے۔ دنیا آجکل انقلابات کی آماجگاہ ہے۔ ہر صبح ایک نئی حالت کا مظاہرہ ہمارے سامنے پیش کر رہی ہے ہمارا فرض مجبوریہ ہے کہ ہم سکون و امن کیساتھ دانشمندی اور مآل اندیشی کو ہاتھ سے نہ دیں، اور سب سے پہلے اپنے گھر کی حالت سنبھالنے کی کوشش کریں۔

بادشاہ تاراج اور سپاہی کا راج

انقلاب ایران میں چشم بصیرت کے لئے بڑے بڑے سامان عبرت موجود ہیں۔ ایران کی دولت موقتی ختم ہو چکی اور ۱۳ دسمبر ۱۹۲۵ء کو ارکین مجلس حکومت نے رضا خاں پہلوی کو شہنشاہ ایران کا خطاب دیدیا۔ وہ اپنے صاحبزادے کی ولیعہدی کا بھی اعلان کر چکے۔ نادر شاہ والی ایران جو تخت طاؤس دہلی سے لایا تھا وہ ایک سپاہی بادشاہ کے زیر قدم ہے روٹی جو پہلے بہت گراں تھی ارزاں کر دی گئی ہے۔ گوشت سستا بکنے لگا ہے اور اجارے توڑ دئے گئے ہیں اسوقت جدید فرمانروائے ایران کے پاس چالیس ہزار جرار فوج تیار ہے جو ستر ہزار تک آسانی کیساتھ بڑھائی جاسکتی ہے۔ انسداد مسکرات کا فرمان جاری ہو چکا ہے ایک اعلان کے ذریعہ اطلاع دیگئی ہے کہ جو شخص براہ راست شکایت کریگا اُسکی تحقیقات اعلیحضرت بذات خاص فرمائینگے۔ ہندوستان میں رہنے والے پارسیوں کے نام ایک دعوت نامہ بھیجا گیا ہے کہ اپنے قدیم وطن ایران کیطرف مراجعت کریں اُنکے ساتھ ہر قسم کی رواداری کیجائیگی اور زراعتی و تجارتی متعلقات میں اُنہیں ہر ممکن مدد دی جائیگی۔ غرضکہ رضا خان پہلوی نے بیرونی و مقامی ہر دلعزیزی حاصل کرنیکی بہترین تدبیریں کر لی ہیں اور انہیں میں کامیاب ہو رہے ہیں۔

اُدھر احمد شاہ قاچار سابق والی ایران پیرس کی عشرت گاہوں میں پرستار نسائیت ہے اسوقت صرف دو چیزیں اُسکی ضروریات زندگی میں داخل ہیں۔ شراب اور شباب وہ دن رات یا تو منور و معطر محلوں میں رقص عریاں، اور حسن شباب کے جاذب حیات اثرات میں ڈوبا رہتا ہے یا ساحل سمندر پر غسل عریاں کے نظارے ہیں اُسکے زیور برتنوں و جواہرات کی قیمت دو کروڑ پونٹھ لاکھ پاونڈ ہے۔ اسکے علاوہ اسکے پاس ایک بیش قیمت ہیرا ہے جو اپنی صرف ایک مثال دنیا میں رکھتا ہے۔ یعنی ویسا ہی ایک ہیرا شہنشاہ افغانستان کے تاج میں نصب ہے۔ احمد شاہ ایکسال کے اندر قمار بازی میں تیس لاکھ پاونڈ خراب کر چکا ہے بیکر و دم کے سامنے یہ دس کروڑ روپیہ کی دعوتیں دی جاچکی ہیں دو ہزار فرانک وہ صرف ایک حسین پھول والی کی رونمائی میں دے چکا ہے۔

یہ واقعات کس درجہ قابل عبرت اور لائق افسوس ہیں۔ مگر سب سے زیادہ افسوس دول یورپ کی اس خاموش پالیسی پر ہے کہ وہ ایک والی سلطنت کو تا اُس بے غیرتی و بربادی دیکھ رہے ہیں اور اصلاح حال کی کوشش نہیں کرتے۔ احمد شاہ کے حالات سے اسوقت تمام عالم عبرت حاصل کر رہا ہے اور امید نہیں کیجاتی کہ اس کے بعد کوئی والی ریاست سیر و تفریح کے ارادہ سے یورپ جاسکے وہ ادھر مصروف عیش و تنعم ہے اور ادھر اسکی سلطنت مجبوراً دوسرونکے قبضہ میں پناہ گزیں ہے ہوش آنے کے بعد جب وہ ان حالات پر غور کریگا تو اُسے اپنا ماحول سازشوں سے لبریز اور مستقبل خطرناک تاریکیوں سے ٹکراتا ہوا نظر آئیگا اور اُس کیساتھ اس سے زیادہ شاید کوئی سلوک نہ کیا جائیگا کہ جدید حکومت ایران بسر اوقات کے لئے کچھ وظیفہ مقرر کردے اور وہ ایران کے کسی شہر میں اپنی باقی ماندہ بے کیف زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جائے۔ "عبرت عبرت۔ عبرت"

یارانِ میکدہ

ہندوستانی صحافت میں تقلید کی جرأت اسقدر عام ہے کہ وہ اپنی شان اور شخصیت جتانے کے باوجود بھی تقلید سے نہیں چوکتی، قوت ایجاد کا تعلق قوت دماغ سے ہے۔ اور پستی تقلید، کمزوری ذوق سے وابستہ، پیمانہ نے تین چار رسال کے عرصہ میں صفحات اداریت پر جو نقوش جدید مرتسم کئے وہ ہندوستانی صحافت میں چاروں طرف تقسیم ہوگئے۔ کسی نے ''الہامات'' پر قبضہ کرلیا۔ کسی نے ''صفحۂ تعارف'' پر کسی نے ''رسائیات'' پر کسی نے ''کلام المشاہیر'' پر کسی نے ترتیب اڑالی، کسی نے ترکیبیں چھین لیں، یہانتک کہ مزیدار ایڈیٹر کی جگہ زیر نظر لکھا گیا تو وہ بھی سب سے پہلے احمدآباد کے ''نشتر'' مرحوم نے اور پھر رامپور کے ''شیرنگ'' نے اپنے لئے پسند کرلیا۔

اس تغلب میں غالب حصہ صحافتِ پنجاب کا ہے جو ''پیمانہ'' کے اختراعات کی ہمیشہ چیل کی طرح منتظر رہتی ہے اور جو نئی بات پیمانہ میں نظر آتی ہے وہ فوراً اُس کے انعکاس پر آمادہ ہوجاتی ہے۔ سب سے پہلے دسمبر نمبر میں ''پیمانہ'' نے سالارجنگ بہادر کی تصویر ایک خاص اور نئے پیرایہ میں شایع کی۔ مگر جنوری کے نیرنگ خیال میں بالکل اُسی نوعیت سے عمرخیام کی ایک خیالی تصویر موجود تھی یہ کثرت اقتباس و تقلید پیمانہ کے لئے موجب نازش و افتخار ہے اور میں اسے اپنی کامیابی کا ایک نتیجۂ متوقعہ سمجھتا ہوں مگر ایک خصوصیت عام ہوجانے کے بعد اُس میں کوئی لذت باقی نہیں رہتی۔ اور مجبوراً پھر تجدید و ترمیم کیطرف مائل ہونا پڑتا ہے۔

جولائی سے یارانِ میکدہ کی بجائے ''زعفران زار'' لکھا گیا تھا۔ مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ اکثر پنجابی جرائد میں یہ عنوان موجود ہے مجبوراً پھر اُسی قدیم عنوان ''یارانِ میکدہ'' کیطرف رجوع کیا جاتا ہے جس میں لفظاً اور معناً پیمانہ کیساتھ ایک نسبت قوی موجود ہے اور جس کے چھین لینے کی شاید کوئی جرأت نہ کریگا۔

جو لوگ پیمانہ کے اختراعاتِ فائقہ کو قابل تقلید و ترویج سمجھتے ہیں، کاش وہ بے تعصب ہوکر اس کا اعتراف بھی کریں کہ تاہراہ صحافت میں ''پیمانہ'' میرِ کارواں اور رہنمائے اوّل ہے۔

(ایڈیٹر)

علیگڑھ جوبلی کے موقع پر جہاں خیموں سے اوس اور زمین سے برودت حملہ آور تھی آپ آفتاب نور کے لئے بجلی کی روشنی میں بقدر بےچین کیوں تھے؟ کیا ہر وہ چیز جسے فطرت سے ایک لطافت اور قسمت سے ایک راحت نصیب ہو۔ مجبور ہے کہ آپ کے فولادار مجسمہ نور میں جذب ہوجائے۔ — نفروالی اکانپور۔

حکمت آثار و زہد کا وہ منظر عریاں، کہ معاذاللہ، شرکتِ شاعرہ کے حیلۂ منظوم میں پنہاں ہوسکتا تھا گر آپ حضرات نے بیاگتی میں جلدی کی تبلیغ، تنظیم، اور خلافت کے عناصر ثلاثہ میں اگر ایک عنصر تخریب کچھ دیر کے لئے شریک ہوجاتا تو تاریکی تاریخی غالباً کبھی غمازی نہ ہوتی کیا ان تین وتوش مبسط نفس پر آپ قابو پاسکتے تھے؟ جو کچھ ہو مظاہرۂ علم و فضل کی تاریخ میں وہ ''بیجلی'' رات لیلۃ القدر کی طرح یاد رہیگی۔

شاعر کا دماغ جب تھک جاتا ہے تو وہ سرود و غنا کی ہم جلیسی سے صرف ذات میں پھر تازہ ہو جاتا ہے۔ مگر .... ایک لیڈر جب خالی الذہن ہوتا ہے تو اُسے آرام کرنے کے لئے ۳۶۰ دن درکار ہوتے ہیں۔ اچھا اب آرام کیجئے۔

میونسپلٹی کے انتخاب میں کامیابی مبارک! مگر آپکو معلوم ہونا چاہئے کہ ووٹروں کے ہنگامے میں عورتوں کی ڈولیاں بھی شریک تھیں۔ کیا اب بھی آپ "نسائیات" سے لرزہ براندام رہینگے۔؟ بہت اچھا۔ زنانہ ووٹ گن کر واپس کر دیجئے۔

آپ بھی کتنے روشن نصیب ہیں کہ شاہراہِ شوق میں موٹر کی آواز پر فضا شمع در دست ہو جاتی ہے۔ جائیے انتظار ہو رہا ہوگا .... ٹھہرئیے ...... ٹھہرئیے۔ سگریٹ کا ڈبہ رہگیا!

والیانِ ریاست کی مجلس میں وہ ہستی بھی کسقدر قابلِ رحم اور معصوم نظر آتی ہے جسے یہ نہ معلوم ہو کہ اس اجتماع کا مقصد نمود لباس و امارت کے علاوہ کچھ اور بھی ہے۔

مجلس موتمرہ اسلامی کے التوائے انعقاد کا اتنا افسوس نہیں، جتنا ملال اس کا ہے کہ آپ کو حج کا ثواب مفت حاصل ہوتے ہوتے رہگیا۔ مگر آپ کے مذہب میں تو حجاز کی ملوکیت کو سننا بھی حج اکبر سے کم نہیں ہے۔ آہ! روئیے نہیں اب کے سال نہی۔ اللہ۔ اللہ!!

کیا کانگریس کمیٹی کے ارباب حل و عقد بتا سکتے ہیں کہ گذشتہ ہنگامۂ الفاظ میں کتنے مسلمان لیڈر شدہ کئے گئے مولانا حسرت پر عدم اعتماد کا احتمال تو اسی لئے ہے تاکہ وہ شدھی کے منکر اور اسلام کے قائل ہے؟

"س"

الہامات

بہ

پیمانہ

جنوری سنہ ۱۹۲۶ء

خلاصۃ الباب

(۱) مولانا وحشتی شاہجہاںپوری
(۲) حضرت آزاد انصاری
(۳) حضرت امیر بدایونی
(۴) پروفیسر محمد اکبر خاں اکبر حیدری
(۵) علامہ سیماب اکبرآبادی

کلام المشاہیر تازہ ترین و غیر مطبوعہ

مولانا وحشتی شاہجہانپوری

کون یارب جلوہ فرما دل کے ویرانہ میں تھا
نالہ نکلا ہے یہ کہکر میں پریخانہ میں تھا

کاروانِ کُن سوئے زندانِ غم لایا مجھے
وہ بھی کیا دن تھے کہ یوسف اپنی کاشانہ میں تھا

بڑھتے بڑھتے کیوں کسی کا دستِ رنگین رُک گیا
کیا دلِ خوں گشتہ کا انداز پیمانہ میں تھا

محو تھا یادِ بتاں میں یہ دلِ کفر آشنا
میں حریمِ کعبہ میں بھی تھا تو بتخانہ میں تھا

چشمِ ساقی تک رہی ہر چیز اپنے حال پر
شہر شیشہ میں وہ عالم تھا نہ پیمانہ میں تھا

اس بنا پر شمع کی جانب سے رُخ پھیر لگیا
میرے شوقِ مضطرب کا رنگ پروانہ میں تھا

جذب کر لیتی ہے مجھکو اپنے اندر ہر فضا
پارسا مسجد میں تھا میں رند میخانہ میں تھا

دیکھئے انجام کیا ہو حسرتِ دیدار کا
ہے وہی ذوقِ تپش مجھ میں جو پروانہ میں تھا

مرحبا اے ناوکِ دلدوزِ قاتل مرحبا
اک یہی عنوان باقی میرے افسانہ میں تھا

ایک انگڑائی میں زنجیرِ عناصر توڑ دی
کس بلا کا جوشِ وحشت تیرے دیوانہ میں تھا

دل کے مخفی جوہر دل سے تو ہی بے پروا رہا
ورنہ اے وحشتی یہاں خرمن ہر اک دانہ میں تھا

حضرت آزاد انصاری

نہ وہ ہم ہیں نہ وہ دل ہے نہ حسرت ہے نہ ارماں ہے
دفورِ نامرادی سے ہجومِ یاس و حرماں ہے

امنگیں ہیں سو افسردہ طبیعت ہے سو پژمردہ
نہ دلچسپی کی صورت ہے نہ خوشوقتی کا ساماں ہے

کبھی جو دل نویدِ وصل سے مسرور رہتا تھا
وہ اب تقدیر سے پامالِ کلفتہائے ہجراں ہے

کبھی جو دل زمانے کے ستم بیخوف سہتا تھا
وہ اب انجامِ الفت کے تصور سے ہراساں ہے

کبھی جس دل کو دنیا بھر کا اطمینان حاصل تھا
وہ اب تیری عنایتہائے پیہم سے پریشاں ہے

کبھی جو دل تری چشمِ کرم کا تجھسے سائل تھا
وہ اب ہر حال میں تیری توجہ سے پشیماں ہے

اگر کہئے تو کس سے دردِ دل کی داستاں کہئے
ہماری کون سنتا ہے۔ ہمارا کون پرساں ہے

سمجھ لیجے کہ لب تک شکوہ بیداد آپہنچا
نہ یارائے تحمل ہے نہ تاب ضبط پنہاں ہے

کبھی فکر جفا کرنا، کبھی غفلت روا رکھنا
یہ کیا چشم عنایت ہے یہ کیا لطف فراواں ہے

سر تسلیم خم ہے۔ جو مناسب ہو وہ جائز رکھ
ستم بھی تجھ کو پھبتا ہے۔ کرم بھی تیری شایاں ہے

ہجوم شوق پر بیچارگی کے طلسم سہتا ہوں
نہ ضبط راز ممکن ہے نہ عرض حال آساں ہے

وہ حالت ہے کہ راحت ہو مصیبت ہو برابر ہے
وہ وحشت ہے کہ صحن باغ ہو جنگل ہو یکساں ہے

ہمیں جب دیکھو۔ انجام رہائی سوچکر رونا
نہ کچھ رنج اسیری ہے نہ کچھ تکلیف زنداں ہے

خدا جانے قفس کی سختیاں کب راس آئینگی
وہی یاد نشیمن ہے وہی خبط گلستاں ہے

تباہی سے نجات اے اہل کشتی ہو تو کیونکر ہو
وہی زور تلاطم ہے۔ وہی طغیان طوفاں ہے

الٰہی ناخدا کو رحم کی ہمت عطا فرما
مرے بیڑے کے بیڑے کو ڈبو دینے میں کوشاں ہے

ہنوز آزاد کی حالت بشرح صدر پاتا ہوں
وہی افکار دنیا ہیں۔ وہی حال پریشاں ہے

حضرت امیر بدایونی

بے نکہتی چمن میں ہے مایگی قضا میں
کمیت جنوں ہے کیفیت ہوا میں

ٹھہرا حجاب ظاہر سرمایۂ نمائش
جز پردہ اور کیا ہے آئینہ کے قفا میں

تسکین جلوہ کیوں ہو رسوائے بے ثباتی
تاب نگاہ کب تھی صبر گریز پا میں

ظاہر تھا روز بد سے انجام نامرادی
پایان انتہا تھی آغاز ابتدا میں

تحصیل رائیگاں تھی تدبیر چارہ سازی
ذوق سکوں کہاں تھا درد دل آشنا میں

کیوں ہو نگاہ گلشن مصروف سینہ کاوی
صد غنچہ جگر ہیں ہر اشک بے نوا میں

گردشت غم فزا ہو جوش تپش سے کیا ہو
پائے جنوں بندھا ہے سر رشتۂ قضا میں

آذر نگاہیوں نے کھویا امیر یاں تک
مشق صنم پرستی کرتے ہیں کالکا میں

پروفیسر اکبر خاں اکبر حیدری

کبھی آرائش گیسو سے فرصت ہو اگر تم کو
نہ آئینہ نظر آئے اگر پیش نظر تم کو

اگر رہ جاؤ تنہا تم کسی خلوت کی محفل میں
اگر کچھ گدگدائے کاہش درد جگر تم کو

اگر اک میٹھا میٹھا درد سا محسوس ہو دل میں
اگر بے کیف سے معلوم ہوں شام و سحر تم کو

اگر ہر آہ ہو دل کی صدائے اضطراب انگیز
اگر ہر سانس دیتی ہو پیامِ نیشتر تم کو

اگر آنکھوں سے اشکِ خون نکل آئے حجاب آمیز
اگر دامن کے پہلو میں نظر آئے جگر تم کو

اگر دنیا و مافیہا کبھی ہو طاقِ نسیاں میں
اگر بیخود بنا دے لذتِ ذوقِ نظر تم کو

فریبِ حسن سو جائے اگر آغوشِ ارماں میں
سکونِ مضطرب میں کچھ نظر آئے اگر تم کو

اگر معصومیت آمادۂ اظہار ہو جائے
تحیر سے اگر دیکھیں کبھی دیوار و در تم کو

اگر احساسِ روحانی کبھی بیدار ہو جائے
اگر درسِ عبودیت پڑھائے چشمِ تر تم کو

تو اتنا جان لینا تم کہ آغوشِ محبت میں
کوئی شے ہے کہ تم کو کھینچتی ہے اپنی قسمت میں

علامہ سیماب اکبرآبادی

میں نے جب اسکو ستمگاری کے قابل کر دیا
سب سے پہلے اُسنے میرے دل کو بسمل کر دیا

چھین لینا شوق نے نظروں کو مشکل کر دیا
کیوں ہم آغوشِ چراغِ دورِ ساحل کر دیا

غم میں اُلجھا کر مرا مرنا بھی مشکل کر دیا
مختصر سی راہ کو قسمت نے منزل کر دیا

باعثِ ہنگامۂ دنیا سے باطل کر دیا
کس قیامت کو مرے اللہ نے دل کر دیا

جسم کو آسودۂ سرحدِ منزل کر دیا
میں نے پہلے روحِ واماندہ کو راحل کر دیا

زندگی کو موت بن جانے کے قابل کر دیا
ختم آخر اس فسانے کو بہ مشکل کر دیا

ہر ادا کو چھیڑ کر ندرت پہ مائل کر دیا
حسن کو تنقیصِ اجزائی نے کامل کر دیا

جس جگہ سے رہروانِ عشق تھک کر رہ گئے
قیس کا اعلان کیوں منزل بہ منزل کر دیا

شکوہ ہے اے انقلابِ دہر ترکِ عشق پر
ایک دعویٰ تھا اُسے بھی تو نے باطل کر دیا

اے زہے رحمت کہ جب ہر در سے محرومی ہوئی
اشک ہی کو زینتِ دامانِ ساحل کر دیا

جب کوئی مرسل نہ آیا غمستانِ عشق میں
اک صحیفہ اُسنے میرے دل پہ نازل کر دیا

رونقی آراستہ بزمِ تصورات کو
صبح تک تاراج سب سامانِ محفل کر دیا

سو گئے سیماب اہلِ بزم شمعیں بجھ گئیں
ختم ہم نے ماجرائے حسرتِ دل کر دیا

خوبصورت اور پائدار گھڑیوں کا چالان آگیا

زنانہ چوڑی دار سنہری رسٹ واچ
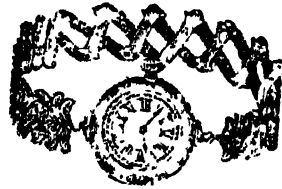
اس سنہری چوڑیدار گھڑی

کو معزز گھرانوں کی بیگمات میں کام

کی چیز اور خوبصورتی کا زیور

سمجھکر کلائی پر باندھتی ہیں۔

گھڑی اپنی خوبصورتی اور

پائیداری میں یکتا ہے۔ گارنٹی ۷ سال قیمت فی عدد نو روپے

چار آنے محصول علاوہ۔

افغان سنہری رسٹ واچ

یہ گھڑی بالکل نئے فیشن کی ہے اور اس کی کیس

اصلی رولڈ گولڈ کی بنی ہوئی ہے۔ خوبصورتی

اور پائیداری میں یکتا ہے۔ اگر پسند نہ

آئے تو واپس کردیں۔ گارنٹی ۶ سال قیمت صرف نو روپے آٹھ آنے

محصول علاوہ۔

نوٹ:۔ یہ گھڑیاں خوبصورت اور پائیدار ہیں بہت سستی قیمت کی گھڑیوں سے بچنا چاہئے۔ آپ کو اپنے لئے اور اپنی چہیتی بیوی کے لئے ایک گھڑی یا اپنے کسی عزیز کے لئے طلب کرنی چاہئے۔ **نیز** ہمارے ہاں سے اصلی ریشمی مشہدی لنگی رنگ سیاہ اور ہر رنگ ٹسری صافہ جات بحساب ۱۳ ر فی گز اور مخملی کلاہ زریں استرادار فی عدد دو روپے مل سکتے ہیں۔ مال انشاء اللہ حسب پسند ارسال کیا جاویگا۔ ناپسند ہو تو واپس کردیں۔

ملنے کا پتہ:۔ **سید عباس علیشاہ احسان اینڈ کمپنی سوداگران لودھیانہ (پنجاب)**

اشتہاروں کا اثر کیوں نہیں ہوتا

تاجرانہ اشتہارات اکثر اُن اخباروں اور رسالوں میں شائع کئے جاتے ہیں جن میں اشتہاروں کا ایک حشر برپا ہوتا ہے۔ اور پڑھنے والوں کو پڑھنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ اشتہار کا اثر صرف اسیوقت ہوسکتا ہے جبکہ واضح طور پر لکھا جائے اور اُس کے پہلو میں دوسرے اشتہار دبکی بیٹھ نہو۔ یہی راز ہے کہ اشتہار کامیاب نہیں ہوتے۔

”پیمانہ“ میں اشتہارات کم ہوتے ہیں۔ صرف اسلئے کہ ہم خاص خاص اور معتبر اشتہارات خاص قیمتوں پر اچھے اہتمام سے شائع کرتے ہیں۔ کم سرمایہ اور معمولی اشتہار باز ہمارے رسالہ میں اشتہار نہیں چھپوا سکتے۔ ہم دو چار روپیہ لیکر صرف دو چار کاپیوں میں اشتہار نہیں نکا دیتے۔

پیمانہ میں اشتہار کی پوری قیمت لی جاتی ہے اور اسے پوری قوت سے پُراثر بنانے کی کوشش کیجاتی ہے۔ پیمانہ ہر مہینے ڈیڑہ ہزار چھپتا ہے جسے کم از کم چھ ہزار تعلیم یافتہ مرد، عورتیں اور بچے پڑھتے ہیں۔ پیمانہ کا فائل ہمیشہ اور ہر جگہ محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اور اسطرح اشتہار کی عمر کئی سو سال کی ہوتی ہے۔ اُجرت اشتہار میں رعایت نہیں ہوسکتی۔ پھر بھی اگر آپ کا سامان یا دوائیں منبع ہے تو ایک مرتبہ آپ اشتہار دیکر پیمانہ کے حلقہ اثر کا امتحان کیجئے۔

مینجر پیمانہ آگرہ

اگر آپ عدیم الفرصت ہیں

اور

پ کو کوئی غزل، نظم، فسانہ، ناول، قطعۂ تاریخ، قصیدہ، مضمون، یا کتاب درکار ہے۔ یا کسی چیز پر اصلاح لینی مقصود ہے تو پہلی فرصت

"دار الترجمہ و دار الاصلاح۔ اگرہ"

آج ہی

ایک خط لکھ دیجیے۔ تعمیل ارشاد فوراً کی جائیگی اور مدتِ مقررہ کے اندر اندر شئے مطلوبہ آپ تک پہنچ جائے گی۔ دفتر "پیمانہ" کا یہ شعبہ

ی سال سے ملک کی خدمت انجام دے رہا ہے اور اسے ملک میں بہترین اعتماد و اعتبار حاصل ہے۔ تمام خطوط "بصیغۂ راز" رکھے

جاتے ہیں اور تعمیلی کاغذات کے ساتھ بجنسہٖ واپس کردیے جاتے ہیں۔

شرائطِ کار ایک آنہ کا ٹکٹ بھیجکر مفت طلب فرمائیے۔

"معتمد دار الترجمہ و دار الاصلاح قصر الادب اگرہ"

پیمانہ بک ڈپو اگرہ کی خاص کتابیں

شبابیات۔ موضوع شباب پر چونسٹھ حسین رباعیوں کا بے مثل مجموعہ۔ اثر حضرت ساغر نظامی قیمت آٹھ آنے

نیستان۔ پچاس سے زیادہ ادبی، مذہبی اور تصوف میں ڈوبی ہوئی نظمیں اثر مولانا سیماب اکبرآبادی قیمت دو روپیہ۔

رازِ عروض۔ شاعری کے ابتدائی قاعدے اور بحروں کا بیان اثر مولانا سیماب اکبرآبادی قیمت چار آنے۔

روحِ نظیر۔ میاں نظیر اکبرآبادی کا منتخب کلام۔ مع تبصرہ و مقدمہ اثر جناب سید محمد محمود محمور بی۔ اے قیمت دو روپیہ چار آنے۔

زنانہ بستہ۔ کمسن لڑکیوں کی ابتدائی تعلیم کے لئے بہترین مکمل نصاب۔ اثر مولانا سیماب اکبرآبادی قیمت ایک روپیہ چار آنہ۔ مندرجہ بالا کتابوں کا محصول ہر حالت میں ذمہ خریدار ہوگا

"پیمانہ" بک ڈپو آگرہ سے طلب فرمائیے

(۹۰۰)

(جناب سیماب صدیقی الواسق اکبرآبادی نے آگرہ اخبار پریس آگرہ میں چھپوا کر دفتر پیمانہ منڈی حجام آگرہ سے شائع کیا)

قصر الادب (آگرہ) کی فضائے درخشاں سے

ایک نئے ادبی ماہانہ رسالہ

کا

ثریا

اجراء

بہ دورِ ادارت

منظر صدیقی سیمابی اکبرآبادی

(پہلا نمبر یکم مارچ سنہ ۱۹۲۶ء کو شایع ہو جائے گا)

اُن تمام حالات و اسباب پر غور کرتے ہوئے جو ترقیِ زبان اُردو کے لئے ضروری و لازمی ہیں، اور اُن تمام دلچسپیوں اور ندرتوں پر نظر رکھتے ہوئے جو ملک کے عام طبقوں میں مقبول ہیں۔ نیز اُن اربابِ ذوق کی اقتصادی مشکلات کا اندازہ کرتے ہوئے جو ادبی رسائل کی پذیرائی میں زیادہ روپیہ صرف نہیں کر سکتے دفتر "پیمانہ" سے اس رسالہ کا اجراء زیرِ عمل ہے۔

"ثریا" کی زبان بالکل عام فہم اور سلیس ہوگی جسے ہر طبقہ کے ناظرین سمجھ سکیں۔

"ثریا" خالص ادبی رسالہ ہوگا۔ جسے مفید اور دلچسپ مضامین سے چمکایا جائیگا۔

"ثریا" میں ہر شخص کا کلام نظم و نثر شائع ہو سکیگا، بشرطیکہ وہ اُس کا خریدار ہو۔

"ثریا" "زبانِ اردو" کی تعمیر کے لئے اساسی سامان لیکر نکلے گا، اسلئے وہ طلباء کے لئے ایک ایسی شاہراہ تیار کر سکیگا جو انہیں رفتہ رفتہ ترقیِ زبان اور کمالِ ادب کے آسمانوں تک پہنچا دے۔

"ثریا" میں وہ تمام باتیں موجود ہونگی جو ایک ادبی رسالہ میں آپ دیکھنا چاہتے ہیں۔

"ثریا" کے مضمون نگاروں کو ہر مہینے انعام تقسیم کئے جائیں گے تاکہ کم مشق لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی ہو اور وہ بہتر سے بہتر مضامین لکھ سکیں۔

"ثریا" میں ہر مہینے ایک مصرع مطرحہ پر مقابلۃً صرف پانچ اشعار بقید قوافی شعرا سے لکھوائے جائیں گے تاکہ عام قوتِ مقابلہ پیدا ہو۔ اور زورِ طبیعت کا ایک معتبر مظاہرہ ہو سکے

"ثریا" ہندوستان کے پانچسو اہل الرائے حضرات سے مشورہ کرنے کے بعد جاری کیا گیا ہے اور تمام مشوروں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

حجم تین جزو تقطیع ۲۲×۱۸ قیمت سالانہ صرف دو روپیہ مع محصول۔

"پیمانہ" کے خریدار اگر "ثریا" کے خریدار بھی ہونا چاہیں تو اُن سے زرِ سالانہ صرف ۱۲/ مع محصول لئے جائیں گے۔ ۲ کے ٹکٹ بھیج کر نمونہ طلب فرمایئے اسلئے کہ نمونہ سب کو مفت نہیں بھیجا جا سکتا۔ جو حضرات "ثریا" کا زرِ سالانہ ۲۸ فروری تک ذریعہ منی آرڈر بھیجنا چاہیں وہ ۱۲/ بھیج سکتے ہیں یکم مارچ کے بعد عہ (دو روپیہ)

مینجر رسالہ "ثریا" قصر الادب آگرہ

نگارخانۂ "ارضِ تاج" کا نقشِ مصوّر

زیرِ نظر

ساغر نظامی سیمابی (علیگ)

پیمانہ مقاصد

(۱) پیمانہ کے اجرا کا مقصد اولین یہ ہے کہ "اردو" تقلید اور قدامت کے عمیق غاروں سے ابھرے اور ملک میں اجتہاد و اختراع کا جذبہ پیدا ہو۔

(۲) پیمانہ اپنے صفحات پر جدت اور ندرت کے نقوش نمایاں کرنا چاہتا ہے تاکہ "مغربیات" کا سحر ادب "مشرقیات" کے طلسم کمال سے باطل ہو جائے اور شیلے، شیکسپیر، ورڈز ورتھ، کارلائل یہ سب ہندوستان میں زندہ نظر آنے لگیں۔

(۳) تاریخ کے وہ کتبے کھود کر نکالے جائیں جنھیں امتداد نے دفن کر دیا ہے اور جن کے پیش نظر نہ ہونے سے تاریخ عالم میں ایک متعصب بے جائیت پیدا ہو گئی ہے۔

(۴) تنقید کا وہ رنگ اختیار کیا جائے جو رعایت اور تجارت کی صدود سے متجاوز نہ ہو اور جسکے ذریعہ کسی چیز کی حقیقت باعتبار حسن و قبح صحیح طور پر منکشف ہو سکے۔

(۵) نظم اردو کے وہ نمونے پیش کئے جائیں جو ادب میں اضافہ خیز اور دنیائے شاعری میں ناقابل اعتراض ہوں۔ جن سے اخلاق، تمدن، تربیت اور تدبیر منزل میں تہذیب کی سہولتیں حاصل ہو جائیں۔

(۶) فسانے اس نوعیت کے شائع کئے جائیں جو موجودہ نوخیز نسلوں کو مستقبل قریب کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار کر دیں اور جنمیں محض حسن و عشق کے اسباق تضیع اوقات کا باعث نہ ہوں۔

(۷) عورتوں کو اجازت دیجائے کہ وہ اپنے خیالات و مطالب کا اظہار خود اپنے قلم سے آزادانہ کر سکیں تاکہ قوم کے اس جزو لاینفک کے احساس واقعی سے قوم لاعلم نہ رہ جائے۔

نظام اشاعت

(۱) پیمانہ ہر ماہ عیسوی کی آخری تاریخوں میں جبکہ سی روزہ کاوشوں سے دل اور دماغ واماندہ و بے کیف ہو جاتے ہیں شراب سرور اور روح تازہ لیکر با تصویر شائع ہوتا ہے۔

(۲) سالانہ قیمت [illegible] ششماہی [illegible] علاوہ محصول [illegible] ہے نمونہ کی قیمت [illegible] ہے جسکا جلوہ کبھی "مفت نظر" نہیں ہوتا اور ذوق تماشا کی ایسی کوشش نتیجتاً ناکامیاب رہتی ہے۔

(۳) جو صاحب [illegible] سال قیمت میں اضافہ منظور کرینگے انکی خدمت میں رسالہ [illegible] "حاضر" ہوگا۔

(۴) جواب طلب خطوط کیساتھ ٹکٹ اور قیمت ذریعہ منی آرڈر ارسال فرمایئے۔

مینیجر پیمانہ آگرہ

نرخ نامہ اشتہارات

تعداد طبع	ایک صفحہ	نصف صفحہ	چوتھائی صفحہ
بارہ مرتبہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]
چھ مرتبہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]

تعداد طبع	ایک صفحہ	نصف صفحہ	چوتھائی صفحہ	فحش اور شرمناک
تین مرتبہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]	اشتہارات پیمانہ میں شائع نہ ہو سکیں گے
ایک مرتبہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]	

اشتہار کے ساتھ ہی قیمت بذریعہ منی آرڈر وصول ہونی چاہئے۔ ورنہ اشتہار درج نہ ہوگا۔ مینیجر رسالہ "پیمانہ" آگرہ

میرا پیام لے جا

The Photo Art Press, Lahore.

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۲۴۰

۷۸۶

قیمت سالانہ مع محصول ۵ روپے | صفحہ تعارف | قیمت ششماہی مع محصول ۳ روپے

جلد (۵) پیمانہ فروری ۱۹۲۶ء نمبر (۲)

تصویر ـــــ میرا پیام لے جا

جرعات

کاتب اور پریس کی مشکلات ہماری طرح اکثر معاصرین کیلئے تکلیف دہ ہین، مگر خدا کا شکر ہے کہ پیمانہ کیلئے ایک مستقل کاتب کے تقرر مین ہم کامیاب ہوگئے اور کوشش کیجارہی ہے کہ آیندہ رسالہ وقت پر نہین بلکہ وقت سے بھی کچھ پہلے شائع کیا جائے جن حضرات کو تاخیر اشاعت کی شکایت ہے انہین مطمئن رہنا چاہئے کہ ہم احساس تاخیر سے مستغنی نہین ہین - فروری نمبر بھی بہت تاخیر سے شایع ہو رہا ہے - مگر مارچ نمبر انشاء اللہ صحیح تاریخون پر شائع ہوگا -

---

پیمانہ کے متعلق حصول آراء کے لئے کامہینے سخت انتظار کیا - لیکن ۱۱۸۴ خریدارون مین سے صرف ۱۱ رائین اسوقت تک موصول ہوئین، جنمین سے صرف ایک خط توہم کش اور صائب الرائے ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خریداران "پیمانہ" پیمانہ کی موجودہ روش و ترتیب سے مطمئن ہین اور پیمانہ کی موجودہ تنظیم کسی خاص تغیر و ترمیم کی محتاج نہین ہے -

---

بعض رسائل ہر سال ایک مہینہ کی تعطیل لیکر ایک رسالہ غائب کر دیتے ہین، اور اسطرح اگر وہ اثنائے سال مین کبھی کوئی خاص اہتمام کرتے ہین تو اسکا نقصان اسطرح پورا کر لیا جاتا ہے - مگر پیمانہ نے کبھی ایک بار بھی اعلان تعطیل نہین کیا - دسمبر مین متعدد تصاویر شائع کرنے پر بھی اُسے کچھ ناز نہین ہے - اور اپنی سلامت روی کو نباہنے کی کوششون مین ہر لمحہ منہمک ہے - اسکی وجہ صرف یہی ہے کہ **پیمانہ** اپنے بعض معاصرین کی طرح تجارتی خطوط سے بالاتر ہے اور خدمت ادب اسکا واحد مطمح نظر ہے، جسے وہ کسی طرح بدل نہین سکتا -

---

ناظرین "پیمانہ" نے "بیت الاعانت" کے متعلق ابتک توجہ نہین فرمائی - مین اب بھی اس خصوص مین اُن کے التفات کا منتظر ہون -

---

پیمانہ کے گذشتہ نمبر دفتر مین بہت کم موجود ہین - لیکن پیمانہ کی ایجنسیان، بعض مکرم احباب کی توجہ و عنایت سے دہلی - لاہور - کراچی - پونہ - بار - حیدرآباد اور رنگون مین قایم ہوچکی ہین - مقامی حضرات مقامی ایجنٹون سے گذشتہ نمبر فراہم کرسکتے ہین -

---

ساغر نظامی

ادبیات

پیمانہ

فروری سنہ ۱۹۲۶ء

خلاصۃ الباب

ہیئت اجتماعی کی عالمگیر تخریب!

دنیا کا مشہور ترین قمار خانہ

مونٹ کارلو

قماربازی موجودہ تمدن کی ایک عظیم الشان مصیبت ہے جس سے دنیا کا کوئی ملک خالی نہیں۔ دنیا کی قدیم ترین تاریخ میں بھی انسان کا قمارباز ہونا پایا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عادت قدیم زمانہ سے انسان میں چلی آتی ہے۔ قمار کا باعث صرف طمع اور کسب دولت کی خواہش ہے۔ اسوجہہ سے بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مقامرت انسان میں ایک فطری چیز ہے اور وہ انسان کے ہر قول وفعل میں پائی جاتی ہے اور یہ ضروری ہے کہ ہم قمار صرف اوسی کھیل کا نام رکھیں جو بساط قمار کے گرد کھیلا جاتا ہے کیونکہ اکثر اپنے اقوال وافعال سے بھی اکثر دوسرے کا مال اسیطرح بغیر تعب ومشقت کے حاصل کرلیتا ہے۔ جسطرح قماربازی سے قبضہ کرلیتا ہے۔

قماربازی کی تائید کرنے والی جماعت اُسے ایک جائز فعل سمجھتی ہے اوسکے نزدیک قماربازی سے کوئی اقتصادی یا اجتماعی مضرت پیدا نہیں ہوتی اسلئے کہ یہ بھی بطور دوسرے مکاسب کے حصول دولت اور کسب ثروت کا ایک ذریعہ ہے اور جب کہ کسی شخص کو مقامرت پر مجبور نہیں کیا جاتا بلکہ خود قمارباز بخوشی بساط قمار پر نہایت شوق ورغبت سے بیٹھتا ہے اسلئے کسی شخص یا کسی نظام کو انسان کے اس فطری حق آزادی سے اوسے روکنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ کیونکہ انسان اپنے مرغوب اور دلچسپ مطالب کے حصول میں بالکل آزاد ہے۔ بشرطیکہ اوسکا فعل اجتماعی نظام میں خلل انداز نہو۔

ہم مقامرت کے متعلق اپنی رائے اوسوقت تک محفوظ رکھنا چاہتے ہیں۔ جب تک دنیا کے مشہور ترین قمارخانہ کا تفصیلی حال پیش نہ کرلیں۔ اسکے بعد اس دعوے کے ثابت کرنے کی کوشش کرینگے کہ اگر مقامرت کو بالکل آزاد کردیا جائے تو انسان کے اجتماعِ عمران وتمدن کا شیرازہ کس قدر جلد تباہ وبرباد ہوسکتا ہے۔

اُنیسوین صدی کی ابتدا میں پیرس دنیا کے مشہور ترین قمارخانون کا مرکز تھا اور اوسی زمانہ میں وہاں کے سب سے مشہور قمارخانہ کا نام فرسیکاٹی تہا۔ جہان فرانس کے بڑے بڑے صاحبِ ثروت اور متمول اشخاص جوا کھیلتے تھے۔ اور غیر ممالک سے بھی دولتمند لوگ دولت کمانے یا برباد کرنے کے لئے آیا کرتے تھے۔ کھیل کیلئے فرانسیسی حکومت سے خاص اجازت نامہ حاصل کرنا پڑتا تہا۔

فرلیسکانی کی آمدنی اس قدر کثرت سے تھی کہ حکومت نے اُسپر جو ٹیکس عائد کیا تھا۔ وہ تمام تھیٹروں۔ موسیقی اور فنون جمیلہ کی مجالس پر صرف کیا جاتا تھا۔ اور ان کے مصارف کیلئے بالکل کافی تھا۔ ۱۸۲۵ء میں اس قمارخانہ نے حکومت کو نوے لاکھ فرانک ٹیکس ادا کیا تھا۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ جب ٹیکس کی یہ مقدار تھی تو کل آمدنی کی کیا رقم ہوگی۔

۱۸۳۹ء میں حکومت نے تمام قمارخانوں کے بند کئے جانے کا حکم صادر کیا۔ موسیو بنازیٹ فرلیسکانی کا منیجر تھا۔ اُس نے حکومت جرمنی سے اجازت لیکر اپنا قمارخانہ شہر **بادن** میں منتقل کیا جو جرمنی کی حدود میں واقع ہے۔ موسیو بنازیٹ کی اتباع دوسرے قماربازوں نے بھی شروع کی، اور باآن۔ ویزبادن۔ ایمز۔ ہومبرگ۔ توہیم اور بیرموٹ میں قمارخانے قایم ہوئے۔ لیکن جب بسمارک کا زمانہ آیا تو اوسنے تمام قمارخانے بند کرادئے۔ اسوقت جرمنی میں سب سے بڑے قمارخانے ہومبرگ اور ویزبادن میں تھے۔ جہاں دولتمند لاکھوں کی دولت کماتے اور ہارتے تھے۔

۱۸۶۰ء میں موسیو بلانک اور اوسکے بھائی نے ایک قمارخانہ **موکالو** میں اور دوسرا **مونٹ کارلو** میں قایم کیا اور ان دونوں نے اُن مجالس قمارخانہ کے ساتھ مقابلہ (........) شروع کر دیا۔ جن کو دوسال قبل ایک دوسری کمپنی نے **کونڈا** میں قایم کیا تھا، جب موسیو بلانک اور اوسکے بھائی کو کامیابی کے آثار نظر آئے تو انھوں نے **مونٹ کارلو** میں موجودہ قمارخانہ **کازینو** کے بنانے کا عزم کیا، اور آخر انھوں نے اپنے ارادے کو عملی صورت میں دنیائی قماربازی کے سامنے پیش کیا، جو بہ لحاظ فن تعمیر، حیرت انگیز زیب و زینت، اور نظروں کو خیرہ کرنیوالی آرائش کے دنیا میں ایک عدیم المثال عمارت ہے۔ موسیو بلانک اور اوسکے بھائی نے وہاں **رولیٹ** اور اسود احمر کا کھیل شروع کیا۔

اسکے بعد کازینو ایک انگریزی کمپنی کے ہاتھ آیا جس نے امیر موناکو کے ساتھ ایک معاہدہ کر لیا، جسکی مدت یکم اپریل ۱۹۴۳ء کو ختم ہوگی۔ اس کمپنی کی وسعت آمدنی کا اندازہ آپ اس سے کر سکتے ہیں کہ اسکے ملازمین کی تعداد دو ہزار ہے، اور صرف قمارخانہ کے باغ پر تیس ہزار پونڈ اور موسیقی بجانے والی جماعت پر دس ہزار پونڈ سالانہ صرف ہوتے ہیں۔ اسکے علاوہ رعایا کے تمام ٹیکس کا بار بھی قمارخانہ پر ہے۔ اشغال عمومی (پبلک ورکس) راستوں، سڑکوں کی درستی، مدارس، کنائس اور باغات کا صرف، پولیس کی تنخواہیں جو قمارخانہ پر متعین ہیں یہ سب کازینو کے ذمہ ہے۔ اسی طرح ہر قسم جمعیات خیریہ (یتیم خانہ اور ہسپتال وغیرہ) کو بھی معقول چندہ اس قمارخانہ کی طرف سے دیا جاتا ہے۔ یہانتک کہ مونٹ کارلو کے باشندے کسی قسم کے ٹیکس یا چندے کا نام بھی نہیں جانتے کیونکہ ان سب باتوں کا کفیل صرف قمارخانہ ہے۔ حکومت کا اگر انکی طرف کوئی مطالبہ ہے تو وہ صرف نظام اور امن عام۔ لیکن انھیں کازینو میں جانے کی اجازت سال میں صرف ایک مرتبہ ہے، اور وہ امیر موناکو کی سالگرہ کے دن۔

کازینو کے عظیم ترین مکاسب اور اُسکی لامحدود آمدنی کا اندازہ (جب سے کہ وہ انگریزی کمپنی کے ہاتھ میں آیا ہے) اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ اُسکے پانسو فرنک والے حصہ کی قیمت اسوقت چار ہزار چار سو ستر فرنک تک پہونچگئی ہے اور اکثر ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ جو کھیلنے والا دس ہزار سے بیس ہزار پونڈ روزانہ جیت لیتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک امریکن نوجوان نے ۱۹۰۸ء میں ایک دن میں بیس ہزار پونڈ جیتے تھے اور مسٹر ویلس انگریز نے دو دن کے اندر پچاس ہزار پونڈ حاصل کئے تھے۔ لیکن ان سب سے زیادہ مسٹر سام لوئی کی کامیابی ہے جسکی مثال قمار کی تاریخ میں نہیں ملسکتی، اس شخص نے ایک تاریخ میں پچاس ہزار پونڈ سے زیادہ دولت قماربازی میں کمائی تھی، یہ واقعہ ۱۹۰۰ء کا ہے۔

مونٹ کارلو کے متعلق زیادہ تر لوگوں کو یہی معلوم ہے کہ وہ دنیا کا عظیم ترین قمار خانہ ہے جہاں علی الاعلان جوا کھیلا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مونٹ کارلو میں داخل ہوکر جب کوئی شخص اسکے حسین مناظر، فن تعمیر اور باغبانی کے انتہائی کمال کو دیکھتا ہے تو بابل کے فردوس معلق کا افسانہ بالکل فراموش کر دیتا ہے۔

مونٹ کارلو کے احاطہ .... میں جو باغات ہیں جب انسان انکی سیر کے لئے نکلتا ہے تو جمال فطرت اور کمال صنعت کا نظارہ اسے اسقدر مسحور بنا دیتا ہے کہ وہ اپنے کو بجائے عالم حقیقت اور مشہود کے دنیائے وہم وخیال میں سمجھنے لگتا ہے۔ مختلف الالوان پھولوں کے تختے، انسان کے انتہائی وسعتِ کمال کی بنائی ہوئی تفریح گاہیں، لطیف اور معطر راستے، سنگ مرمر کے عجیب وغریب حوض اور عطریت سے معمور فضائیں۔ انسان کے لطیف احساسات اور عشق ومحبت کے جذبات کو اس درجہ متاثر کرتی ہیں کہ انتہائی ٹھوس اور غیرحساس طبیعتیں بھی ایک مرتبہ کہربائی اہتزاز سے جھومنے لگتی ہیں۔ ان باغات کی حسن ولطافت کے متعلق اسلئے تعجب نہ کرنا چاہئے کہ انکی آرائش پر قمارخانہ تیس ہزار پونڈ سالانہ صرف کرتا ہے۔

کازینو کی عمارت بھی اپنے حسن وجمال، کمال فن کے لحاظ سے کچھ کم نہیں ہے اور اسکے فلک بوس گنبد، زریں قبّے، نقش ونگار سے آراستہ دیواریں۔ نظر کو خیرہ کرنے کے لئے کافی ہیں، بظاہر کازینو ایک قمارخانہ ہے۔ مگر حقیقت میں وہاں تمام مسائل تفریح اور لہو ولعب بدرجۂ کمال پائے جاتے ہیں۔ یہانتک کہ وہاں پرندوں کی شکارگاہ بھی ہے۔ اور جو شخص شکار میں کامیاب ہوتا ہے اوسی بھی ایک معقول انعام دیا جاتا ہے۔ اسکے احاطہ میں ایک تھیٹر بھی ہے۔ جہاں فرانس اور اٹلی کی حسین ترین لڑکیاں اسطرح ایکٹ کرتی ہیں کہ انسانیت کا چہرہ شرم سے سرخ ہو جاتا ہے مگر ایسی قوم کو کچھ شرم نہیں آتی جو خود شرم وحیا کو ایک بیہودہ رسم خیال کرتی ہے۔

موسیقی والی جماعت نہایت مشہور اہل فن کے انہیں افراد سے مرکب ہے، جن میں مرد اور انکو بہاہ کرنیوالی عورتیں یکساں شامل ہیں، اور اس پر قمارخانہ دس ہزار پونڈ سالانہ خرچ کرتا ہے۔

اسیطرح رقاصہ جماعتوں کا حیاسوز رقص اور ان کے مؤثر مجسموں کا برقی سرعت کیساتھ متحرک ہونا بھی انسان کو عالم مادیات سے عالم خیال کی طرف لیجاتا ہے۔

لہو ولعب اور سیر وتفریح کی ان تمام مجالس میں شرکت بالکل مفت رکھی گئی ہے جسمیں مصلحت یہ ہے کہ ایسی مجلسوں میں شریک ہوکر انسان کے جذبات تفریح اور .... میں ہیجان پیدا ہوتا ہے اور وہ اس سے متاثر ہو کر قماربازی پر مجبور ہو جاتا ہے جس سے چند منٹ میں یا تو وہ لاکھوں کا مالک ہو جاتا ہے۔ یا لاکھوں روپیہ کھو کر کازینو کے

احاطہ سے اس حال میں نکلتا ہے کہ ساری دنیا اسکی نظر میں تاریک ہو جاتی ہے اور اپنے اوپر لعنت کرتا ہوا گھر واپس جاتا ہے۔

کازینو میں ایک وسیع دار المطالعہ بھی ہے۔ جہاں دنیا کے تمام بہترین اخبارات اور رسائل جمع ہوتی ہیں۔ اور دنیا کی تازہ ترین برقیات وہاں پہونچتی رہتی ہیں۔ مگر وہاں دنیا کی خبروں اور قوموں کی سیاست کو کیا اہمیت دیجا سکتی ہے۔ جبکہ اس احاطہ میں صرف چمکتے ہوئے سونے کی حکومت ہے۔

قمار خانہ کے مخصوص قواعد ہیں جنکی پابندی ہر داخل ہونے والے پر لازمی ہے۔ داخل ہونے سے پہلے سکریٹری کی دفتر سے اجازت نامہ حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ جسمیں اوس شخص کا نام اور محل اقامت کا پتہ لکھنا ضروری ہے۔

جو لوگ مونٹ کارلو کے قمار خانہ میں محض سیر و تفریح کیلئے آتے ہیں وہ اسکے پابند ہیں کہ صبح یا شام کا سوٹ نہایت ستھرے کالر کیساتھ پہن کر آئیں۔ اور قمار بازوں کو خاص قسم کے کپڑے پہننے کی ہدایت ہے۔

جب کوئی شخص کازینو کی عمارت میں داخل ہوتا ہے تو وہاں کی ہوا میں ایک شدید تعطر محسوس کرتا ہے۔ یہ خوشبو عورتوں کے لباس سے مہکتی ہے، جو بکثرت کازینو سے ملازمت کا تعلق رکھتی ہیں۔ عورتوں کی ملازم رکھنے اور اُن کو اسطرح زیب و زینت کیساتھ پیش کرنے میں یہ مصلحت ہے کہ لوگوں میں خواہ مخواہ وہاں جانے کی رغبت پیدا ہو اور حقیقت میں یہ ترکیب نہایت کامیاب ہے۔ کیونکہ کسب مال کیساتھ عورت کی دلکشی اطراف یورپ سے دولتمند نوجوانوں کو وہاں کھینچکر لاتی ہے، اور وہ اپنا جان و مال تباہ کر کے خائب و خاسر چلے جاتے ہیں اور اگر کامیابی بھی ہوتی ہے تو سینکڑوں میں دو چار کو۔

قمار خانے کے تمام حصے رات کیوقت کھیلنے والوں اور تفریح کرنے والوں سے بالکل بھرے رہتے ہیں۔ جن کی تعداد بعض اوقات دو ہزار سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ مگر دن کو ہجوم بہت کم ہو جاتا ہے۔ یہانتک کہ اگر کوئی شخص دن کے وقت یہاں آئے تو کازینو کے اژدحام شہرت کو مبالغہ پر محمول کرے گا۔

کازینو کا سب سے زیادہ عقل و ہوش سلب کرنے والا نظارہ، حسین عورتوں کا اجتماع، اور ان کے مرصع زیوروں کی چمک اور معطر لباس کی مہک ہے۔ جسطرف نظر اوٹھائیے انہیں غارت گران خرد کا ہجوم نظر آتا ہے، اور یہ جماعت ہر وقت اسی کوشش میں رہتی ہے کہ کسی طرح وہاں آنے والے کی جیب کا آخری پیسہ بھی وصول کر لیا جائے۔ اور انہیں اس کوشش میں کامیابی ہوتی رہتی ہے۔ بسا اوقات انسان اُن کے جال میں پھنسکر تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ کازینو میں عورتوں کی تعداد مردوں سے بہت زیادہ ہے اور یہی قمار بازوں کے اجتماع کا بڑا سبب ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کازینو کی طرف سے خاص ایجنٹ ہیں جو یورپ میں دورہ کرتے رہتے ہیں اور ہر ایک خوبصورت عورت کو کازینو میں رہنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ یا کم سے کم از کم فصل قمار (خریف سے گرما تک) میں

وہاں رہنے کی استدعا کرتے ہیں۔

جب قمار بازی کا وقت شروع ہوتا ہے تو لوگ نہایت شوق سے قمار کی مخصوص میزوں کی طرف دوڑتے ہیں کازینو کی کارندے اشرفیوں کے صندوق کھول کر میزوں پر بکھیر دیتے ہیں تاکہ سونے کی دلکش آواز کھیلنے والوں کو اور زیادہ اپنی طرف متوجہ کرے۔

ملازمین کے فرائض جو کازینو کی طرف سے امور میں مختلف ہوتے ہیں۔ بعض کھیل کی نگرانی کرتے ہیں اور اوس کے صحیح یا غلط ہونے کے متعلق فیصلہ کرتے ہیں۔ بعض ہارنے والوں سے روپیہ گن کر لیتے ہیں، بعض جیتنے والوں کو دیتے ہیں۔ جو لوگ روپیہ وصول کرنے پر مامور ہوتے ہیں۔ انہیں کمپنی خاص طور پر ایسے لوگوں میں سے منتخب کرتی ہے۔ جو سخت دل اور بے رحم ہوں اور ہارنے والے کا آخری پیسہ وصول کرنے میں بھی انہیں رحم نہ آئے۔ جو شخص کھیل کو دور سے دیکھتا ہے اوسے عجیب تماشا نظر آتا ہے۔ سونا ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں اور دوسرے سے تیسرے میں منتقل ہوتا ہوا چلا جاتا ہے۔ کسی کھیلنے والے کا چہرہ زرد کسی کی پیشانی سے پسینہ ٹپکتا ہوا کسی کے ہاتھ کانپتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ سارا مجمع خاموش ہوتا ہے اور صرف سونے کی آواز سننے میں آتی ہے۔ کھیل عموماً رولیٹ پر ہوتا ہے اور ایک دوسرا کھیل ہوتا ہے جسکو (Red + Black Raffle) یعنی اسود و احمر کہتے ہیں۔ اسود و احمر کا کھیل ایک لاکھ پچاس ہزار کے سرمایہ سے شروع ہوتا ہے۔ یہ رقم کازینو کے بنک سے لیجاتی ہے اگر کامیابی کھیلنے والوں کی حصہ میں رہی تو مال آنکی حصہ میں آجاتا ہے اور بینک سے نیا راس لمال طلب کیا جاتا ہے اور پھر کھیل شروع ہوتا ہے اس قسم کا خسارہ کازینو کیلئے نہایت معمولی بات ہے اور اسکی دولت پر کچھ اثر نہیں ڈالتا بلکہ ایک پہلو سے یہ خفیف سا نقصان اسکے حق میں اور زیادہ مفید ہوتا ہے کیونکہ اسکا نقصان عبارت ہے کھیلنے والوں کے جیتنے سے اور جب جیتنے کی خبر شایع ہوتی ہے تو دوسرے طامعین دولت کو اپنا نصیب آزمانے کی رغبت ہوتی ہے اور جسقدر نقصان ہوتا ہے اوس سے کئی گنا زیادہ وصول ہو جاتا ہے۔

کازینو کے اعداد و شمار سے ثابت ہوتا ہے کہ ۹۵ فیصدی کھیلنے والے ہارتے ہیں اور ۵ فیصدی کامیاب ہوتے ہیں۔ لہذا اسمیں تعجب کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ کازینو کی کمپنی چوبیس لاکھ فرنک سالانہ سے زیادہ صرف ملازمین پر صرف کرتی ہے۔ کیونکہ اسکو سالانہ پانچ کروڑ فرنک کی خالص آمدنی ہوتی ہے۔

موسیو بلانک جو اس قمار خانہ کا بانی تھا اوسنے مرتے وقت چھہ کروڑ ساٹھہ لاکھہ فرنک کی دولت چھوڑی اور لوگوں کو یہ وصیت کی کہ وہ قمار بازی نہ کریں۔

کازینو میں لوگ کروڑوں روپیہ کی دولت برباد کرکے چلے آتے ہیں۔ لیکن اس مالی نقصان سے کہیں زیادہ وہ جانی نقصان ہیں۔ جو اکثر خودکشی کی صورت میں واقع ہوتے ہیں۔ بعض کمزور طبیعت والے اپنی تمام دولت ہار دینے کے بعد خودکشی کر لیتے ہیں۔ اسی وجہہ سے قمارخانہ میں کسی قسم کے اسلحہ لانے کی اجازت نہیں ہے۔

اور یہ بھی انتظام کیا گیا ہے کہ جو شخص ہار جاتا ہے اور مایوس ہو کر نکلتا ہے اوسکی نگرانی کیجاتی ہے کہ کہیں خودکشی نہ کر لے۔ اسی وجہ سے خودکشی کے واقعات کازینو کے احاطہ میں بہت کم ہوتے ہیں۔ بلکہ اسکے باہر ہوٹل، راستہ، یا ریل میں واقع ہوتے ہیں۔ کازینو سے ایک میل کے فاصلہ پر خودکشی کرنے والوں کا مخصوص قبرستان ہے جس کے گرد ایک معمولی احاطہ کھنچا ہوا ہے اور اوسکے اندر بہت ہی سادی قبریں ہیں۔ بعض قبروں کی لوح پر مرنے والے کی طرف سے اپنے باپ کے نام بعض پر اپنی بیوی کے نام نہایت پُر درد الفاظ میں خطوط لکھے ہوئے ہیں جو ان منحوس روحوں کے انجام کا پتہ دیتے ہیں؎

اس عظیم قمارخانہ کا حال لکھنے کے بعد ہم حسب وعدہ مسئلہ قمار کے متعلق اپنا خیال ظاہر کرتے ہیں۔ اور یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قمار انسان کی اجتماعی اور اقتصادی زندگی کے لئے مہلک ترین خطرہ ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انسان اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں باہمی مدد اور تعاون کا محتاج ہے۔ کیونکہ جب سے انسان نے متمدن ہو کر اجتماعی زندگی اختیار کی ہے۔ تقسیم عمل کے اصول پر عمل کیا ہے اسلئے کہ انسان انفرادی طریقہ پر اپنی تمام ضروریات حیات فراہم نہیں کر سکتا۔ ایک شخص کی طاقت سے یہ بالکل باہر ہے کہ وہ بلا اعانت غیرے کاشتکاری کرے، کپڑا بُنے، اور دیگر ضروریات خود مہیا کرے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ ایک شخص جنگل میں رہ کر پھل پھول اور گھانس پتوں پر گذارا کر کے زندگی ختم کر دے۔ مگر تمام انسان تو یہ نہیں کر سکتے اور اگر بالفرض ایسی زندگی اختیار بھی کر لیں تو ہزاروں برس کی بنائی ہوئی تہذیب و تمدن کی عمارت بالکل خاک میں ملجائیگی۔ اور انسان جس نے اپنے معلومات و تجربات کی بناپر علم و فن میں موجودہ حد تک ترقی کر لی ہے پھر جانور کا جانور ہو جائے گا۔

جب یہ ثابت ہوا کہ انسان کا ہر فرد اپنی زندگی کی ضروریات فراہم کرنے میں دوسرے افراد کی مدد اور اُن کی اعانت کا محتاج ہے۔ لہذا ہر ایک فرد پر مجمع انسان کی طرف سے ایک اجتماعی فرض عائد ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ ہر انسان ایسے اعمال و اشغال اختیار کرے جو انسان کی حیات اجتماعی کے لئے ضروری اور مفید ہوں۔ مثلاً ایک شخص کاشتکاری کرے، ایک تجارت کرے، ایک صنعت و حرفت میں مشغول ہو، یا اس قسم کے کسی دوسرے ضروری شعبۂ عمل میں جب وہ شخص کسی ضروری پیشہ میں مشغول رہ کر اپنے عمل سے کوئی مفید چیز مہیا کرے گا۔ مثلاً اگر کاشتکار ہے تو غلہ کی فصل تیار کرے گا تاجر ہے تو دوسرے ملکوں سے ضروریات فراہم کر کے لائیگا۔ صانع ہے تو اپنی سعی سے مصنوعات اور آلات بنائیگا۔ تو اب اُسے یہ حق حاصل ہے کہ دوسرے شخص کو اپنا نتیجۂ عمل دیکر اوسکا نتیجۂ عمل جسکی اسے ضرورت ہے حاصل کرے۔ مثلاً کاشتکار کو اب یہ حق حاصل ہے کہ اپنی ضروریات کی موافق غلہ رکھکر باقی غلہ تاجر کو دیکر ضروریات خریدے۔ اسیطرح تاجر کو حق حاصل ہے کہ جب اُس نے اپنی کدوکاوش سے مختلف مقامات سے ضروریات فراہم کر کے

اپنی دوکان میں رکھتی ہیں تو وہ نہیں کاشتکار کو دیکر اپنی ضروریات کیلئے غلہ حاصل کرے، لیکن نتیجہ عمل کیساتھ تبادلہ کرنے میں چونکہ بڑی دقت ہے اور وہ ہر شخص کے عمل کا صحیح معیار بھی نہیں ہو سکتا، اسلئے درمیان میں ایک ایسی چیز کو واسطہ قرار دیا گیا جو عمال کے نتائج عمل کی تجدید و تعیین کرے۔ یہ واسطہ کیا ہے روپیہ یا دولت۔ لہٰذا دولت کے حصول کا واحد ذریعہ صرف یہ ہونا چاہیئے کہ انسان اوس دولت کو ایسا کام کرکے کمائے جو حقیقت میں حیات اجتماعی کے لئے ضروری اور مفید ہو۔

جسقدر دولت ایسے وجوہ فاسدہ اور مکاسب باطلہ سے حاصل کیجاتی ہے جس کے حصول سے اجتماع بشری کیلئے کوئی فائدہ مرتب نہیں ہوتا۔ بلکہ خاص فرد یا مخصوص جماعت کے متمول بننے کے لئے ایسے پیشے اختیار کئے جاتے ہیں تو وہ اجتماعی اصول کے لحاظ سے قطعًا ناجائز ہیں اور انسان کی حیات اجتماعی اور اقتصادی کے لئے مہلک ترین خطرہ۔

اس ذیل میں ہر قسم کی قماربازی داخل ہے۔ خواہ وہ بساط قمار پر ہو یا میدانِ مسابقت (ریس کورس) میں۔ لاٹری کی صورت میں ہو یا کسی اور طریقہ سے، اسی طرح وہ افراد بھی قمارباز ہیں جو دھوکہ دیکر لوگوں کی دولت حاصل کر لیتے ہیں، یا بساط مقامرت کی بجائے سجادہ پر بیٹھکر بلا محنت کئے ہوئے ہزاروں لاکھوں کی دولت لوگوں کی جیبوں سے کھینچتے ہیں۔ اور اسیطرح اجتماعیات کا یہ اصول اُن سرمایہ داروں کی لاکھوں اور کروڑوں کی دولت کو بھی ممنوع قرار دیتا ہے جو ایک ہی مجلس میں بیٹھے ہوئے بلا قبض بیع اور بغیر کسب و محنت کے تجارتی سٹّوں کی صورت میں کما لیتے ہیں۔ اور اسی طرح وہ تمام پیشے بھی ناجائز قرار پاتے ہیں جو ہیئت اجتماعی کیلئے بجائے مفید ہونے کے مضرت رساں ثابت ہوں۔ یا کم از کم انکا وجود غیر ضروری ہو۔ اسیطرح یہ اصول استبدادی شاہنشاہوں کی لاتعداد دولت کو بھی مال مغصوبہ سمجھتا ہے جو فوائد عامّہ اور رعایا میں امن و سکون قایم رکھنے اور اُنکو ترقی دینے کے بجائے عیش و تنعّم اور حور و قصور پر صرف کیجاتی ہے۔ حالانکہ وہ اُن غریب کسانوں کی دولت ہے جن پر دنیا کی آبادی اور رزق کا دارومدار ہے اور وہ اصولاً ایسے مصارف کیلئے جمع کیجانی چاہئے جس کے منافع سے وہی لوگ مستفید ہوں۔

کیا دنیا کوئی ایسا وضعی یا الہامی قانون پیش کر سکتی ہے جو ان تمام اجتماعی اور اقتصادی خرابیوں کے رفع کرنے کا ذمہ دار ہو۔ اور اوس میں صراحتاً ایسے تمام وجوہ فاسدہ اور مکاسب باطلہ کو بالکل ممنوع قرار دیا گیا ہو، ہم بلاخوف تردید نہایت جرأت کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اگر دنیا میں کوئی ایسا قانون ہے تو وہ صرف

"اسلام"

ابوالمحاسن مولوی محمود علیخان

جبرئیل

تکلم آفرین کو جب ضرورت تھی تکلم کی — جمود سامعہ پر جب تراوش تھی تبسم کی
نوا کو حکم تھا اک "پیکرِ پرواز" بننے کا — فضا سے تھا اشارہ پردہ دارِ راز بننے کا
حدودِ لامکان سے جسم لے کر اک صدا نکلی — حریمِ قدس سے الفاظ بنکر اک ضیا نکلی

ہوئی محدود سدرہ تک
فرازِ نخلِ طوبیٰ تک

کیا بے چین اسکو اضطرابِ ہمنوائی نے — دیا اعلان بے تابیِ مذاقِ آشنائی نے
لبون پر نطق کے اک سرمدی وجدان تھرآیا — پرون کی جنبشون نے ترجمانی کا لقب پایا
اثر قدوسیت کا ہو گیا طاری بیان بنکر — پیامی عرش کا بیٹھا رئیسِ آسمان بنکر

ستارون کی فضاؤن مین
اشارون کی خلاؤن مین

نوا ملہم بنی الہام کو شانِ رسالت دی — جمالِ رازِ مکنون کو چمکنے کی بشارت دی
کہسارون کی سرون پر چاندنی کا ایک رقعہ نکلا — صحیفے سامنے آئے مگر مضمون ادق نکلا
پہاڑون کی بلندی پر فلک در بر چٹانون پر — وہ آوازین ہوئین کندہ جو گونجین آسمانون پر

نظر نے ٹھوکرین کھائین
نگاہین جا کے لوٹ آئین

کوئی سمجھا کہ یہ اجرام کے انوار مہمل ہین — کوئی سمجھا یہ تارون کے نقوش نامکمل ہین
کسی نے خطِ قسمت کی طرح غیب النقلم سمجھا — کسی نے سبزۂ موزون فضا میں مرتسم سمجھا
کسی نے سحر و مذہب کا وجودِ مشترک جانا — کوئی ظلِ ہما سمجھا کوئی بانگِ ملک جانا

نہ کوئی تھا محقق اور نہ کوئی اس کا ماہر تھا
مگر جس نے حقیقت اسکی پہچانی وہ شاعر تھا

ساغر نظامی

فطرت کی ضد

(مسلسل)

منظور ۔ محبت کبھی تیار ہو کر نہین کیجاتی۔
ناشط ۔ لیکن منظور یہان محبت کا کیا ذکر ہے۔
منظور ۔ ایک جوان عورت تو آپ سے محبت کرنا چاہتی ہے۔
ناشط ۔ اچھا اب چلو پھر دیکھا جائے گا۔
رائنس ۔ (امان مریم کی قسم مین آپ کی گفتگو سے سمجھ چکی ہون کہ محبت حسن کی محتاج نہین ۔ مجھے بھی لوگ حسین نہین سمجھتے اور مین محتاج محبت ہون ۔ اگر ہو سکے تو مجھ اپنے دل مین جگہہ دیجئے۔
منظور ۔ آپ یہان کہان رہتی ہین اور کیا کرتی ہین؟
رائنس ۔ میرا پتہ نمبر ۹ فورٹ روڈ۔ میرا نام رائنس ہے ۔ مین کلیسائی ہون ۔ اور تصویر کشی سے مجھے ذوق ہے، کیا آپ بھی اپنا پتہ بتا سکتے ہین۔
منظور نے جیب سے ایک نقش تعارف نکالا ۔ رائنس کو دیا ۔ اور نہایت اطمینان آفرین انداز مین اوسے یقین دلایا کہ وہ ناشط کو لیکر کل صبح اسکے مکان پر ضرور آئیگا۔

(۲)

رائنس کا "طاق مقصود" صورتکدہ آذر سے کم نہ تہا ۔ چند مقدس تصویرین جان عقیدت تھین، جن مین حضرت مسیح کو صلیب پر دکھایا گیا تہا ۔ دو تصویرین حضرت مریم کی تھین ۔ اسکے علاوہ جتنی تصویرین تھین سب سے مذاق عشق ٹپکتا تہا ۔ مکان کے ایک گوشہ مین اس نے ایک تصویر بنائی تہی یہ ایک مغنیہ کی تصویر تہی جو پیانو بجا رہی تہی ۔ زمزمے کی آواز کا نقش دیکھنے کے قابل تہا جسکی ہر آواز پر دلون کی ٹکڑے اڑتے ہوئے دکہائی گئے تہے ۔ اسی طرح ایک چشمے کے کنارے چند لڑکیون کو نہاتی دکہایا تہا جنہین دور سے کچھ لوگ دیکھ رہے تہے ان کے دیکھنے سے غسل کرنے والیون کے دلون مین جن جذبات کی آفرینش ہو رہی تھی وہ آنکی آنکھون، رخسارون، پیشانیون، ہاتھون اور جسمون کی شرمیلی اداؤن سے اسطرح مترشح کئے گئے تہے کہ اصل و نقل مین کوئی فرق محسوس نہین ہو سکتا؛
ایک پردہ پر اس نے اپنی تصویر بھی کھینچی تہی جو ہنوز نامکمل تہی ۔ اس مین دکہایا گیا تہا کہ صبح کا وقت ہے ۔ رائنس سو کر اوٹھی ہے سورج قریب طلوع ہے ۔ کرنین پھوٹ نکلی ہین مگر وہ تمام دنیا پر چہائی جا رہی ہین ۔ اور رائنس کا جسم ان سے محروم النور ہے

وہ گھبرا کر سوویچ کو دیکھ رہی ہے اور اوسکے جذبات کا ہیجان و انتشار اسکے چہرہ سے صاف ظاہر ہو رہا ہے۔ اسکی آنکھوں سے پشیمانی کے شعلے نکل رہے ہیں اور وہ اس انداز سے اُٹھنا چاہتی ہے کہ گویا وحشتی ہی تمام انتظام فطرت کو برباد کر دیگی۔

رائنس۔ رنگ پردازی اور تصویر سازی میں بڑی مشاقہ تھی۔ لیکن اب کوئی دو سال سے اسکا اسٹوڈیو (نگارخانہ) تصویر کدہ گرد و غبار سے بھر گیا تھا۔ وہ کبھی یہاں آتی ہی نہ تھی۔ اُسے تصویر بنانے سے طبعاً نفرت ہو گئی تھی اور اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ پہلے اپنی تصویر مجسم کو کسی شباب نواز ناتھ میں فروخت کرنا چاہتی تھی۔ وہ آج گھبرائی اور سب سے پہلے اسنے اپنی تصویر کدہ کا قفل کھولا۔ خادمہ کو آواز دی۔ تمام کمرہ صاف کیا۔ ہر چیز ٹھکانے سے رکھی۔ تصویروں سے پردے ہٹائے۔ گرد جھاڑی۔ روغن کی پیالے اور برش ایک جگہہ جمع کئے۔ ابھی وہ اسی انتظام میں مصروف تھی کہ اسکی نظر ایک کاغذ پر پڑی۔ اوٹھایا تو وہ ایک تصویر تھی۔ رائنس نے اُسے بغور دیکھا، پھر دیکھا۔ رومال سے صاف کیا۔ پھر دیکھا۔ آنکھیں ملیں، پھر دیکھا، اور ایک آہ سرد کھینچکر تصویر جیب میں رکھ لی۔ یہ تصویر ناشط کی تھی۔

رائنس نے چند نئے پردے فوراً تختوں میں لگائے۔ پردوں پر عکس گر روغن لگایا۔ پھولوں کے گملے جا بجا چنوائے بعض نئے پیالے بدلے اور سب سامان درست کر کے سونے کے کمرہ میں چلی گئی۔ جہاں آج اوسے خلافِ معمول لیٹتے ہی نیند آ گئی۔

(۴)

منظور۔ ناشط۔ وہ عورت نہایت حسن پرست معلوم ہوتی ہے اور میرے نظریئے کی موافق چونکہ تم حسین ہو اسلئے ......

ناشط۔ خدا کیلئے بنائیے تو نہیں (وہ مسکرا دیا) ایسی سیاہ فام عورت (وہ لرز گیا) اور ناشط، معاذ اللہ (اس نے منہ پھیر لیا)

منظور۔ یہ نظریئہ منظور ہے جو کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔ مگر ناشط وہ تو تمہاری شناسا معلوم ہوتی تھی۔

ناشط۔ وہ کیسے؟

منظور۔ اپنے بڑی بیباکی سے تمہارے دونوں بازو پکڑ لئے۔ جیسے کوئی اپنے چور کو پکڑ لیتا ہے۔ وہ یقیناً تمہیں جانتی تھی اور تم یقیناً اُسے پہچانتے ہو۔

ناشط۔ الزامات کی تعداد بڑھتی جاتی ہے۔ منظور صاحب یہ نظریئہ مثبت نہیں ہے۔ جسے آپ بردستی منوالینگے۔

منظور۔ اچھا میں آپ ہی سے پوچھتا ہوں اوسنے میرے بازو کیوں نہ پکڑ لئے۔

ناشط۔ اسلئے کہ ــــــ

منظور۔ ہاں۔ ہاں۔ کہئے کہئے۔ اِسلئے کہ میں حسین نہ تھا۔

ناشط۔ گستاخی معاف، مین کہنا تو یہی چاہتا تہا۔

منظور۔ تسلیم۔ میرا پہلا خیال ثابت ہو گیا کہ آپ حسین ہین؛ اب کسی دلیل کی ضرورت نہین۔ اچہا اس نے ہاتہ کیون نہ تہام لئے؟ دامن کیون نہ تہاما؟ دست بستہ ملتمس کیون نہ ہوئی؟ کاغذ پر لکہکر کیون نہ دیا؟ آنکہون سے کیون گفتگو نہ کی؟ بالواسطہ آرزو کیون نہ کی؟ اشارون مین کیون نہ کہا؟ آہ بہر کر کیون نہ جتایا——؟

ناشط۔ ختم کرو خدا کے لئے۔ کاش تم حسین ہوتے اور اسدرجہ شوخ نہ ہوتے!

منظور۔ جی نہین، آپ میرے سوالات کا جواب دیجئے۔ یا مان لیجئے کہ وہ آپ کی شناسا ضرور تہی!

ناشط۔ یہہ تو غلط ہے۔

منظور۔ مین آپ کو اسکا ثبوت دونگا۔

ناشط۔ بہتر ہے۔

منظور۔ صبح ذرا جلد اوٹہیگا۔ "فورٹ روڈ" چلنا ہے۔ وہ راستہ دیکہیگی۔

ناشط۔ گر میرا تو دل نہین چاہتا۔

منظور۔ کاش یون کہتے۔ گر بعض حسن تو اپنی شان بے نیازی دکہانا چاہتا ہے۔

منظور نے یہ جملہ کچہہ اس انداز سے کہا کہ ناشط شرما سا گیا۔ وہ اپنی قمیض کے بٹن نیچی نگاہون سے درست کرنے لگا۔ اور منظور ہنستے ہوئے "السلام علیکم" کہتا ہوا رخصت ہو گیا۔

(۴)

رائنس کے لئے یہی انبساط کیا کم تہی کہ آج دو نوجوان اسکے تصویر کدہ مین آنے والے ہین۔ اس نے باقاعدہ ان کی مدارات کا سامان نہایت کشادہ دلی سے کیا اور بمبئی مین تو کوئی کام بغیر کشادہ دلی کے ہو ہی نہین سکتا کہ وہان معاشرت نے انسانیت کو بہت گران کر دیا ہے۔ اور تکلفات نے اسدرجہ مساوات اختیار کی ہے کہ ایک مزدور بہی تفریح کے لئے اوسوقت نکلتا ہے جبکہ اسکے جسم پر ایک جاذب نظر ملبوس ہوتا ہے۔ رائنس تو کافی دولت نہ تہی۔ اوسنے تصویر سازی سے بہت روپیہ حاصل کیا تہا۔ اکثر کیتہولک گرجے اسکی تصویرون سے مزین کئے جاتے تہے بڑی بڑی دوکانون مین اسکی تصاویر بطور مظاہرہ و نمود رکہی جاتی تہین، وہ تو ایک مکمل عورت تہی۔ نقص صرف یہ تہا کہ فطرت نے اوسے حسن نہ دیا تہا اور اسی لئے زندہ دل سوسائٹی مین وہ اپنے لئے کوئی گنجایش پیدا نہ کر سکتی تہی۔

وہ صبح بہت جلد اوٹہی اور اسنے حسین ترین لباس زیب جسم کیا۔ بالون کو معمول سے زیادہ سنوارا۔ آئینہ دیکہا مسکرائی وہ تصویر جیب مین محفوظ کی اور اپنی خیال مین جمیل ترین تصویر نسائیت بنکر وہ اسٹوڈیو مین پہونچی۔ ہر چیز پر ایک غائر نظر ڈالی کچہہ تصویرین الگ کر دین۔ اور دروازہ کا سہارا لیکر لذت انتظار اوٹہانے لگی۔

اُسے اپنے نئے دوستون کا شریفانہ وعدہ یاد تہا۔ گو دن چڑھ گیا تہا مگر وہ کسی طرح مایوس نہ تہی۔ آخر دو سے ایک موٹر پر دو نوجوان نظر آئے۔ موٹر اسی کی مکان کی طرف آرہا تہا۔ اسنے فوراً خادمہ کو اشارہ کیا، اور خود اپنے ذاتی کمرہ مین چلی گئی۔

منظور اور ناشط:۔ یہ دونون دوست نوجوان تہے۔ منظور ایم اے کا طالب علم تہا۔ اور ناشط بی اے سے کالج چھوڑ چکا تہا۔ دونون دہلی کے رہنے والے تہے۔ مگر ان کے والدین بصیغہ تجارت ایک عرصہ سے بمبئی مین مقیم تہے اسلئے ان کی بود و باش بھی مدت سے یہین تہی۔ منظور ایک دراز قامت، متین الوضع نوجوان تہا۔ اسکے چہرہ مین کوئی جاذبیت نہ تھی مگر ذہین اس بلا کا تہا کہ کالج کا ہر شخص اسکے سے کا بنتا تہا۔ اس مین تقریر کو الجہا دینے کا ایک خاص مادہ تہا۔ وہ فلسفہ کا ماہر تھا۔ اور عقلیات سے اوسے بے حد دلچسپی تہی۔ اسکا عقیدہ تہا کہ دنیا عالم امکان ہے اور کوئی بات دنیا مین ایسی نہین ہے جو ممکن نہ ہو۔ وہ ارادہ کے بعد آسمان پر پہونچ جانا۔ ہمالیہ کی آخری چوٹی پر بیٹھ جانا بالکل آسان سمجھتا تہا۔ وہ شاعر بھی تہا اور غالب کو اسنے بہ نظر غائر پڑھا تہا، وہ اسکے اشعار کی تشریح مین حدود شعریت سے اسدرجہ باہر نکل جاتا تہا کہ لوگ اسکی قوت ذہنی پر متحیر ہو جاتے تہے کوئی مسئلہ جو کسی سے طے نہ ہوتا تہا وہ ذراسی دیر مین اسطرح طے کر کے رکہہ دیتا کہ گویا اسنے اسے پہلے سے حل کر رکہا تہا۔ اسکی اخلاقی حالت نہایت اچھی تہی۔ وہ سلیم الطبع اور مستقل مزاج اتنا تہا کہ بڑی سے بڑی دشواری بہی اسکی ایک مضحکہ خیز بحث سے آگے نہ بڑھ سکتی تہی۔

منظور کا شعار معاشرت، فوق الفطرت نہ تہا۔ مگر اسکے جذبات ضرور مافوق الفطرت تہے۔ وہ ہر مسئلہ کو مذہب، فلسفہ، تقلید روایت و درائت، تجارب اور عقید تمندی سے الگ ہو کر سمجھنے کی کوشش کرتا تہا، وہ معمولی سی معمولی بات مین بھی ہزارون نکات پیدا کرنے مین کامیاب ہو جاتا تہا۔ اسکا اصول یہ تہا کہ "تدبیر اور کوشش ہر بات کو ممکن العمل بنا دیتی ہے۔ اسی لئے وہ تقدیر کا قائل نہ تہا: قائل تو تہا مگر صرف تقدیر پر بھروسہ کرنا اسکے لائحہ عمل مین معمول نہ تہا، غرضکہ وہ اک زبردست مضبوط اور نہ ملنے والے کیر کٹر کا جوان تھا، اور اسکی مثال اسکے ہم عمر جوانون مین بمشکل بھی نہین ملسکتی تہی۔

ناشط:۔ تخلیقاً بے حد حسین تہا وہ منظور سے دو سال عمر مین چھوٹا تہا، دسمبر سے اُسکی عمر کا بائیسوان سال شروع ہوا تہا اسکی نگاہون مین اک مقناطیسی قوت تہی، جو ہر وقت چھپے چھپے اپنا کام کرتی رہتی تہی، اُسے پان کے نام سے نفرت تھی۔ مگر اسکے چہرہ مین سب سے زیادہ شوخ حصّہ اسکے ہونٹون کا تہا، جو ہر وقت شیشۂ شراب کی طرح رنگ بار رہتا تہا، اسکا قد نہ دراز تہا نہ مختصر، چھریرا بدن۔ تندرستی و تناسب لئے ہوئے، بال اسدرجہ حسین تہے کہ فضائی آغوش اور نظارہ کی گود ہر نقش ہو جاتی۔ جب بھی وہ گردن کی خفیف حرکت سے متوجہ ہوتا، وہ جس پہلو سے انہین اپنی صبیح پیشانی پر ڈال دیتا تہا اسی پہلو سے دلکش نظر آنے لگتے تہے، اسکی آنکھون مین اک کیف آفرین وجاہت تہی اور اسکا جسم اک وقیع اور وقار انگیز نسائیت کا انداز لئے ہوئے تہا، ذرا سا جوش اور ذراسی گرم خیالی اسکی آنکھون کو شہابی اور اسکے صندل فام چہرہ کو گلابی کر دیتی تہی وہ ہمیشہ سنجیدہ اور چست لباس پہننے کا عادی تہا اسلئے اسکے جسم کا تناسب و توازن بیک نظر ہر شخص کو اپنی رعنائی مین جذب کر لیتا تہا،

تبسم اسکے لالہ گون لبون کی اک رسم فطری تہی، وہ کوئی بات عقدہ مین کہتا تو بہی اسکے لبون کا کشاد اسکے چہرہ پر ادائے تبسم پیدا کر دیتا۔ اُسے خوبصورت لوگ بہی حسین کہتے تہے اور وہ حقیقت مین اگر آثار رجالی سے فائز نہ ہوتا تو ایک عورت کا مجسمۂ لطیف ہونے کی پوری اہلیت رکہتا تہا، یہہ تو اسکی جسمانی کیفیت تہی اسیرت کے متعلق صرف یہ کہدینا کافی ہے کہ بہ اختلاف خفیف وہ منظور کا عکس متحرک اور اسکے اخلاق و اعمال کا مرقع ثانی تہا کہ ناشط منظور کے خلاف مذہب عقیدت، روایات تقدیر منقولات اور ملفوظات سے بہی متاثر ہو جاتا تہا، اور جب کوئی ایسی بات منظور کی موجودگی مین واقع ہوجاتی تو وہ دل ہی دل مین متاثر ہوکر منظور کی صورت دیکہا کرتا، اور اوسکا تبسم مصنوعی تردید کی صورت مین اسکے دل کی تصویر کہینچتا۔ یہ ایک ایسا فرق تہا جسے بہت کم لوگ محسوس کرسکتے تہے اور اسکی وجہہ یہ تہی کہ منظور و ناشط دوسرون کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار اپنی زیر تدبیر کوششون کی کمزوری سمجہتے تہے۔ (باقی)

ایڈیٹر

بکھرے ہوئے راگ

(از۔ منظر اکبرآبادی مدیر "ثریا")

ہم یونہی مرگِ محبت کا سمان دیکہا کئے
پیرہن جب ہو چکا رخصت تو اپنے جسم پر
ایک اپنی داستانِ عشق مین سو رنگ تہے
گردشین بدلین نہ بدلی قسمتِ افتادگی
دیکہنے کی چیز تہی انکی نگاہِ واپسین
پائمالِ رہگذر تہا کون مجہکو دیکہتا
منزلِ گم گشتگی کا اب تجہے کیا دین پتہ
کب تجلی کی حقیقت تک نگاہین جاسکین
آج مین ہم اپنے اندازِ بیان سے ملتفت
منظر اپنا دل عجب اک منظرِ صد رنگ تہا

ہر نفس مین ایک عمرِ جاودان دیکہا کئے
ناخنِ آزاد کی گلکاریان دیکہا کئے
سینکڑون عنوان زیبِ داستان دیکہا کئے
ہم یہی اپنے زمین و آسمان دیکہا کئے
جو ترے احساس کی مجبوریان دیکہا کئے
سب ہجوم راہِ گردِ کاروان دیکہا کئے
ہم جہان دیکہا کئے تجہکو وہان دیکہا کئے
سب تمہاری انجمن آرائیان دیکہا کئے
ان کو شرمندہ بہ اندازِ بیان دیکہا کئے
ہم اسے ہنگامہ زارِ دو جہان دیکہا کئے

اعترافِ ضمیر

جب کہ ہو جوشِ پُرشبابِ گناہ　　　مست ہو شوقِ ارتکابِ گناہ
تیز ہو نشۂ شرابِ گناہ　　　پھونکدے عقل، التہابِ گناہ
فہم ہو جائے غرقِ آبِ گناہ　　　اور ہوتا ہو دل خرابِ گناہ

سُنئے اسوقت التجائے ضمیر

معصیت کوش جب کہ انساں ہو　　　اور احساس غرقِ طوفاں ہو
شرم و غیرت کا چاک داماں ہو　　　یعنی تقوےٰ نثارِ عصیاں ہو
عِلم ہو عقل ہو نہ ایماں ہو　　　جس سے انسانیت بھی لرزاں ہو

پھر وہی پُر اثر صدائے ضمیر

حسِ فکرِ مآل بنتی ہے　　　وہم و خوف و خیال بنتی ہے
نیک و بد کا سوال بنتی ہے　　　ہیبتِ ذوالجلال بنتی ہے
عرقِ انفعال بنتی ہے　　　اشکِ حزن و ملال بنتی ہے

کس قدر سخت ہے سزائے ضمیر

جب سکوں پائمال ہو جائے　　　عیش کو جب زوال ہو جائے
جب مسرت ملال ہو جائے　　　اور انساں نڈھال ہو جائے
شرم سے جب یہ حال ہو جائے　　　زندگی تک وبال ہو جائے

پھر ہے عفو و سکوں عطائے ضمیر

شرم کا قبلِ ارتکاب ظہور　　　اور ندامت خطا کے بعد ضرور
اک سکوں بعد اعترافِ قصور　　　اور نیکی کے بعد ایک سرور
ذلتِ نفس سے بشر کا نفور　　　قوتِ امتیاز و طبعِ غیور

کیا کہینگے انہیں سوائے ضمیر

یہ ہے شیرازۂ کتابِ بقا　　　یہ ہے اندازۂ جہانِ فنا
یہ ہے خمیازۂ صواب و خطا　　　یہ ہے معیارِ امر و نہیِ خدا

یہ ہے پیمانۂ سزا و جزا یہ ہے میزان عدل و راہ نما

کیا ہے لوائمہ اک ادائے ضمیر

عزتِ نفس و رفعتِ انسان نظمِ اخلاق و قوتِ ایمان

ضامنِ امن عالمِ امکان حارث و شارحِ نظامِ جہان

سکرات و صراط اور میزان حشر و نارِ جحیم و باغِ جنان

اور صدہا ہین اسم ہائے ضمیر

محمود اعظم فہمی

آنسو

پہاڑون کے اوپر چاند مستول کہہ رہا ہے۔ روسی شمع گل ہوگئی ہے۔ خاموش سمندر میری قلب کی گہرائیون مین متلاطم ہین۔ اور وہ میرے آنسو ہین۔ جن سے میرا غم گہرا ہوجاتا ہے۔ تم نہین جانتے وہ وہی وقت ہوتا ہے جبکہ مین روتا ہون۔

(وانگ لینگ جو)

محبّت

دنیا کے کنارون پر محبت کے متلاشی، دنیا کے چشمہ زار سے لب محبت کا لطف اٹھانے والے! تم یہان کیا کرتے ہو؟ جہان کی مستقل مزاجیون نے باطن کو چشم ظاہر سے مطالعہ کیا، تم یہان کیون آئے ہو دوسری دیوارون پر کیون نہ گئے۔

جو محبّت کا متلاشی ہے اوسکو دماغ مین تلاش کرنا چاہئے۔ کیونکہ وہ ہونٹون سے پوشیدہ طور پر نکل جاتی ہے اور پھیلے ہوئے ہاتھون تک ایک خواب خوش کی طرح پہونچنا بیکار ہے۔ اے میری آقا! مین جانتا ہون۔ کیونکہ میرے شانے شل ہین۔

(جیمس ڈالی)

(دینو اور نیٹ)

ساغر

دورِ عباسیہ کا ایک تابناک صفحہ

"قصر حسنی"

گاہے گاہے باز خوان این دفترِ پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

خاندان برامکہ کے ایک ممتاز اور معزز ممبر حسن بن سہل نے نہر معلی کے پنچے ساحل دجلہ پر ایک عالیشان قصر بنوایا تہا۔ یہ قصر اپنے بانی کے نام سے مشہور تہا، جسکی وفات کے بعد اسکی نامور بیٹی بوران[1] کے قبضہ مین آیا۔ خاندان عباسیہ کا سولہوان فرمان روا معتضد باللہ جب سریر آرائے تخت حکومت ہوا تو اپنی مستقل قیام گاہ کے لئے اسکی نظر انتخاب قصر حسنی پر پڑی۔ چنانچہ اسنے بوران بنت حسن سے اسکے خالی کرنے کے لئے کہا۔ بوران نے چند یوم کی مُہلت طلب کی۔ حصول مہلت کے بعد بوران نے عمارت کی مرمت و آراستگی کیجانب توجہ کی۔ اوّلاً شکستہ مقامات کو درست کیا پھر تمام محل کو آراستہ کیا گیا۔ تمام زمین پر نہایت بیش قیمت فرش بچھوائے۔ دروازوں پر نہایت پر تکلف اور گران قیمت پردے آویزان کئے گئے۔ آراستگی کے بعد محل کے گوداموں مین وہ تمام اشیاء مہیا کی گئین جنکی شاہانہ زندگی مین ضرورت ہوتی ہے۔

جب یہ قصر شاہی قیام کے لائق بنا دیا گیا تو معتضد باللہ کو اطلاع دی گئی۔ معتضد نے قصر کو دیکھا اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا۔

معتضد نے اس محل کے گردو پیش کے قطعات کو بھی اسمین شامل کر لیا، اور ایک دیوار اٹھوادی جس سے نہ صرف یہ تمام قطعات ایک عمارت کے اجزا معلوم ہونے لگے بلکہ نہایت مستحکم و مضبوط ہو گئے۔ معتضد کے جانشین مکتفی باللہ نے جو ۲۸۹ھ ہجری مین تخت نشین ہوا۔ دجلہ پر ایک تاج بنوایا جسکے پیچھے چند بیحد بلند اور وسیع قبّے اور ایوان بہی تعمیر کرائے تہے۔ مکتفی کے بعد مقتدر ۲۹۵ھ ہجری مین تخت نشین ہوا۔ مقتدر نے تعمیرات کے ناتمام حصون کی تکمیل مزید کی اور بعض نئی عمارتین بھی از سر نو بنوائین۔

اس تمام اضافہ و توسیع کے بعد "قصر حسنی" کا طول و عرض کیا تہا؟ اسکا جواب عضد الدولہ کے خزانچی ابو نصر خوشاذہ کی زبان سے یہ ہے کہ

---

[1] بوران حسن بن سہل کی وہی لڑکی ہے جس سے مامون رشید نے عقد کیا تہا۔ ۱۲

میں قصر حسنی کے آباد و ویران حصے اور حریم وغیر حریم میں پھرا۔ میرے
اندازے میں یہ قصر شیراز کے برابر ہے"۔

یہ قصر نہ صرف اپنی وسعت و بلندی کے لحاظ سے دہشت انگیز و حیرت آفرین تھا بلکہ اسکے بعض قطعات بھی اس زمانہ کی صناعی و عجوبہ طرازی کا نایاب نمونہ تھے۔

محل کے ایک قطعہ میں نہایت صاف پانی کا ایک وسیع و مستدیر حوض تھا۔ وسط حوض میں ایک نقرئی درخت تھا، جسکا وزن پانچ کروڑ درہم تھا، اس درخت کی ۱۸ شاخیں تھیں۔ بعض شاخیں نقرئی اور بعض پر طلائی ملمع تھا۔ یہ شاخیں بہت طویل تھیں۔ جب ہوا چلتی تھی تو یہ شاخیں اصلی شاخوں کی طرح ہلتی اور جھومتی تھیں۔ ان کے پتے مختلف رنگ کے تھے جو ہوا سے اصلی پتوں کی طرح ہلتے تھے۔ ان شاخوں پر ہر قسم کی نقرئی و طلائی پرند بٹھائی گئے تھے۔ حوض کے داہنے و بائیں جانب اسپ سواروں کے ۱۵ مسنگی بت تھے۔ سواروں کی پوشاکیں دیبا و حریر وغیرہ گران بہا کپڑوں کی تھیں۔ ہر سوار کے ہاتھ میں ایک ایک نیزہ تھا۔ یہ تمام سوار اسطرح متحرک تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ انہیں سے ہر ایک سوار دوسرے پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔

یہ مکان **دار الشجرہ** کہلاتا تھا۔ اور عجیب و غریب مشینوں اور علم نجمین کے رموز و اسرار سے ایک طلسم خانہ حیرت تھا!
چند باغوں کے درمیان ایک محل بنایا گیا تھا۔ وسط محل میں رانگے کا ایک خوبصورت حوض تھا۔ یہ حوض ایک جانب سے تیس اور دوسری جانب سے بیس ہاتھ لانبا تھا۔ اسکے گرد رانگے کی ایک نہر بھی تھی جو صفائی اور سفیدی میں جلا کی ہوئی چاندی سے بھی زیادہ درخشاں اور خوشنما معلوم ہوتی تھی۔

حوض میں چار کشتیاں تھیں ان کی نشست گاہیں طلائی تھیں جنپر کار چوبی اور حاشیہ دار دبیقی کپڑا منڈھا ہوا تھا۔ اور ان پر کار چوبی پارچہ دبیقی کی چادریں پڑی رہتی تھیں۔ حوض کے گرد ایک وسیع باغ تھا جسمیں چار سو کھجور کے درخت تھے۔ ہر درخت پچاس ہاتھ لانبا تھا۔ ان درختوں کے تنوں پر منقش ساگون کے پترے ہر چہار طرف سے جڑے ہوئے تھے اور ان کے تنے طلائی ملمع کار حلقوں سے آراستہ کئے گئے تھے۔ باغ کے کناروں پر ترنج، دستنبوا اور منقع وغیرہ درختوں کی قطاریں باغ رضوان کا دھوکہ دیتی تھیں"۔

اس محل میں ایک چڑیا گھر بھی تھا جسمیں مختلف اقسام کے جانور رہتے تھے۔ وہ انسانوں سے اسقدر مانوس ہو گئے تھے کہ آدمیوں کے پاس آکر ان کے جسم سونگھتے تھے اور ان کے ہاتھ سے چیزیں لیکر کھاتے تھے۔

شاہ روم کا سفیر اور محل کی آرائش

۳۰۵ ہجری میں شاہ روم نے مقتدر باللہ کے پاس اپنا سفیر بھیجا۔ یہ سفیر جب تکریت پہونچا تو مقتدر باللہ نے حکم دیا

کہ اسکو دو ماہ تک تکریت مین ٹہیرا جائے " وہان سے جب بغداد آیا تو **دار صاعد** مین ٹہیرا گیا - یہان سفیر نے دو ماہ تک انتظار ملاقات کی دشوار ساعتین گذارین - مگر اسیر بہی بارگاہ خلافت مین حاضر ہونے کی اجازت نہین ملی - اس عرصہ مین " قصر حسنی " کی آرائش نہایت اہتمام کے ساتھ گران بہا و خوشنما آلات ، فروش ، پردون سے کیگئی - پارچہائے انماطی ، دبیقی و طبری کے ۲۲ ہزار فرش بچہائے گئے - ۳۸ ہزار پردے پارچہائے ارمنی ، واسطی ، بہنی ، دبیقی کے لٹکائے گئے - ان ۳۸ ہزار پردون مین سے ۱۲ ہزار پردے پارچۂ دبیقی کے تہے - جن پر گہوڑے ہاتہی اونٹ اور دیگر جانورون کی تصویرین منقوش تہین - سفیر کی فرودگاہ (دار صاعد) سے لیکے دار الخلافہ یعنی قصر حسنی تک ایک لاکہہ ساٹھہ ہزار سوار اور پیادون کی دو رویہ صفین کہڑی کیگئی تہین -

سوارون کی پوشاکین نہایت قیمتی ، گہوڑے نہایت عمدہ زینین نقرئی و طلائی تہین - سوارون کی ہمراہ کوتل گہوڑے بہی تہے - بازار شرقی کی تمام دوکانین ، کوٹھے ، حتیٰ کہ جہتین اور چہجے تک تماشائیون نے بہت زیادہ کرایہ پر لے لئے تہے بازار کے چارون طرف تماشائی ہی تماشائی نظر آتے تہے -

تمام صاحب اور دیگر خدام اپنے اپنے منصب کے موافق گذرگاہون اور نشست گاہون مین حاضر تہے - مکمل آرائش ہو جانے کے بعد سفیر کو حاضر ہونے کی اجازت دیگئی -

سفیر اپنی فرودگاہ **دار صاعد** سے مع اپنے تمام جلوس کے دو رویہ صفون سے گذرتا ہوا دار الخلافہ قصر حسنی کی طرف روانہ ہوا - راستہ مین **نصر قشوری الحاجب** کا مکان ملا جو خلیفہ کی ڈیوڑہی کا دربان تہا - لیکن مکان کی آراستگی اور اشخاص کی صف بستگی کو دیکھکر وہ سمجہا کہ شاید دار الخلافہ یہی ہے - منظر مکان کی عظمت اور خیال دار الخلافہ کی ہیبت اسپر چہا گئی اور وہ مرعوب ہوکر رک گیا - لیکن فوراً اسکو بتا دیا گیا کہ یہ دار الخلافہ نہین ہے بلکہ دار الحاجب ہے سفیر آگے بڑہا - تہوڑی دور چلنے کے بعد وزیر اعظم کا مکان ملا - یہ مکان **ابو الحسن علی بن محمد الفرات** کی صرف مردانہ نشست گاہ تہی - یہان سفیر نے دربان کے مکان سے زیادہ شکوہ و احتشام دیکھا تو اسکو یقین ہو گیا کہ یہی دار الخلافہ ہے - مگر یہان بہی اسے بتایا گیا کہ یہ دار الخلافہ نہین ہے بلکہ دار الوزیر ہے - دجلہ اور باغ کے بیچ مین ایک نشست گاہ تہی جو عمدہ عمدہ پردون اور چیدہ چیدہ فرشون سے آراستہ تہی - تختون کے ہر چہار طرف غلام عصا اور تلوارین لئے کہڑے تہے - سفیر اس نشست گاہ مین گیا - اسکے بعد تمام قصر کی سیر کرائی گئی - پہر پیش گاہ خلافت مین باریاب ہونے کے لئے حاضر ہوا -

محل کی سیر کی کیفیت کے متعلق چند روایتون کے جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جسوقت سفیر داخل قصر ہوا ہے قصر مین فوج کا ایک سپاہی بہی نہ تہا صرف حجاب اور مختلف النسل خدام تہے - جنکی تفصیل یہ ہے -

خدام سفید ۴ ہزار - خدام سیاہ ۳ ہزار - حجاب سات سو - حبشی غلام ۴ ہزار -

یہہ تمام اشخاص چبوتون پر کھڑے کیئے گئے تھے۔ سفیر عام دروازے سے داخل قصر ہوا اور خان خیل کی طرف چلا۔ خان خیل ایک بہت بڑا مکان تھا جسمین بکثرت رواق اور سنگ مرمر کے ستون تھے۔ دہنی جانب پانچ سو گھوڑے کھڑے تھے جن پر پانچ سو طلائی و نقرئی زینین کسی ہوئی تھین۔ اسیطرح بائین جانب پانچسو گھوڑے کھڑے تھے جنپر دیبا کی جھولین اور لانبے لانبے برقع پڑے ہوئے تھے۔ اور ان تمام گھوڑون کی باگین لباس فاخرہ پہنے ہوئے سائیسون کی ہاتھون مین تھین۔ یہان کی درمیان کی دہلیزون اور گذرگاہون سے ہوتے ہوئے سفیر کو چڑیا گھر کیجانب لیگئے اور کل عجائب روزگار عجائب خانہ کی سیر کرائی۔ یہان سے سفیر کو ایک اور مکان مین لیجایا گیا۔ جہان دونون دروازون پر طلائی ہاتھی نہایت خوبصورت صناعی اور کاریگری کا انمول نمونہ بناکر کھڑے کیئے گئے تھے۔ سفیر ان اشیاء اور مقامات کو متحیر ہوکر دیکھتا تھا اور ادنی ادنی باتون کو متعجبانہ طور پر پوچھتا تھا۔ اس مکان سے اسکو ایک اور مکان مین لیگئے۔ جہان ایکسو شیر تھے۔ دہنے جانب پچاس و بائین جانب ان شیرون مین سے ہر شیر کا ہاتھ چند اور شیرون کی ہاتھ مین تھا۔ اور شیرون کی گردنون مین زنجیرین اور طوق پڑے تھے۔

ایک مکان "الفردوس" کے نام سے موسوم تھا جسکی دہلیزون پر دس ہزار طلا کار زرمین آویزان تھین۔ یہان سے اسکو ایک ایسے راستہ پر لیگئے جو تین سو ہاتھ لانبا تھا اور اسکی ہر دو جانب دس ہزار دمرقہ۔ خود۔ بیقہ۔ زردیہ مرصع ترکش اور کمانین آویزان تھین۔ اور ایک ہزار گورے اور حبشی غلام چپ و راست کھڑے تھے۔ ۲۳ محلون کی سیر کرنے کے بعد سفیر کو "صحن التسعینی" مین لیگئے یہان حجری غلام لباس فاخرہ پہنے اور پورے طور پر مسلح کھڑے تھے اور ان کے اسلحہ مین برچھے، تبر، عصا، اور تلوارین تھین۔

سفیر کو مع اپنے جلوس کے صحن الشیعنی .... مین لیگئے۔ جہان کثرت سے مسلح غلام دوڑ دوڑ کے برف کا پانی اور شربت وغیرہ لوگون کو پلارہے تھے۔

اس سیر کی طول مسافت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ سات مقام پر اس عرصہ مین استراحت کی غرض سے بیٹھے اور اتنے ہی بار پانی پیا۔

جب سفیر روم قصر خلافت کی سیر کر چکا تو حریم خلافتہ سے طلبی کا پیغام پہونچا۔ خلیفہ المقتدر باللہ کے دیوان خاص کی عمارت قصر حسنی کا وہ ٹکڑا تھا جو عین دجلہ کی کنارے پر واقع تھا اور التاج کے نام سے مشہور تھا۔ سفیر جب باریاب حضوری ہوا تو اسنے دیکھا کہ آبنوس کے ایک تخت پر خلیفہ عباسی متمکن ہے اور دبیق کا ایک زرافشان جامہ پہنے ہوئے ہے جسپر طلائی بیل بوٹون کے بنانے مین صناع نے ایک حیرت انگیز انسانی کمال ظاہر کیا ہے تخت پر بھی دبیقی مطرز و مذہب فرش بچھا ہوا ہے۔

اور اسکے سرون کے دونون جانب لعل و زمرد کے دو بڑے بڑے ہار آویزان ہین۔ جنکی چمک اور درفشانی

سے تمام گرد وپیش منور ہو رہا ہے۔
سفیر روم کے ساتھ نصر القشوری بحیثیت مترجم موجود تھے۔ سفیر جب تخت کے قریب پہونچا تو اسنے سینہ پر ہاتھ رکھا اور تعظیم کے اظہار کے لئے سر جھکا دیا جو اسلامی دربار ہارون کا قاعدہ تھا۔ اسکے بعد خلیفہ کی طرف سے قیصر روم کے خط کا جواب دیا گیا جسکو سفیر نے لیکر چوما۔ آنکھوں سے لگایا اور باب دجلہ کی طرف سے اپنی فرودگاہ کو واپس گیا۔ خلیفہ کی طرف سے سفیر روم کے لئے پچاس کشتیاں عطایائے شاہانہ کی پیشتر سے پہونچ چکی تھیں۔ اسکا اندازہ مشکل ہے کہ امین سے ہر کشتی کے اندر دنیا کی کسقدر دولت موجود تھی۔ یہ واقعہ ۳۰۵ھ ہجری کا ہے۔

مسعود الرحمٰن خان ندوی

تبسمات

(مشاعرہ جشن جوبلی کی ایک غزل)

سنائے مختلف نغمے ہلاکت کے بیابان کو
مری وحشت نے چھیڑا جب سے ساز رگ جان کو

مذاق عشق" اور جینے کی حسرت" کیا تمسخر ہے
کہ جینا تھا تو دل کیوں دیدیا اس دشمن جان کو

وہ یوسف قید ہے" جو ذمہ دار حفظ عصمت تھا
ذرا تو شرم آنی چاہئے۔ دیوار زندان کو

نظر آتی ہے تصویر سحر دھندلے کناروں پر
الٰہی اور وسعت دے سواد شام ہجران کو

مناسب ہے کہ تم وحشت نگار آنکھوں کو سمجھالو
ابھی میں روک بھی سکتا ہوں آشوب گریبان کو

تبسم، لوگ ہنستے ہیں مرے چاک گریبان پر
کوئی کچھ بھی نہیں کہتا جنون فتنہ سامان کو

"تبسم"
(نمایندہ پیمانہ)

مسرّتِ بقا کی گود مین جلوہ نما ہو کر
اُٹھا انسان شب زارِ ازل سے آئینہ ہو کر
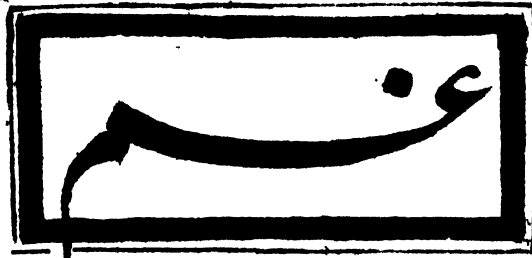
شعاعین آئینہ کی کثرتِ انوار سے چمکین
تجلّیاتِ تازہ، پردۂ اسرار سے چمکین

نوائے صبح کی تنویر سے بزمِ ازل گونجی
جمودِ مستقل مین، ایک دنیائے عمل گونجی

تبسّم سے ترنّم بن گیا عہدِ ہم آغوشی
بڑھا ہنگامۂ ہستی مین احساسِ طرب کوشی

ہوا دھندلا سوادِ خامشی اکنافِ وحدت مین
تکلّم نے نوائے روح چھیڑی سازِ کثرت مین

شگفتِ دل ہوئی زندہ، نمودِ حسنِ عریان سے
مرتب اک کتابِ نو ہوئی خلقت کے عنوان سے

فلک چلّائے، کیا انسان یکسر عیش و عشرت ہے؟
ملک گھبرائے، یارب کیا یہی معیارِ قسمت ہے؟

زمین کو پائمالی - سادگی دی آسمانون کو
مہیا کر دئے سو عیش، خاک آلود جانون کو

مساواتِ الٰہیّہ مین جوشش ارتقا اُٹھا
فضائے عرش سے اک ابر لہرین مارتا اُٹھا

دھوان سا بنکے پھیلا وسعتِ دنیائے امکان پر
غبارِ مندلین کی طرح چھایا قلبِ انسان پر

رگین دلکی سُکڑ کر ہو گئین محوِ نوائے ہو
مسرت کا سراپردہ، بنا پردہ سرائے ہو

بُرودت سے خوشی کی منجمد جو قطرۂ خون تھا
پگھل کر سوزِ فطرت سے اب اک طوفانِ جیحون تھا

بنا گھبرائیون تک جاتے جاتے ہر نفس نالہ
جب آئی سانس باہر، پڑ گیا ہونٹون پہ تبخالہ

دیارِ قلب مین اک ٹیس اُٹھی لرزشین لیکر
جگر پہلو سے دوڑا، درد کی گنجائشین لیکر

اُداسی چھا گئی عشرت کی رنگ ارغوانی پر
ہزارون نفرتین برسین مذاقِ زندگانی پر

ہوا مجروح پندارِ تعیّش روح گھبرائی
رواقِ گوش مین الہام خانے سے ندا آئی

یہ وہ نعمت ہے جو حاصل فقط انسان کو ہوتی ہے
یہ بیداری ہے وہ جس مین ہماری یاد ہوتی ہے

نوید عیش و شانِ کامرانی بے مزہ ہوتی
نہ ہوتا غم تو حسِ شادمانی بے مزہ ہوتی

نہ اٹھتا پردۂ غفلت کبھی چشم بصیرت سے
نہ ہوتا آدمی فائز وقارِ آدمیت سے

نہ لذت سوز مین ہوتی نہ کچھ لطفِ گداز آتا
نہ ذوقِ عاشقی ہوتا، نہ اندازِ نیاز آتا

فلک کو کسطرح بیدار کرتے آہ، کے نعرے
فرشتون کو سناتا کون؟ یا اللہ کے نعرے

حجابِ قدس مین یہہ رحمتِ مقسوم رہجاتی
صدائے "ہو" طوافِ عرش سے محروم رہجاتی

"تسلسل" ناگوارِ فطرتِ انسانِ فانی ہے
"تواتر" جسطرح کا ہو وبالِ زندگانی ہے

تنوع مانگتی ہے روح کی اجسام آرائی
بلا جب ختم ہوئی دورِ طرب کی عظمت افزائی

مکمل قوتِ برداشت پہلے جان کو دیدی
پھر اک بالکل اچھوتی بیکلی انسان کو دیدی

یہ وہ حالت ہے جو وجدان مین لاتی ہے انسان کو
یہ وہ دولت ہے جو مشکل سے دیجاتی ہے انسان کو

یہ اک پردہ ہے جسمین سوا داؤن سے نہان ہم ہین
یہ اک جلوہ ہے جسمین آرزو بنکر عیان ہم ہین

یہ وہ آتش ہے ہر شعلہ مین جسکے ایک جنت ہے
یہ وہ کاہش ہے ہر لمحہ مین جسکی نشو فطرت ہے

یہ وہ نشتر ہے جسکے زخم پھولون کے خزانے ہین
یہ وہ جوہر ہے جسمین بند سو آئینہ خانے ہین

یہ وہ قوت ہے جو انسان کو آگے بڑھاتی ہے
یہ وہ عشرت ہے جس سے روح اک تسکین پاتی ہے

یہ وہ اکسیر ہے ہوتا ہے دل کا تزکیہ جس سے
یہ وہ تفسیر ہے کھلتا ہے رنگِ مدعا جس سے

یہ وہ عالم ہے جسکی سیر کو قدسی ترستے ہین
یہ وہ شبنم ہے جسکی نگہتون سے پھول بستے ہین

یہ وہ ہے شمع جسکا نور پچھلی رات ہوتا ہے
یہ جذبہ جاگتا ہے اور سب سنسار سوتا ہے

یہ ہے وہ سوز جس سے رقص مین ہین ساز کے پردے
یہ ہے وہ شور اٹھ جاتے ہین جس سے راز کے پردے

یہ جذبہ ہے جو دل سے روح کو مانوس کرتا ہے
یہ وہ لذت ہے تنہا دل جسے محسوس کرتا ہے

ساغر نظامی

لطیفہ

لطیفہ خانم کی شادی ہوئے آج تین روز ہوگئے تھے۔ جب مین اُس سے ملنے گیا تو کوئی نصف گھنٹہ تک آفتاب عالمتاب کی منور شعاعین دریچہ مین سے باہر فرش ارض پر اٹھکھیلیان کرتی رہین۔ مین ابھی تک اس کمرہ مین جو لوگون کی آمد و رفت کا جولانگاہ بنا ہوا تھا بیٹھا اوپر کیجانب دیکھہ رہا تھا۔ انتظار کی گھڑیان کٹھن معلوم ہوتی تھین۔ غور و فکر مین منہمک۔ حیرت و استعجاب مین غرق تھا۔

"مین کیسے اب دوبارہ اس سے ملاقات کرسکونگا۔ کیا اسکی نگاہونکی مقناطیسی کشش مجھے پاگل نہ بنادیگی؟ یا مزید بران کچھہ اور۔ مجھے تعجب ہے کہ مین دور مستقبل کے ان برسون مین کیسے زندہ رہ سکونگا۔ اسکی افلاس و شکستہ حالی کی تکلیف دہ معلومات نے میرے دلپر ایک تیزاب کاسا اثر کیا ہے جسکی لپٹین چارون طرف پھیلی ہوئی ہین۔

جب زندگی مین مسرت جاتی رہتی ہے۔ وہ روح جو زندگی کو قیمتی بناتی ہے نکال کر پھینکدیجاتی ہے اور ناامیدی انسان کو محیط کرلیتی ہے۔ انسان بہت جلد عمر کے زینے طے کرتے ہوئے کہن سال ہوجاتا ہے۔ مگر اسطرح بھی زندگی کے دن کم نہین ہوتے۔ ہر صبح مصائب کا ایک بار اور غم کا پہاڑ اپنے ہمراہ لاتی ہے۔ اذیت رسان لمحات زندگی رینگ رینگ کر پورے کرنے پڑتے ہین۔ وقت بے رحم ہے۔

(۲)

میری زندگی جو اتنک متین اور سنجیدہ تھی - زندگی کے [illegible] تغیرات نے جو تیزی اور عجلت سے وقوع پذیر ہوتے رہے جن اندوہناک اور مسرتون کے —— یکے بعد دیگرے پلٹے کھانے نے میری زندگی مین انتہائی انقلاب پیدا کردیا ہے۔ اگر ایک مصور نے میری زندگی کی تصویر بنانے کی کوشش کی ہوتی تو اوسنے اُسے ایک نقرئی رنگ کے ذریعہ سے بنایا ہوتا۔ اور زیادہ روشنی اور گہرے عکس کو باہم ملاکر ایک طرح کی یکسانیت پیدا کردی ہوتی۔ میرے والد اچانک بیمار ہوگئے۔ بیماری بتدریج گھر کرتی گئی۔ انکی حالت بالکل خراب ہوچلی تھی۔ ابتدا مین کسی مہلک بیماری کا خدشہ نہ تھا۔ اب نوبت یہانتک پہونچی کہ کھانا پینا برائے نام رہگیا۔ راتیں بیچینی سے کٹتی۔ مجھے بھی اکثر ان کے ساتھہ شب بیداری کرنی پڑتی۔ رات کو کھانسی بھی ہوتی۔ ایک شب کو دو مرتبہ اس شدت سے کھانسی کا دورہ پڑا کہ اونکا سانس رک رک گیا جس کی وجہ سے مجھے انتہائی روحی تکلیف محسوس ہوئی۔ مجھے سخت اندیشہ لاحق ہوا کہ خدانخواستہ میرے والد کی زندگی خطرے مین ہے۔

صبح کو مین نے ایک مشہور ڈاکٹر کو بلایا جسنے کامل احتیاط سے ان کا معائنہ کیا۔ وہ اوسط عمر کا ایک رحمدل انسان تھا۔ اوسنے کہا کہ انہین کوئی خاص تکلیف نہین ہے۔ لیکن انہین کسی پوشیدہ فکر یا ناامیدی کی وجہہ سے اس تکلیف کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اور جہانتک مین نے اندازہ کیا ہے ان تفکرات کی وجہہ سے اُن پر گھبراہٹ طاری ہے جس سے

ان کا دل بے حد متاثر ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبض کی رفتار کمزور معلوم ہوتی ہے۔ اکثر اوقات ان حالات مین ایسی حالت ہو جاتی ہے جبکہ دل کی حرکت جسم اور صحت پر مضر اثر ڈالتی ہے ڈاکٹر نے کہا کہ اگر معلوم ہو جائے کہ انہین کس بات کا صدمہ ہے تو اسکے دفاع کے لئے ہر ممکن کوشش کیجائے۔ مجھے بتلایا گیا کہ فکر کی کوئی بات نہین۔ وہ جلد اچھے ہو جائین گے ڈاکٹر کے یہ الفاظ کہ ان کو کسی بات کا سخت صدمہ ہے دیر تک میرے کانون مین گونجتے رہے۔

ڈاکٹر کی تشخیص مین کسقدر صداقت ہے۔ یہ کسطرح ممکن ہے کہ یہ کوئی راز دل مین مخفی رکھتے ہین۔ جون جون دن گذرتے گئے میرے والد کی حالت خراب تر ہوتی گئی۔ مین نے ڈاکٹر سے کہا مین بمشکل خیال کر سکتا ہون کہ یہ موسم بہار تک زندہ رہ سکینگے۔ اس نے مہذبانہ طور پر سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا کہ تمہارے والد کا قلب آہستہ آہستہ بیٹھا جا رہا ہے۔ ایک چیز ہے جسکی وجہ سے مین بھی مایوس ہو چلا ہون جب تک یہ اپنا راز نہین بتائین گے اسوقت تک ان کی زندگی کی کوئی امید نہین ہو سکتی۔ مین دل مین بڑبڑانے لگا کہ کیا میرے والد کا سایہ میرے سر سے اٹھنے والا ہے۔ ہرگز نہین۔ کبھی ایسا نہین ہو سکتا۔ مین تاریکی اور تنہائی مین آہ سرد بھرتا اور کہتا کہ میرا خدا ہرگز ایسی بے رحمی کی اجازت نہین دیگا۔

(۳۴)

میرے والد بغرض تبدیل آب و ہوا ایک مقام پر چلے گئے جو نہایت فرحت افزا مقام تہا۔ وہان خوشنما درخت تھے انواع و اقسام کے خوش رنگ پھولون نے اپنی مہک چارون طرف پھیلا رکھی تھی۔ آب و ہوا ——— بہترین اور خوشگوار تھی۔ یہان پر دور دور سے لوگ بغرض سیر و تفریح آیا کرتے تھے۔ ایک ماہ کے بعد والد گھر واپس آئے۔ والد نے مجھے متبسم نظرون سے دیکھا۔ مین اونکو دیکھکر ششدر و حیران رہگیا جب خوشی سے اونہون نے مجھے گلے لگا لیا۔ اونہون نے کہا کہ میری تمام محبت تمہارے لئے ہے۔ ان لفظون نے میرے سینے مین جوش مسرت بپا کر دیا۔ مین نے روتے ہوئے کہا۔ ای میرے محترم والد (میرا گلا جذبات محبت و انبساط سے رک گیا) مین نے کہا کہ کسقدر مسرت کا مقام ہے کہ میرے پیارے ابا جان تندرست ہو کر خوشی خوشی گھر واپس آئے اب ہماری مسرت مکمل تھی۔ میرے والد کی صحت یابی نے میری مسرتون پر آخری مہر ثبت کر دی۔ ہمارے گھر مین مسرت محو رقص تھی۔ ہر کمرہ یکایک پھولون سے آراستہ ہو گیا تہا۔ در و دیوار خوشی سے گونج رہے تھے۔ آفتاب کی جلوہ فگن کرنین دریچہ مین سے طلسم زا عکس ڈال رہی تھین۔ جیسا کہ بلبل کا دل کسی جدید نغمہ سے لبریز ہو جاتا ہے۔ میرے دل پر جو غم کے تاریک بادل چھائے ہوئے تھے وہ سب منور سورج کی روشنی سے پہلے چھٹ گئے۔

آہ۔ یہ تبدیلی صحت بہت کم عرصہ تک قایم رہی۔ میرے والد قسمت کی اس دوسری ضرب سے بچ نہ سکے۔ اچانک ان کی قوت سلب ہو گئی۔ کمزوری اونکی اجزائے حیات پر غالب آئی اور بالآخر وہ بغیر کسی مزاحمت کے ہمیشہ کے لئے صاحب فراش ہو گئے۔

(۴)

اب مین نے جاناکہ مصیبت کسی کہتے ہین - یہ رنج و غم کیسے دور ہوگا - میرے والد کے انتقال کے بعد میری والدہ نے مزید خاموشی اختیار کرلی - وہ اسی غم مین محو رہتین - مین غمگین دل کو بہلانے کے لئے شہر سے باہر دو - دو - تین - تین میل سیر کرنے کو نکل جایا کرتا تہا - اور کتابون کے مطالعہ مین وقت صرف کرتا تہا - اور ان سے جب دل اکتا جاتا تو پھر ایک اونچی چٹان پر چڑھ جایا کرتا - وہان سے سرسبز کھیتون کا دلآویز منظر نظر آتا تہا - اسکی ایک جانب ایک جھیل تہی - کسان جب اپنے کام سے فارغ ہونے کے بعد کھیتون سے باہر آتے تو وہ سب یکے بعد دیگرے آکر ایک مرکز پہ آرام لیتے - ہنستے - بولتے اور باتین کرتے - مین اپنے ضمیر سے کہتا کہ یہ تنہا نہین - ان سب کے دوست و احباب ہین - ان کے والدین ہین - گھر مین کوئی ان کے خیر مقدم کا منتظر ہے - مسرت اور بشاشت سے اُن کے چہرے منور نظر آتے ہین - لیکن مجھہ بدقسمت کی طرح کوئی اکیلا اور تنہا نہین ہے - ایک زبردست دہچکا میرے دل نے محسوس کیا - ایک ناقابل بیان مصیبت مجھپر اضافہ کرتی جارہی تہی -

ایک صبح ہماری گفتگو ہوئی - مین بالکل نہین جانتا کہ یہ واقعہ کیونکر پیش آیا - مین اسکی تفصیل پیش کرنا چاہتا ہتا مگر مین اس سے قاصر ہون - مین نے دلی جوش کے ساتہہ اس کا خیر مقدم کیا - کہ مجہے تنہائی کی ایک رفیقہ کا شرف حاصل ہوا -

ہم آزادانہ طور پر ملے - میری محبت مثل ایک بہائی کی سی محبت تہی - یہہ محبت گہرے جذبات پر مشتمل تہی -

اوسکا نام لطیفہ تہا -

(۵)

جون جون وقت گذرتا گیا - ہمارے دوستانہ تعلقات وسیع تر ہوتے گئے - وہ قدرتاً ذی حس اور پاکیزہ خصائل (کی) واقع ہوئی تہی - مجہے رفتہ رفتہ یہ معلوم ہوا کہ وہ تعلیم کی خواہشمند ہے اور اکثر اوقات وہ کہتی تہی کہ اسکو تعلیم کا کوئی موقعہ نہین دیا گیا - مجہہ سے جسقدر ہوسکا اسکو خود تعلیم دی - اسنے کہا کہ اسکو پڑہنے اور لکھنے کے لئے زیادہ وقت نہین ملتا اور میری مدد کرنے کے لئے بھی کوئی آدمی طیار نہین - کہ مجہے اس راستہ پر لگا دے - مجہے بجائے راہ راست کے جنگل کی راہ پر ڈالا گیا - مین نے اپنا فرض ادا کرنا چاہا مگر اوسکی غیور طبیعت نے اسکو گوارا نہ کیا - لیکن اس نے میری اس امداد دہی اور ہمدردی کا شکریہ ادا کیا - وہ باربار کہتی کہ یہ آپ کی حد درجہ لطف و عنایت ہے - مین نہین جانتی کہ آپ کیون مجھہ ایسی ناکارہ لڑکی کے لئے - ایک معمولی غلام لڑکی کے لئے اپنا وقت ضائع کر رہے ہین - مین نے اسپر سختی سے صدائے احتجاج بلند کی کہ تم معمولی لڑکی نہین ہو - تم ایک عقلمند اور پاکیزہ سیرت کی لڑکی ہو - تم قدرت کی خوبصورت اشیاء سے محبت کرتی ہو -

لیکن مین آپ لوگون کی ہم قبیل نہین ہون - مین خاتون نہین ہون -

مگر تم کیسے جانتی ہو کہ تم خاتون نہین ہو؟

لطیفہ - میرے والدین غریب اور مزدور تہے؟

مین - کیا یہ واقعات حقائق ہین؟ ---- ہمارے والدین کون تہے - کیا حقیقتاً ہماری ہستیان جدا جدا ہون

ہماری ترقی یا تنزل ہمارے اختیار میں ہے - اور ہماری ذاتی مساعی کا نتیجہ ہیں۔

لطیفہ - کیا یہ صحیح ہے - مین بعض اوقات خیال کرتی ہون کہ ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ مجھے اسپر کامل یقین اور اعتماد ہے - اوسنے مجھسے کہا کہ میری نگاہیں تمہاری اتنی متلاشی تھین جتنی کہ اس باطنی صداقت کی جوکہ تم نے ابھی اس سے بیان کی تھی - مین دیکھتا تھا کہ وہ دل میں احتیاط سے اس معاملہ پر ضرور غور کر رہی تھی - مین متحیر تھا کہ اسنے کافی دیر کے بعد کہا - کہ مین حیران ہون :-

(۶)

چند روز کے بعد اسکی ظاہری حالت بالکل تبدیل ہو چلی تھی اسکے کپڑے ہمیشہ اچھے ہوتے تھے - اسکے ہاتھ بھی خوبصورت اور زیادہ صاف تھے جیسی کہ ایک روزمرہ کام کرنیوالی لڑکی سے توقع کیجا سکتی ہے - ایک ماہ بعد وہ بالکل ایک دوسری لڑکی تھی -

زمین میرے لئے پھر ایک مرتبہ ساحرانہ محبت سے آراستہ کیگئی - مین اب تنہا نہین تھا - میری بے لطف زندگی دلچسپی کا مرکز بن گئی - میری زندگی کا ایک جدید باب شروع ہوا - مین اب باغ مسرت مین مسرور رہنے لگا - انسانی زندگی مین جسقدر سرور انگیز کوئی چیز ہو سکتی ہے وہ مجھے میسر تھی - اس سے قبل مجھے کبھی ایسا تجربہ نہین ہوا تھا - میرا مستقبل کبھی ایسا شاندار - اور اسقدر منور نہین ہوا تھا میرے تمام مصائب اور تنہائی کی کلفتین رفع ہوگئین اور سب رنج وہ باتون کو مین بھول گیا - ہر صبح میری ہونٹ ایک جدید نغمہ سے گنگنانے لگی - محبت کا جو مبارک رشتہ ہم دونون کے درمیان قایم تھا اسکی بہترین مسرت کے اظہار سے مین خود کو قاصر جانتا ہون - ایثار اور دوستی کی یہ قیمتی قسم ہماری محبت کو استوار کر رہی تھی اسمین سب سے زیادہ جو چیز قابل تمیز تھی - وہ مکمل آزادی تھی - ہماری محبت بالکل پاک - لبریز مسرت - بے غرض و بے لوثی پر مشتمل تھی - مین جانتا تھا کہ وہ مجھے سراہتی تھی اور اوسکا یہ سراہنا دل سے تھا اور مین اپنی جانب سے تدریجاً وابستہ ہوتا جاتا تھا - مین اسکی ترقی کی دیکھ بھال کرتا تھا - بتدریج اسکی ذہنی ترقی نہایت حوصلہ افزا اور باعث نشاط تھی - مین اس مین سرگرمی سے دلچسپی لیتا رہا - اسی طرح روز افزون ہماری فرحت و شادمانی [illegible] تھی - بغیر یہ جانے ہوئے کہ اسکا باعث کیا ہے ! ہم زنجیر محبت مین منسلک ہوتے چلے جا رہے تھے - اور اس راز کو ہم نہ سمجھ سکے - مین خیال ہی نہین کر سکتا تھا کہ کبھی ہم اس حد تک پہونچ جائین گے جو حاے کہ دوستی کو محبت سے جدا کر دیتی ہے -

(۷)

لطیفہ - خوبصورت - نازک بدن لڑکی تھی جسکے نقش نگار - اعضاء و اطوار نہایت دلآویز تھے - سیاہ بال اور بڑی بڑی آنکھین جو انسانی جذبات کو اپیل کرتی تھین - اگرچہ اسکے دانت بڑے تھے لیکن اسکی عام حالت متأثر کن تھی - مین نہین جانتا کہ کوئی دوسرا شخص اسکو خوبصورت کہیگا - اغلباً نہین - مین جانتا ہون کہ مجھے اعلیٰ لباس سے کوئی خاص دلچسپی نہین - اور نہ میرے پاس زر ہے کہ میرے ارادے مین تغیر کرے - اگرچہ مین آتش فشان شعلہ

ہون۔ مگر خاموشی جو مجھہ پر مسلط ہے یہ بہی جانے سے رہی
جذبات و ہیجان اور زود تلاطم خیز روانی بہی اسکو بہاکر نہ لیجاسکی
صرف لطیفہ کی ساتہہ میں قدرتاً جذبات محبت کو روک سکا
اسکا جوش وخروش بہی عقاب کی طرح بلند پروازی پر تہا۔
کبہی تو وہ وفور مسرت مین گانے لگتی اور کبہی فرط الم سے
رونے لگتی۔ اسکی آواز نہایت پیاری اور شیرین تہی۔
کبہی تو یہ معلوم ہوتا تہا کہ کوئی خوش الحان پرند نغمہ ریزی
مین مصروف ہے اور بعض اوقات عجیب گہرے غم کا سا
اظہار۔ کبہی وہ ضدی اور چنچل لڑکی بن جاتی اور کبہی
تربیت یافتہ اور متواضع لڑکی ہوتی تہی۔ کبہی وہ بالکل خاموش
ہوجاتی اور جوش گریہ سے بیمار پڑجاتی وہ ناامیدی اور
خوف سے برداشتہ خاطر اور تکلیف مین بسر کرتی۔
وہ ایک خوبصورت نازنین تہی جسکے مزاج کا پارا کبہی
انتہائی ڈگری پر ہوتا تہا۔ یا ایک دوسری صورت ہوتی تہی
جیسے وہ بے خوف سرخ انگارون مین چل رہی ہو۔
وہ ڈیکنز کی لڑکی کی طرح تمام جذبات اپنے اندر رکہتی تہی۔

(۸)

یکایک اسکی چہل قدمی جاتی رہی۔ اسکی پرتبسم آنکہونکی مسکراہٹ
کافور ہوگئی۔ مین نے وجہہ دریافت کی اسنے تبانے سے
انکار کردیا۔ ایک ہی ہفتہ مین اسکی حالت غیر ہوگئی۔ ناتوانی
اور کمزوری سے وہ مغلوب ہوگئی۔ اسکی زمانہ ناقبل کی
سی خوشیان جاتی رہین۔ اسکی بڑی بڑی آنکہین اشک
ہائے غم سے لبریز رہنے لگین۔ اب اسکی اٹکہیلیان موقوف
ہوگئین۔ اسکی چلبلاہٹ مفلوج ہوگئی۔ وہ غمگین رہنے لگی
قدرے خشک کہانسی بہی اسکو ہونے لگی۔ گاہی گاہے
اسقدر شدت سے کہانسی ہوتی تہی کہ اسکا سارا بدن ہلجاتا
اسکے بدن کا گوشت پوست بالکل سفید پڑگیا۔ مین نے
جب اسکی جانب دیکہا اسکی آنکہین آنسوؤن سے بہری
دیکہین۔ اکثر مین نے یہ دیکہا کہ وہ میری تاڑ مین رہتی ہے
جیسے کسیکو کچہہ تحقیقات کرنی منظور ہو — مین یہ نہ سمجہہ
سکا کہ اس تجسس آمیز کارروائی کا مقصد کیا ہے۔ آخر
مین اسکا رویہ بنہایت تعجب خیز تہا۔ مین اس نتیجہ پر پہونچا
کہ شاید یہ سب لطف و مہر رائیگان جائے گا۔ اسکی پہلی
سی محبت اور مسرت مین انتہائی تغیر واقع ہوگیا تہا۔ وہ
رنجیدہ اور ملول ہوکر میرے لئے ایک راز بن گئی۔
بعض اوقات بلاوجہہ مجسمۂ جذبات متحیر بن جاتی اور کبہی
اسیر خواب کی سی کیفیت طاری ہوجاتی جسکے دیکہنے سے
یہ معلوم ہوتا تہا کہ شاید اسکی حالت غیر مبتدل و غیر متغیر ہو
چکی ہے۔ میری بہن کے دل مین کیون غم کے جذبات
پنہان تہے۔ مین بالکل سمجہنے سے قاصر رہا۔
مین نے ہر طریق سے اس راز اور بیماری کے دریافت
کرنے کی سعی کی۔ مگر افسوس یہ راز مجہے معلوم نہ ہوسکا جسکی
وجہہ سے اسکی ایسی حالت ہوگئی تہی۔ جبکہ مین اپنے بستر
پر ناامیدی کی حالت مین لیٹا ہوا تہا تو مین اچانک کیا دیکہتا
ہون کہ **لطیفہ** دروازے کے پاس کہڑی ہے۔ فوراً ایک
مسرت کی چیخ میرے منہ سے نکلی۔ مین اٹہا اور اسکی
طرف لپک کر گیا۔
لطیفہ! لطیفہ!! مین چلایا۔ او لطیفہ!!! میری چہوٹی
بہن۔ میری پیاری بہن۔ آؤ۔ میرے پاس آؤ ——
دوسرے لمحہ مین وہ فوراً میرے بستر پر آکر بیٹہ گئی۔

جسطرح ننھے بچے اپنی ماں کا بازو ہاتھ میں لیکر لپٹ جاتے ہیں۔ وہ بجنسہٖ میرے بازو سے لپٹ گئی۔ رات کا وقت تھا۔ گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔ ایک ایسی آواز کے ساتھ جو شدتِ غم و جذبات الم سے لرزاں تھی ندامت و شرم کی تکلیف۔ ناامیدی کا ناقابل مغلوب غلبہ۔ اور اپنی مصیبت انگیز رازوں کی وجہ سے وہ سسکیاں لے رہی تھی۔ "وہ شادی نہیں کرے گی" اور وہ اسکو...... پسند نہیں کرتی وہ میرے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ وہ کیوں اس قدر خوش تھی...... اور مرنے پر تلی ہوئی تھی:—

اگر تم محض میرے ساتھ ایک بھائی کا سا رشتہ رکھو گے میرے دوست ابھی ایک مرتبہ...... ابھی اس مختصر رشتۂ حیات کو...... وہ معروف گریہ ہوگئی۔ اگر تم صرف مجھ سے ایک چھوٹی بہن کی سی محبت کرو گے میں رات بھر اسی خیال میں ڈوبی رہونگی۔ تمہارے متعلق تمہارے ہاتھوں۔ تمہارے چہرے اور تمہاری مسکراتی آنکھوں کے خیال میں غرق رہونگی——

——اور تم نہیں جانتے۔ بعض اوقات میرے احساسات اور جذبات کی کیا حالت ہوتی ہے۔ میں گرسنۂ محبت۔ غمگین اور نامرادی میں محیط اور ایک عرصہ سے موت کی طالب ہوں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ میں تمہارے بغیر زندگی بسر کر سکونگی؟ تم میں یہ تضاد و تخالف اسقدر خاموشی میں آتشِ محبت میں سلگ رہی ہوں۔ تم اسقدر بے خبر ہو۔ تم میری سوزش اندرونی سے مطلق بے خبر ہو اور ابھی تک بعض اوقات میں سمجھتی ہوں کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔ اور شروع میں مجھے یقین تھا کہ ایسا ہی ہوگا۔ لیکن اب—— مجھے یقین نہیں۔ میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں بخوبی اسکا اظہار کر سکوں۔ میں زندگی سے بیزار اور موت کو لبیک کہنے کے لئے تیار ہوں۔

آہ۔ کس قدر خوفناک کنارے تک میں آلگی ہوں۔ میری شکستہ حالی کو دیکھو میں۔ میں اپنی آپ مدد نہیں کر سکتی کئی گھنٹوں کے بعد آخر وہ سسکیاں لیتی ہوئی بستر پر لیٹ گئی۔ ایک مجروح پرند کی طرح اس کا جسم گرم تھا۔ وہ میری بغل میں پڑی سو رہی تھی۔ میرے کرتے کا اگلا حصہ اسکے آنسوؤں سے تر ہوگیا۔ اسکا سانس تیزی سے چل رہا تھا۔ اسکا سینہ دھک دھک کر رہا تھا اور آواز میں کپکپی تھی۔ قبل ازیں لطیفہ مجھے اتنی پیاری معلوم نہیں ہوتی تھی۔ برادرانہ جذبات کے گہرے خیالات اسقدر زبردست قوت کے ساتھ پہلے کبھی میرے دل میں مجتمع نہیں ہوئے تھے۔

(۹)

دوسری صبح کو میں نے اپنے چچا کو جنکی سپردگی میں وہ لڑکی تھی ایک خط لکھا۔ گذشتہ رات سے جو تجاویز میرے دل پر مرتسم تھی اُن سے کامل طور پر اُن کو آگاہ کیا۔ وہ تجاویز میری بہن کیلئے مسرت آور تھیں۔

میرے پیارے چچا!

میری زندگی کا یہ مقصد رہا ہے کہ میں غربا کی خدمت کروں نہیں ان لوگوں کی خدمت کرنی چاہئے جو ہماری خدمت کر رہے ہیں۔ یہ انسانی فرائض کا قانون ہے جسکی بےحرمتی اور خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیئے۔ ورنہ یہ انسانیت سے

بعید اور انسانی غیرت پر ایک نہایت بدنما داغ ہے۔ غربا
ہماری خدمت کرتے ہین۔ ہمارے لئے مصائب برداشت
کرتے ہین۔ ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم بھی اپنی فرائض کو
پہچانین۔ انکی تکالیف رفع کرین۔ میری زندگی کا مقصد
یہی ہے کہ ہر ممکن طریق سے ان کی قدر کیجائے۔ خواہ
کسی طریق سے ہو۔ ان کی زندگی کو ایسا منور بنایا جائے
کہ مسرت ریز کرنون کی رسائی ان تک پہونچ سکے۔ انکی
رنج و محن زندگی مین شادکامی کا اضافہ کرین۔ اگر انسانی
مظالم ان پر جاری رہے اور اگر پیدائشی فوقیت کا سلسلہ
ان کو ذلیل سمجھنے کے لئے قائم رہا اور زندگی کی بہترین
چیزین محض چند مخصوص قسمت انسانون کی ہاتھون مین
محدود رہین تو اسلام مقبولیت اور تہذیب کی قوت کو
کھو دیگا۔ اور یہ زمانہ جہالت و تاریکی کا عہد شمار ہوگا۔ غربا کی
۔ یہ بے انصافی کئی نسلون سے اب بتدریج عروج
و ارتقا کی حالت تک پہونچ چکی ہے۔ ہر جگہہ یہی تماشہ
نظر آتا ہے۔ ان شکستہ قلوب کی آہ و زاری۔ نالان و
گریان چارون طرف سے بلند ہو رہی ہے۔ مفلسی، گرسنگی
اور معصومیت کی یہ مخلوق۔ خدا کے ان درماندہ بیٹون اور
بیٹیون سے یہ بے التفاتی یہ مظالم تا بکے۔ تمام دنیا دو
شرمناک حصص مین منقسم ہے۔ غریب اور امیر۔ مطمئن
ہستیان اور غیر مطمئن وجود۔ ظالم و مظلوم۔ سرمایہ دار
و مزدور جماعتین۔ دنیا کا امن اسوقت تک مفقود
ہے جبتک انسانیت سوز مظالم کی یہ عدیم النظیر تفریق
و تقسیم جاری رہیگی۔ اور نوع انسانی کی اس مخلوق
کی بربادیون اور ہلاکتون کا یہ تسلسل قایم رہے گا۔

یہی وہ میرے خیالات ہین۔ جنکی بنا پر غربا اور مزدورون
کے ساتھہ میری ہمدردی وابستہ ہے کہ دنیا ان کو ذلت
اور حقارت کی نظرون سے دیکھتی ہے۔ انکی تلافی تب
ہی ممکن ہے کہ خدائی سلطنت کو ان مردود لعنتون سے
پاک و صاف کیا جائے۔ اور دنیا مین مساوات انسانی
کا مبارک قانون نافذ ہو۔

شادی کی متعلق نہایت ظالمانہ طریقے رائج ہین۔ خدا کے
لئے ان مظالم کو مٹائیے اور غریب طبقون پر سے ظلم کی
اس بار گران کو دور کیجئے۔ وہ غریب یتیم ہے۔ اس پر
شفقت اور رحم کے دروازے بند نہ کیجئے۔ اسکی زندگی
تلخ بنانے سے پرہیز کیجئے۔ اس کا جرم محض یہ ہے کہ وہ ایک
غریب طبقہ سے تعلق رکھتی ہے اس پر باب علم کیون
بند کیا جاتا ہے چشمۂ علم سے اسکو کیون سیراب نہین
ہونے دیا جاتا۔ اس واسطے کہ وہ غلام لڑکی ہے؟

یہ نہ خیال کیجئے کہ ایک غلام لڑکی کا شریک زندگی بھی
ایک غلام ہوگا۔ کیونکہ وہ ہمارے باورچی خانہ کی ایک خادمہ
ہے۔ یہ بھی خیال دل مین نہ لائیے کہ وہ ہمیشہ آپ کی
خدمت گذار لڑکی رہیگی۔ کون جانتا ہے کہ ایک وقت
اسکے لئے ایسا آئیگا کہ وہ ترقی کے اعلیٰ مدارج طے کریگی
کون کہہ سکتا ہے کہ کسقدر وقت گذر چکا ہے۔ اس
یتیم اور معصوم لڑکی کی زندگی کی مسرتون اور اسکی خوبصورتی
کو معدوم ہونے سے بچائیے۔ اسکو خاک و آگ مین
نہ جھونکیئے۔

(۱۰)

لطیفہ اب فصل ایک پودے کے تھی کہ جسکو کسی گنج سے

لایا گیا ہو اور اسکو آفتاب عالمتاب کی تیز شعاعون کے سامنے رکھہ دیا گیا ہو۔ آہستہ آہستہ اسکی پہلی سی مصیبت زدہ حالت دور ہو چلی تھی۔ اسکی مسرور آنکھون مین وہی نورانیت پیدا ہو گئی تھی اسکے ہونٹون پر تبسم رقص کرنے لگا تھا۔ ایک پرسکون باطنی طمانیت بیش بہا مسرت اور عشرت اسکے اندر پیدا ہو گئی تھی۔ اور اسکی آنکھین جنہون نے مجھے پریشان اور تفکرات سے لبریز کر دیا تھا۔ اب وہ پہلی سی مشکوک نگاہون کی حامل نہ تھین۔ یہ ایک ... شام کا وقت تھا۔ عطر بیز پھولون نے ہوا کو معطر بنا دیا تھا ... نگ زا قدرت کی نیرنگیون نے میرے دل پر ایک عجیب ... اثر پیدا کر رکھا تھا۔ لیکن میری روح کیلئے صرف ویرانہ ... بنا یا گیا تھا۔

مین نے لطیفہ سے کہا کہ تم ضرور اب شادی کر لو۔ مین جانتا ہون کہ یہ ایک ناقابل بیان ——— سخت بیرحمی ہو گی ... سے تمہاری رفاقت اور دوستی نے تمہارے ان خیالات ... نے ...... مجھے پھر اسی مقام پر۔ اس خطرناک ... کے کنارے پر لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ اب مین تم کو فریب نہین دے سکتا ——— اُسکی آواز جذبات سے رک گئی۔ اس نے ایک لرزان۔ مجروح کن نظر مجھہ پر ڈالی جس نے آنکھون ہی آنکھون مین مجھپر تاثیر انگیز احساسات طاری کر دئے۔ تم۔ تم کو ضرور اسکے انجام تک ساتھہ دینا ہو گا۔

مین نے جلد بغیر پس و پیش اس سے کہا۔ تم اب ——— اس قول سے پھر نہین سکتین تم ——— تم ضرور شادی کر لو لیکن ———

کرتا ہون۔ مین ڈرتا ہون۔ کہ میرے دل مین جو آگ مشتعل ہو رہی ہے وہ مجھسے بے وفائی کرنا چاہتی ہے۔ میری پاس کہنے کیلئے کچھہ نہین۔ کچھہ نہین۔ مین ابھی تک تم سے ——— برادرانہ محبت کرتا ہون۔ ہان۔ مین تم سے حقیقتاً محبت کرتا ہون۔ مین نے جب اسکے چہرے کی جانب دیکھا۔ مین نے خیال کیا کہ اسکے دلربا چہرے پر حجاب کی ایک رو نمودار ہوئی۔ اسکی شکن آلود بھوین اب صاف تھین۔ اسنے ایک لمحے تک ایک گہری مسکراہٹ کا اظہار کیا۔ تب اس نے اچانک ...... عجیب لب و لہجے مین کہا۔

کیا تم حقیقی معنون مین کہہ رہے ہو؟ میرا مطلب یہ ہے کہ تم گول مول الفاظ نہ کہو۔ میری لئے اس معمہ کو آسان تر بنا دو۔ تب مین نے انتہائی طور پر جذبات کو مغلوب کرنے کی کوشش کی۔ بہ با وجود اسکے۔ میری چیخ نکل گئی ——— آنکھون سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے اور اس اثناء مین مین نے اس تمام تلخ صداقت کا کھلم کھلا اسکے سامنے اظہار کر دیا۔

افسردگی آسمان پر جھلک رہی ہے۔ یہ ہی "مشمع زندگی" مجھسے رخصت ہو گئی ہے۔ ستارے یکے بعد دیگرے غائب ہوتے جا رہے ہین۔ اب مین پھر ایک مرتبہ تنہا ——— اور تنہائی کے بھنور مین غوطے لگا رہا ہون۔ ناگہانی جنوبی ہوا آتی ہے خاموش سفید سڑک پر آندہی کے بگولے اُٹھہ رہے ہین۔ مین اپنے چہرے اور ہونٹون پر خشکی اور سختی محسوس کرتا ہون میری زندگی غیر خوشگوار ہے۔ برسون کے بعد ایسی علامتین آتی ہین۔

(ماخوذ از انگریزی) راجہ غلام احمد

* برائے لطف "برائے کرم" مین سود بانہ درخواست

میرا پیام لے جا

(نظم متعلق تصویر)

(۱)

اے نامہ بر کبوتر جبریل پر کبوتر
رنگین نظر کبوتر عنقا سیر کبوتر

میرا ہمائے خلوت اے نغمہ بار تو ہی
میری الم کدہ میں شب زندہ دار تو ہی

اے مرغ صبح آرا
اب ضبط آرزو کا دل میں نہیں ہے یارا

مجروح و ناتوان ہون
مجبور و خستہ جان ہون

محروم جاودان ہون
ناآشنائے غم ہون اور مبتلائے غم ہون

جذبات منتشر ہیں
مجبور سی پڑی ہون حالات منتشر ہیں

تو بام آشنا ہے
الہام آشنا ہے

اک نامۂ تمنا ہنگامۂ تمنا!
بالائے بام لے جا
میرا سلام لے جا

(۲)

آخر خموش کب تک یون صبر کوش کب تک
نالہ فروش کب تک ویران ہوش کب تک

دل کے تپش کدے میں شعلے بھڑک رہے ہیں
پہلو میں آرزو کی نشتر کھٹک رہے ہیں

ناکام آرزو ہون
سرگشتۂ تمنا۔ بدنام آرزو ہون

وہ شہریار نخوت
محو خمار نخوت
پروردگار نخوت

آمادۂ تغافل شہزادۂ تغافل
جس میں نہیں مروت

جو صبر آزما ہے جسکو ہے مجھ سے نفرت
جو مجھ سے بیخبر ہے جو آفت نظر ہے

میرا پیام فرقت میرا سلام فرقت
آج اُسکے نام لے جا
میرا پیام لے جا

(۳)

یہ میری نوجوانی اسپر یہ سرگرانی
مایوس شادمانی ہے زندگی فانی

ہر لحظہ اک تصور ہی ہمکنار مجھ سے
روٹھی ہوئی پڑی ہے دل کی بہار مجھ سے

وہ خواب میں کل آکر
برباد کر گیا ہے اپنی جھلک دکھا کر

جو سجدہ گاہِ دل ہے
ضو ریز نگاہِ دل ہے

جذبات خواہ دل ہے

میری مصیبتون کی   میری اذیتون کی

پرواہ نہین ہے جسکو

ابتک مری نظر نے   دیکھا نہین ہے جسکو

اسکو مری خبر دے

میرا یہ کام کردے

تو اُس کے آستان تک   ملجائے تو مکان تک

اے خوش خرام لے جا

میرا پیام لے جا

(۴)

لے جا مرا تبسم   لے جا مرا تکلم

جذبات کا تلاطم   دن رات کا توہم

لے جا مری جبین سے عکسِ خطِ شکستہ

گیسوے عنبرین کے خمہائے گردبستہ

پرواز مین چھپالے

اپنے مجسمے کو   تصویرِ غم بنالے

رنگِ سکون بہی لے جا

سوزِ درون بہی لے جا

شوقِ فزون بہی لے جا

یاس آفرین اداسی   ترکیبِ بدحواسی

حسرت بھری نگاہین

نظرون مین جذب کرلے   بھرے لبون مین آہین

ظالم کا دل ہلادے

پیغامِ غم سنادے

میری خموشیون کی   اور ضبط کوششون کی

طرزِ کلام لے جا

میرا پیام لے جا

(۵)

تو میرا رازدان ہے   پیغمبرِ روان ہے

سیاح آسمان ہے   طیارۂ غنان ہے

رنگین مری لبون سی پرواز رنگ لیکر

کیف نظر مین میری دل کی امنگ لیکر

آمادہ تو اگر ہو

دون مین تجھے دعائین   گر سعئ بال و پر ہو

کچھ تو ملے سہارا

فرقت نہین گوارا

ای شستۂ پر خدارا

محو جمال ہوکر   یکسر خیال ہوکر

لکھتی ہون مین لہو سے

مکتوب حسرت آگین   ترکیبِ رنگ و بو سے

یہ خط یہ شوق نامہ

یہ اضطراب نامہ

جسمین بھری ہوئی ہے   تحریر کی ہوئی ہے

روداد شام لے جا

میرا پیام لے جا

ساغر (علیگ)

قومین کب برباد ہوتی ہین

ہر قوم کی بربادی و ہلاکت کا باعث ــــــ اُسی قوم کے کچھہ اجزائے ترکیبی ہوتے ہین جنکی سمیت تمام قوم کی بقاء و احیاء مین ایک تیز ابی اثر پیدا کر کے تعمیر و ترتیب مین سرایت کر جاتی ہے۔ فطرت ایسے افراد ہر قوم مین پیدا کرتی ہے۔ صرف اسلئے کہ اقوام مین محفوظ اور متردد رہنے کا احساس پیدا ہو سکے۔ یہ قومی کیڑے جرم امراض کی طرح سڑی ہوئی اور گندہ فضاؤن مین پرورش پاتے رہتے ہین اور جب کوئی فرد قوم ان کی زد مین آجاتا ہے تو چاہتے ہین کہ اُسے اپنے زہریلے اثرات سے ماؤف و مسموم کر کے اس قابل نہ رکھین کہ وہ اجتماعی حالت پیدا کر کے قوم و ملک کی بہبودی و ترقی کا باعث ہو۔

یوسف حسن نے دنیائے صحافت مین جب سے قدم رکھا ہے۔ کسی نہ کسی پر حملہ کرنا شرط ادارت سمجھہ لیا ہے۔ مینے اکتوبر کے پیمانہ مین ایک مجمل نوٹ دیکر متنبہ کر دیا تھا کہ وہ اس قسم کی آویزشون اور نکتہ چینیون سے باز رہین مگر مقتضائے طبیعتش اینست"۔ فروری کے نیرنگ خیال مین قریب قریب ۵ صفحے تلخ نگاری کی نذر کئے گئے ہین، جنمین بعض باتین جواب طلب ہین، اور مین مجبور ہون کہ بغیر جواب دئے نہین رہ سکتا۔

سب سے پہلا جواب یوسف حسن کے چیلنج کا ہے جو جلی الفاظ مین دیا گیا ہے۔ دفتر مین ان کے وہ تمام خطوط محفوظ ہین جنکے ذریعہ مضامین طلب کئے گئے تھے۔ ان سب کا شایع کرنا مناسب نہین۔ مگر ایک خط کا اقتباس **یوسف حسن** کی تمناؤن کے مطابق شایع کیا جاتا ہے۔ اس خط کا مضمون یہ ہے۔

"ایک مضمون لکھیئے۔ ایک راشد الخیری کے رنگ مین ہو۔ ایک خواجہ حسن نظامی کے رنگ مین ہو۔ ایک عمدہ ادبی مضمون ہو۔ ایک مولانا شرر کی طرز پہ لکھا جائے"

"دو مضمون ساغر صاحب اور آپ کے نام سے ہونے چاہئین، اور دو مضمون ایڈیٹر کی طرف سے"۔ معاوضہ مناسب سے اطلاع دیجئے"

اگر اب بھی نازبرداران **یوسف** کی تسکین نہ ہو تو وہ آگرہ تشریف لا کر یہہ خط دیکھہ سکتے ہین۔ ارادہ تھا کہ اس خط کا عکس شایع کر دیا جائے۔ مگر پھر خیال آیا کہ اسمین صفحات پیمانہ کی توہین مضمر ہے۔ اسلئے اسی پر اکتفا کیا گیا۔

یوسف حسن لکھتے ہین کہ (۱) سب سے زیادہ چکا چوند پیدا کر دینے والا ہمارا خاص نمبر تھا جسمین تمام مضامین ایڈیٹر کے قلم سے لکھے ہوئے تھے، خدا جانے یہ کونسی افضلیت اور خصوصیت ہے۔ جسپر انہین اتنا ناز ہے۔ اول تو یہ کہ ایڈیٹر کے قلم سے اتنے مضامین کا لکھا جانا" اور بات ہے اور ایڈیٹر کے دماغ سے اتنے مضامین کا پیدا ہونا" اور بات ہے

ہم تو نظر یوسف مین سمانے کے قابل ہی نہین، مگر علیگڈھ کا رقبہ جو ۱۹۰۴ میل لکھا گیا ہے یہ گزٹ آف انڈیا سے مقتبس ہے جو غلط نہین ہو سکتا۔ اور جسکی صحت کا ذہن یوسفی سے زیادہ امکان و یقین ہے۔

ڈراما کے متعلق پیمانہ مین جو کچھہ لکھا گیا ہے وہ ایڈیٹر نیرنگ خیال جیسے تنگ فہم دماغ نہین سمجھہ سکتے اور انتخاب کے متعلق جو رائے دیگئی ہے وہ آپ کے مشورون سے زیادہ وزنی اور خلوص انگیز ہے۔ ہان زہریلی نہین ہے۔

مدیر "نیرنگ خیال" کی ایک سادہ لوحی اور ملاحظہ فرمائیے، فرماتے ہین "ادبی رسالون کے ایڈیٹر یہہ بھی نہین جانتے کہ مصوری مُو قلم سے کیجاتی ہے اور مجسمہ سازی قلم سے نہین کیجاتی۔ مدیر پیمانہ کا یہ کہنا کہ مرمرین مجسمون مین صناع کے قلم کی ملکوتی قوت نظر آتی ہے۔ ایک حد تک مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔" مین مدیر نیرنگ خیال کو سکھانا اور بتانا چاہتا ہون کہ اس فقرہ مین "قلم" کے معنی وہ ہی شاخ نے نہین ہین۔ جس سے کاغذ پر لکھا جاتا ہے۔ بلکہ یہان قلم سے مراد آلہ کار ہے۔ سنگتراش جس آلہ سے سنگ تراشی کرتا ہے یقیناً وہ ہی اُسکا "قلم" ہے۔ مگر آپ کی دماغ مین تو بچپن سے قلم کے معنی صرف .... ایک بسے ہوئے ہین۔ اسکا کیا علاج ہے!

مجھے معلوم ہے کہ پیمانہ کی تنقیص نگاری مین کتنی متکبر کھوپڑیان ہر مہینے آپس مین لڑاتی ہین۔ اور یوسف حسن کے خوش کرنے کے کیا کیا سامان کئے جاتے ہین۔ یہی سبب ہے کہ نیرنگ خیال جو راے کا صدقہ" اور سکتے کی تھے بنا ہوا ہے۔

اسیر یوسف حسن کو اتنا اترانا روا نہین۔ جس دن شیرازۂ رازداری بکھرا اُس دن بجز عرق انفعال و ندامت کی چند شیشیون کو دفتر نیرنگ خیال مین اور کچھہ نظر نہ آئیگا۔

پیمانہ کی تنقیص سے یوسف حسن اینڈ کو کا منشا یہ ہے کہ پیمانہ جو ۴ سال مین قابل رشک ترقی کر چکا ہے اور جسکی مانگ ہندوستان سے امریکہ تک برابر بڑھتی جارہی ہے۔ ملک مین وقیع ثابت نہ ہو۔ لیکن یوسف اور برادران یوسف کو معلوم ہونا چاہئے کہ اونکی دشمنی اور زہر چکانی پیمانہ کے لئے سبب خیر ثابت ہو رہی ہے اور بیسیون خطوط ایسے وصول ہو رہے ہین۔ جنمین نیرنگ خیال کے طرز عمل پر لعنت، اور پیمانہ کی خاموشی کاری پر تحسین کی جارہی ہے۔ مجھے رنج ہے کہ مینے اپنے اصول کے خلاف یوسف حسن کی جاہلانہ تحریر کا جواب دیا۔ لیکن یہ ایک مجبوری تھی جو بعض احباب کے اصرار نے مجھپر عاید کی اور مین اُنکی حکم کی تعمیل سے عہدہ برآ ہونے کیلئے تیار ہو گیا۔ مین جانتا ہون کہ یہ صفحات ناظرین پیمانہ کے لئے بیکار ہین۔ مین کوشش کرونگا کہ آئندہ خاموشی اختیار کرون۔ گو مجھے یقین نہین کہ یوسف حسن کا خروش بے ہنگام میری خموشی کو قایم رکھہ سکیگا۔

اب آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ قومین کب برباد ہوتی ہین؟ ——— صرف اسوقت جبکہ قومون مین سے بدباطن اور سفیہانہ خیالات رکھنے والے نقال پیدا ہو جاتے ہین۔ جیسے آجکل یوسف حسن اینڈ کو" مین موجود ہین —

ایڈیٹر

نشاطِ بیخودی

(جذباتِ عالیہ)

"بادہ وہ بھر رہا ہے پھر مست نگاہ ناز مین"

(از آغا علیخان محمود رئیس اعظم الہ آباد)

پردے ہین جتنے مُستتر اُنکے حریم ناز مین
دیکھو وہ اُٹھ رہے ہین سب عشق کی اک نماز مین

پھر یہ گرینگی بجلیان عالم امتیاز مین
برق تڑپ رہی ہے وہ آنکی نگاہ ناز مین

بزم جہان ہے مضطرب رقص مین ہین تجلیان
کس نے یہ روح پھونکدی جلوہ گہ مجاز مین

روح کی سب کشافتین ایک ہی نگہ مین دُھل گئین
کیسا اثر تھا آب کے دیدۂ پاکباز مین

سارے جہان کی قوتین تھوڑے لہو مین بھر گئین
دل بھی عجیب راز ہے ہستی کارساز مین

دل سے لبون تک آگئی صوتِ نشاطِ بیخودی
کس نے یہ نغمہ بھر دیا رُوح کے سوز و ساز مین

اتنی تجلیات کا بار نہ اُٹھ سکیگا اب
جلوے تڑپ رہے ہین پھر انکی نگاہ ناز مین

حسن کی بارگاہ مین ہونگی دعائین سرخرو
دل کے لہو کا [illegible] عشق کی [illegible]

میری عبودیت کو ہو فخر نہ کیون جہان پر
ہوگئی جذب دل کی روح سجدہ گہ نیاز مین

بزم ستم کو ساقیا پھر وہی غم کا جام دے
دل کو ملی ہین لذتین غمکدۂ مجا[illegible]

روح کی گتھیون کی گو عقدہ کشائیان ہوئین
کوئی گرہ نہ کھل سکی عالم امتیاز مین

حسن کے سامنے جھکا عشق کا بے نیاز سر
دیکھو وہ آیا غزنوی بارگہ ایاز مین

جتنے ہین ذرّے زیست کے رقص مین ہین وہ ہر طرف
کیسا یہ ساز چھڑ گیا جلوہ گہ مجا[illegible]

بزم مین انکے آتے ہی دیکھو تو ہوگیا یہ کیا
نغمۂ غم ہے مضطرب پردۂ سوز و ساز مین

دیکھین عطا ہو اب کسے دل کا یہ جام انبساط
بادہ وہ بھر رہا ہے پھر مست نگاہِ ناز مین

چھیڑو نہ میرے دل کو اب تمکو بھی ہوگی برہمی
نغمۂ غم ہے مُستتر دل کے ہر ایک ساز مین

ڈراما

انسان

(سلسلے کی نوین قسط)

(حقوق نقل واخذ اور ترجمہ بدستور محفوظ ہین)

(از ساغر نظامی سیمابی علیگ)

دوسرا دور ——————— پندرہوان منظر

ساحلِ دریا

{ "بادلون کے سراپردہ سے آفتاب طلوع ہوتا ہے
اور دنیا پر ایک سکون رنگ نور پھیلا ہوا نظر آتا ہے
دو شخص کشتی مین بیٹھے ہوئے آتے ہین اور ساحل پر
اُترتے ہین" }

پہلا۔ تو یہ قانون ہر قوم نے منظور کر لیا۔ اور اسمین اب کوئی حجت باقی نہ رہی۔

دوسرا۔ کچھ نہین شارف، وہ تو قانون ہی ایسا تھا کہ تمام دنیا کو ماننا پڑتا۔ اب تخلیق عالم کی عریانیان پردہ دار ہو چکی ہین معاشرت کے کھلے ہوئے رنگ پر شرم انفعال کا حجاب طاری ہونے والا ہے۔

شارف۔ مگر نائیل، یہ تو بتاؤ، اس قانون کو تمام دنیا سے متعارف کون کرے گا۔

نائیل۔ خدا کی وسیع قوت اور قدرت کے لا متناہی قوی ہاتھ کہ

شارف۔ بے شک بے شک، ان تمام بربادیون، طوفانون، اور ہلاکتون سے کم از کم دنیا کی سمجھ مین یہ بات تو آہی گئی کہ اس انتشار گاہِ بوقلمون کا کوئی منتظم ضرور ہے جسکی آہنی قوتین دنیا کی تمام کمزوریون پر غالب ہین۔

نائیل۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ انسان کا سبب تخلیق کیا ہے۔ اُسکے جزو حیوانیت کا انسداد کسطرح کیا جا سکتا ہے اور فانی زندگی کی ناہموار شاہراہون مین دوڑنے یا چلنے کے لئے کس چیز کی رہنمائی درکار ہوتی ہے۔

شارف۔ ہان تم نے یہ بھی سنا کہ فارس مین ایک انسان نے شہنشاہی کا دعویٰ کیا ہے۔ اور ایک جگہہ سے یہ خبر آئی ہے کہ خدا پیکر انسانی مین جلوہ نما ہو کر خود بھی دنیا مین آگیا ہے۔ یہ خبرین کہانتک صحیح ہین۔

نائیل - شہنشاہی یا سلطانی اُس زبردست قوت کا دوسرا نام ہے جو انسان دوسروں کو محکوم اور ارض وسیع کو اپنے قبضے مین محدود کرنے کے لئے کام مین لاتا ہے - ہر قوم اور ہر جماعت کا سردار ایک بادشاہ ہے - انسان کو خدا نے حکمرانی کا مادہ مخلوقیت کے ساتھہ ساتھہ ودیعت کیا ہے - وہ کسی جگہہ محدود ہوتا ہے اور کسی جگہہ غیر محدود اور وسیع - کمزور جماعتین جب قوی اور زور آور جماعتون سے مغلوب ہو جاتی ہین تو وہ انہین اپنا حکمران ماننے کیلئے زیادہ اصرار نہین کرتین - انہین اس قوت کی پذیرائی مین اپنے لئے ایک قسم کی تسکین محسوس ہوتی ہے اور بادشاہ قیام امن کا ذمہ دار ہو جاتا ہے بس یہہ حکومت ہے اور یہہ محکومیت - رہا خدا کا انسان بنکر دنیا مین آنا تو مین اسکے متعلق ابھی کچھہ نہین کہہ سکتا - وہ اپنی قوتین جسطرح چاہتا ہے نمایان کرتا ہے - کیا عجب ہے کہ اُسے یہہ نیرنگی بھی پسند آگئی ہو -

شارف - چلو ہم بھی چلکر اُس خدا کی نیرنگی کا تماشا دیکھین - اور اُس بادشاہ کی حکومت کی اطمینان کا اندازہ لگائین -

نائیل - فارس بہت دور ہے - اور ہنوز دنیا کے راستے ناقابل گذار پڑے ہین ، جنکی ہمواریان زمانہ کی رفتار مستقبل کے ذمہ ہین - اسکے علاوہ منزل بمنزل ایسے انسان موجود ہین جنکے کانون تک پیغام تمدن اور جنکی آنکھون تک تماشائے معاشرت نہین پہونچا ہے - وہ ناآشنائے تمدن ابھی خلقت کی اُسی پہلی وادی مین ہین - جہان انسان اور انسان کو اپنی غذا سمجھتا تھا -

جب حیوانیت انسانیت کی ہموار ارادون سے ناواقف محض تھی ، وہ اب بھی عریان رہتے ہین - صحرائی گھاس اور درختون کے پھل پھول اُن کی خوراک ہین - کبھی کبھی وہ مجبوراً انسان کو اسلیئے ہلاک کر ڈالتے ہین کہ وہ اُن کو پریشان نہ کرے اور کوئی تکلیف نہ پہونچائے اور منہ کا مزہ بدلنے کے لئے اوسکے گوشت اور پوست کو لقمۂ لذیذ بنا لینے مین انہین پس و پیش نہین ہوتا - دیناوی خدا کا اعلان ابھی ناقابل اعتبار ہے - اگر وہ خدا ہے تو یقیناً اپنے بندہ کو خود اپنی طرف کھینچ لیگا - ہمین اسکی فکر کرنا کیا ضرور ہے -

شارف - ہان تم سچ کہتے ہو - نائیل ذرا دیکھو - یہہ دریا کی موجون کا تموج - یہ پانی کی خوش آہنگ روانی - یہہ سورج کا طلوع اور پھر آہستہ آہستہ خرام نوری - یہہ دھوپ کی تیزی - یہ پہاڑون کی عظمت نمائی - ضرور کسی خدا کی ہونے کا ثبوت دے رہی ہے -

نائیل - یہہ دلائل تم اوسکے سامنے پیش کر رہے ہو جو اب سے بہت پہلے خدا کا قائل ہو چکا ہے -

شارف - آؤ اس دریا مین اپنے جسمون کو پاک کرین - اور پھر اُس خدا کی پرستش مین مصروف ہو جائین -

(دونون دریا مین غسل کرتے ہین اور ہاتھہ اوپر کی طرف پھیلا کر خمیدہ سر کھڑے ہو جاتے ہین)

دوسرا دور ——— سولھون منظر

نمرود کی تمرد گاہ

(نمرود اپنی شاہانہ شوکت کے ساتھ
ایک بلند تخت پر جلوہ افروز ہے
اور خدام سر جھکائے کھڑے ہین
کچھ لوگ سجدہ ریزی کر رہے ہین۔)

نمرود۔ خدا خدا۔ وہمون کے دماغ سے تراشا ہوا ایک لفظ مہمل، خوف اور امید کے تیز شعلون سے نکلا ہوا ایک فانی دھوان۔ ایک مٹ جانے والا احاطہ۔ نہ کسی نے دیکھا نہ کسی نے سمجھا۔ خدا۔ خدا۔ کمزور طبیعتون کا ایک بے معنی آسرا۔ موجودات کی تخلیق کا ایک ڈرپوک دعویدار نہ سامنے آنے کے قابل۔ نہ کسیکو اپنے پاس بلانے پر قادر وہ کیا ہے۔ وہ تو کچھ نہین۔ دنیا والون نے اپنے لئے خود ایک ہوّا تیار کر لیا ہے۔ طوفان خدا نے بھیجا تھا سورج خدا کا آلہ نوری ہے۔ چاند خدا کا لالٹین ہے۔ تارے خدا نے بنائے ہین۔ بس جن چیزون کا موجد و منشا نظر نہ آیا انہین کو خدا کی طرف منسوب کر دیا۔ انسان کمزور ہے۔ بے عقل ہے۔ اور خوف وہراس کا جذبہ اسکے دل مین زیادہ ہیجان آور ہے۔ اسلئے وہ ایک قوت کی آڑ ڈھونڈتا ہے اور جب اسکا کوئی نام نہین رکھہ سکتا تو اسے خدا کہنے لگتا ہے۔

کبھی انسان نے ان اسباب پر غور ہی نہین کیا جن سے "خدا" کا واہمہ تعمیر کیا گیا ہے۔ ورنہ وہ کبھی ایسی غلطی اور ایسے فریب مین مبتلا نہ ہوتا۔

خدا کا وجود اگر ممکن ہے تو خدا مین ہون۔ آج زمین و آسمان پر کوئی ایسی قوت ہے جو میرے دعوی خدائی کو مسترد کر دے۔ ! خدا جو کچھہ کر سکتا ہے وہ ہی مین بھی کر سکتا ہون۔ ہاؤن، ان دسون کی گردن اڑادے جو میرے خوف سے سجدہ مین پڑے ہوئے زمین کو اپنے آنسوؤن سے بھگو رہے ہین۔

(ہاؤن (ایک قاتل) دس سربسجود ہستیون کو ہلاک کر دیتا ہے۔ خون ہر طرف بہنے لگتا ہے اور نعشین تڑپتی ہین۔)

دیکھا میری خدائی قوتون کا تماشہ۔ مین خدا ہون، اگر ان دس مجبور انسانون کا میرے سوا کوئی اور خدا ہوتا تو انہین ضرور بچا لیتا۔ ہاؤن جاؤ ان دونون قیدیون کو جو میرے حکم سے جبل موت پر سنگسار کرنے کے لئے بھیجے گئے ہین جنہون نے میری خدائی سے انکار اور موہوم خدا کا اقرار کیا تھا جاؤ انہین رہائی کا پیام دو۔ (ہاؤن

جاتا ہے) اُن حوروں کو بلاؤ جو میری کنیز ہیں اور جن سے میرے عشرتکدہ کی کوئی رات صبح نوروز سے کم نور بار نہیں ہوتی۔

(خدام چند عریاں عورتوں کو حاضر کرتے ہیں)

کرو رقص کرو، میری خدائی کے اعتراف میں رقص کرو۔ (وہ رقص کرتی ہیں) مجھے سجدے کرو (وہ سجدے کرتی ہیں) میں کون ہوں"

عورتیں۔ تو خدا ہے، ہمارا خدا ہی۔ اے جمیل نمرود! ہمارے بزرگوں کا خدا ہے! ہم تیری بندیاں ہیں۔ ناچیز سمندر کے قطروں پر تیرا اختیار ہے اور وسیع میدانوں کے پوشیدہ ترین ذروں پر تو حکومت کرتا ہے

نمرود۔ مگر مجھ میں یہ قوت بھی ہے کہ جو مجھے مانے میں اُسے بھی ہلاک کر دوں۔ ہاں! انہیں بھی فوراً قتل کر دو۔ (وہاں قتل کر ڈالتا ہے) میں خدا ہوں، ایسا خدا جسکا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ اگر انسانوں کا کوئی دوسرا خدا ہے تو میں اُسے اسیوقت اجازت دیتا ہوں کہ وہ مجھ سے اتنی جانوں کا

انتقام لے ——————— لے ———————

انتقام لے ——————— (وقفہ) ———————

کوئی نہیں۔ میرے سوا کوئی دوسرا خدا ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر ہوتا یا ہو سکتا تو اسوقت مجھ سے ضرور انتقام لیتا۔ اور میرے دعووں کو باطل کرنے میں اپنی پوری قوتوں کو کام میں لے آتا۔

منادانِ دربار کو منادی کا حکم دو۔ نقیبان سرکار کو حکم اعلان دو کہ پہاڑوں کی چوٹیوں۔ چٹانوں کی بلندیوں، دریا کی لہروں، ہوا کی موجوں، زمین کی وسعتوں، میں پکار کر کہہ دیں کہ ——

نمرود خدا ہے۔ نمرود خالق ہے۔ اور نمرود معبود ہے

(منادی جاتے ہیں ایک حاجب آتا ہے)

حاجب۔ خداوندا ایک دراز قامت راہب اذن باریابی چاہتا ہے۔

نمرود۔ آنے دو۔ نمرود کسی سے نہیں ڈرتا اور اُسکا جلال ذرہ ذرہ کو تپش اندوز بنائے ہوئے ہے۔

(راہب آتا ہی اور تن کر کھڑا ہو جاتا ہے)

نمرود۔ میرے سرکشِ جاہ و جلال کی حدود عظیم میں تن کر کھڑے ہونے والے انسان سجدہ کر، اور میری عظمتوں کے سامنے اپنا سر نیاز جھکا دے۔

راہب۔ کیا وہ خود ساختہ خدا تو ہے۔

نمرود۔ خود ساختہ:۔ میں، ہاں میں ہوں، خدا کو خود ساختگی کا طعنہ کسقدر بے معنی ہے۔ کیا خدا کو کوئی اور بھی

بنا سکتا ہے۔

راہب۔ کیا تجھے اپنا دیباچۂ تخلیق یاد ہے؟ کیا تو ایک کثیف حصۂ جسم سے خون مین لتھڑا ہوا زمین پر نہین گرایا گیا تھا۔ کیا تو نے مہد مادر کی خاموش فضاؤن مین کئی سال تک سانسین نہین لی تھین۔؟ کیا تو عوارض تکالیف اور حادثات سے ابتک بالکل محفوظ ہے؟

نمرود۔ میرے گستاخ بندے ——

راہب ۔ مین اس تخاطب مین انسانیت کی سخت توہین سمجھتا ہون۔

نمرود۔ خاموش ہو۔ اور میرے جبروت و جلال کے سامنے جھک جا۔ ورنہ ابھی تیری مغرور اور کشیدہ گردن میرے غصہ اور غضب کی ٹھوکرین کھاتی ہوگی۔

راہب ۔ او خدا کے لباس مین شیطان، گردن تو کیا مین تیری مصنوعی تقدس گاہ کے سامنے اپنی نظر بھی نہین جھکا سکتا۔ تیرے تمام باطل دعوؤن اور تیری قوتون کا طوفان فانی ہے۔ ڈر، اس خدا کے غضب سے، اور کانپ اس حقیقی معبود کے خوف سے جسنے تجھے ایک محدود قطعۂ ارض کی حکومت دیکر تجھے فریب خود داری کی لعنتون مین گرفتار کردیا ہے۔ او خود پرست، مشت غبار تیری اصلیت خاک ہے۔ غرور کی ہواؤن مین نہ بھر۔ ورنہ یہ شیرازۂ نمود ذراسی دیر مین بکھر جائے گا۔

نمرود۔ کیا تجھے میری خدائی مین شک ہے؟

راہب ۔ بے شک ہے۔

نمرود۔ تو ان ٹھنڈے ہوجانے والی لاشون کو نہین دیکھتا جو ابھی چند لمحے پہلے میری بارگاہ مین سربسجود تھین اور اب خون و خاک مین آلودہ پڑی ہوئی ہین۔

راہب ۔ پڑی ہونگی۔ تجھ سے پہلے بھی ایسے سرکش انسان بہت پیدا ہوچکے ہین۔ جن کے ایک اشارہ پر ہزارون جانین قربان کردی گئی ہین۔ یہ ہلاکت آفرینی تیری خلاقی کا ثبوت نہین ہوسکتی۔

نمرود۔ دیکھ یہ حورون سے بہتر جوان عورتین۔ جن کے درازبالون کا عکس ان کے بلورین جسم سے جھلک رہا ہے۔ کیا خدا کے سوا کسی دوسری ہستی کے قابو مین آسکتی ہین۔؟

راہب ۔ او نفس پرست تہوس۔ خدا کو عورتون کی ضرورت نہین ہوتی۔ اُس نے ان سے بھی زیادہ حسین و جمیل مخلوق پیدا کی ہے۔ مگر تیری محدود نگاہین اس لکڑی اور پتھر کے انبار سے باہر نہین جا سکتی۔ تجھے کیا معلوم کہ خدا کی دنیا کسقدر وسیع ہے اور اوسکی وسعتون مین ایسی کتنی حسین جوانیان مسکرا رہی ہین۔ اور ایسے کتنے جمیل شباب انگڑائیان لے رہے ہین۔

نمرود - میری دولت، میرا جاہ و جلال، اور میری قوتیں، کیا آج بےمثال و بے نظیر نہیں ہیں؟

راہب - یہ دولت، یہ جاہ و جلال، اور یہ قوتیں، سب فانی ہیں - تو نے انسانوں پر ظلم و جبر کر کے اپنی خزانی بھری ہیں، مگر -

نمرود - (غصہ میں تیز ہو کر) تو پھر وہ نشانیاں تھا، جو ایک خدا میں تو دیکھنا چاہتا ہے اور میں اپنی جلالت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھی اپنی ذات میں اسی وقت وہ سب باتیں دکھا دوں گا۔

راہب - دکھا - اچھا ان قتل ہو جانے والے بے گناہوں کو جلا کر دکھا؟ -

نمرود - ان پر تو میرا حکم ناطق ہو چکا - اور اوسکی تکمیل ہو چکی - کوئی اور دلیل مانگ -

راہب - کیوں، تو اپنے خیال میں خدا ہے - پھر کیا جس خدا میں مار ڈالنے کی قوت ہو اسمیں جلانے کی قوت نہیں ہو سکتی -

نمرود - کیا تیرے موہوم اور غیر موجود خدا نے بھی کسیکو مار کر جلایا ہے -

راہب - بیشک، اسمیں یہ قوت ہے - اور اوسکی تیرا وجود خود شہادت ہے، - وہ تجھی روز رات کو مار ڈالتا ہے اور صبح پھر جلا دیتا ہے -

نمرود - چلا جا، صحرائی وحشی چلا جا، ہٹ جا جنگلی خدا پرست - میرے سامنے سے ہٹ جا - مجھے تیری صورت سے نفرت ہوتی جاتی ہے -

راہب - نفرت نہیں، بلکہ حیرت، اور ہیبت، اپنے کمزور غلاموں کے خیالی خدا، اپنے پتھر کے عرش سے نیچے اُتر اور اُس حقیقی معبود جمیل کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو - جسکے عرش اعظم کے گرد بڑے بڑے مقرب فرشتے تسبیح و طواف میں دن رات مصروف ہیں - جو نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے - نہ سوتا ہے، نہ تیری طرح باتیں بناتا ہے - جو انسانیت کے فہم سے بالاتر اور انسانی باتوں سے قطعاً پاک ہے -

نمرود - نکال دو - اس مذہبی پاگل کو - میری حدود قدرت سے باہر نکال دو -

راہب - (بیتر ابد لکر) بس، اگر کسی نے مجھے ہاتھ بھی لگایا تو اس مصنوعی خدا کے لعنتی تخت بلند کے پرزے پرزے اُڑا دونگا، اس باطل خدائی کی جڑیں ہلا دوں گا - اور

نمرود - کیا دیکھتے ہو - گرفتار کر لو - لے جاؤ - اور قصر العذاب میں جا کر ڈھکیل دو -

(کچھ لوگ تعمیل کیلئے بڑھتے ہیں، راہب اُچھل کر نمرود کی تخت پر گرتا ہے اور نمرود کی گردن پر ہاتھ رکھ دیتا ہے -)

(ڈراپ)

(باقی)

تصوّر

نصیبِ دشمناں! یہ خامشی یہ غم یہ تنہائی — یہ آزردہ جوانی یہ وفورِ ناشکیبائی
تصوّر کا یہ عالم اور یہ طوفانِ محویت — کھلی! آنکھوں سے یہ مجبور اشکوں کی پذیرائی
جمیلہ! جھلکیاں مایوسیوں کی رنگ پر کیوں ہیں
حسینہ! مختصر زلفیں جبیں پر منتشر کیوں ہیں

تصوّر میں ترے کیا جانے کتنے مبتلا ہونگے — ترے رنگین خیالوں میں اسیرِ مدعا ہونگے
قسم ان نازنین قدموں کی جن پر سجدہ کرنیکو — نہیں معلوم کتنے ہاتھ مصروفِ دعا ہونگے
تو خود تصویر ہے ہر قلب میں تیرا تصوّر ہے
تو ہے جانِ تصوّر پھر تجھے کس کا تصوّر ہے

جھپکتیں ہی نہیں زلفیں تری ہے انتظار ایسا — پریشانی ہے شانِ برہمی میں انتشار ایسا
تجھے جسکا تصوّر آج خلوت میں ستاتا ہے — بتائے وہ مرقع کونسا ہے جادو نگار ایسا
اگر کچھ دیر ایسا ہی رہے گا جذب آہوں میں
سما جائیگی دنیا کھنچ کے ان کافر نگاہوں میں

سمیٹ الجھی ہوئی بالوں کو تنظیمِ نظر کرلے — تبسم سے لبِ خاموش کو جنت اثر کرلے
جھکا مخمور آنکھیں دامنِ مژگاں کو جنبش دے — سکونِ حسن و رعنائی میں کچھ باتیں بسر کرلے
وہ دن نزدیک ہیں اکتائینگی بیداریاں تیری
جگائینگی سحر تک رات کو دلداریاں تیری
تجھے جسکا تصور ہے وہ خود کھچ آئیگا اک دن — ترا حسنِ جواں دنیا پہ آفت ڈھائے گا اک دن
تجھے رہنا پڑے گا درد والوں کے تصوّر میں — ترا حسنِ تصوّر حسن خود بنجائے گا اک دن
تری تصویر سے بزمِ تصوّر جگمگا اٹھیگی
تجھے یہ عنبریں تسکینِ خلوت یاد آئیگی

اب اپنی خامشی کے ساز کو اذنِ ترنّم دے — نظر سے رازِ سربستہ کو یارائے ترانم دے
حسین لفظوں سے بھر دے یہ ہوائیں اپنی خلوت کی — اداسی کو فضا کی قوتِ نطق و تکلّم دے

تصوّر عالمِ تصویر میں اس طرح گویا ہو
کہ اپنی مست آنکھوں سے تو خود محوِ تماشا ہو

ساغر نظامی

عاشق کی اپیل

کیا تو مجھے چھوڑ جائیگا؟ کہو نہیں! کہو نہیں!
تجھے میرے تمام دکھوں اور غموں کے الزام سے بچنا چاہئے۔
کیا تو مجھے چھوڑ جائیگا؟ کہو نہیں! کہو نہیں!!! ——————

❖

کیا تو مجھے چھوڑ جائے گا؟ جس نے تجھسے دولت اور غموں میں یکساں طور پر ایک مدت محبت کی ہو۔ مجھے چھوڑنے پر کیا تیرا دل اتنا سخت کوشش ہے؟
کہو نہیں! کہو نہیں!!! ——————

❖

کیا تو مجھے چھوڑ جائے گا؟ جس نے اپنا دل نہ دکھ اور غم کے لئے دیا ہو، اور نہ پھر جدا ہونے کے لئے۔ کیا تم اُسے چھوڑ جاؤ گے؟
کہو نہیں! کہو نہیں!!! ——————

❖

کیا تو مجھے چھوڑ جائیگا؟ اس پر رحم نہیں ہے۔ جس نے تجھسے محبت کی ہو، افسوس! اس تظلم پر!!
کیا تو مجھے چھوڑ جائے گا؟
کہو نہیں! کہو نہیں!!! ——

(ترجمہ) — حاجی محمد صادق ایوبی

صحافت حاضرہ پر ایک نظر

تربیت یہ مفید کتاب جناب سید شاہ محمد طہٰ کی تصنیف سے ہی جسمین تربیت اطفال کیلئے نہایت قیمتی مشورے دئے گئے ہین۔ جو ایک مدت مدید کی ذاتی تجارب کا نچوڑ معلوم ہوتے ہین۔ مجھے اس کتاب کی ترتیب مین یہ خصوصیت بہت پسند آئی کہ اس کتاب مین لڑکون کی بجائے والدین کو مخاطب کیا گیا ہے اور انہین مشورہ دیا گیا ہی کہ بچون کی تربیت کسطرح کرنی چاہئے۔ متعدد عنوانات کی تحت مین نہایت مفید اور کارآمد نصیحتین کیگئی ہین، جپر عمل کرنے سے والدین اپنی بچون کو مذہبی۔ ملکی۔ اخلاقی اور علمی تہذیب سے برکت اندوز کرسکتے ہین۔ شروع کتاب مین مضامین یا عنوانات کی فہرست اس غلط نامہ سی زیادہ ضروری تہی جو خاتمہ کتاب پر لگایا گیا ہی۔ دوسرے اڈیشن مین اسکا ضرور خیال رکہنا چاہئے۔

نشاطِ روح یہہ جناب اصغر حسین صاحب اصغر گونڈوی کا مجموعہ کلام ہے۔ حضرت اصغر کا کلام تو صرف ۴۴ صفحات مین محدود ہی مگر اس سی پہلے مرزا احسان احمد بی اے ایل ایل بی (علیگ) کا دیباچہ اور مقدمہ۔ اور اسکے بعد مولوی اقبال احمد سہیل ایم اے ایل ایل بی کا تبصرہ ۲۹ اور ۶۹ تا ۹۸ صفحات پر مبسوط ہے۔ دیباچہ مین مرزا احسان احمد نے مبالغہ اور غلو سے بہت کم کام لیا ہی مگر تبصرہ مین حضرت سہیل نے کلام اصغر کی محاکات اتنی بحثین دکہائی جتنے اپنی ذہانت و طباعی کے جوہر نمایان کئے ہین۔ تبصرہ مین قدیم شعرا کے کلام کا خوب مضحکہ اڑایا گیا ہے۔ حالانکہ حضرت اصغر کے مجموعۂ کلام مین ان کے معاصر شعرا سے موازنہ کی ضرورت تہی۔ جہان فاضل مرتب نے مقدمہ اور تبصرہ کی فراہمی مین اسقدر کوشش کی وہان نفس کتاب مین چند غلط اشعار کی تنقیح پر بھی اگر نگاہ ڈال لیجاتی تو زیادہ مناسب تہا۔

جناب اصغر کے مجموعۂ کلام سے ظاہر ہوتا ہی کہ وہ سوکتانک، نت، پہ، بمعنی مگر، ابتلا، وغیرہ متروک الاستعمال الفاظ پر اب تک عامل ہین خیر یہ تو کوئی عیب نہین، ہر شخص کو ترک پر اختیار ہے۔ مگر ان اشعار مین جو اغلاط ہین وہ حضرت اصغر کے پایۂ شاعری اور معیار سخن سنجی ہین مقدمہ اور تبصرہ کو دیکہنے کے بعد ایک ایسا عیب نظر آتے ہین جنکا اس مجموعۂ کلام سے نکالدینا مرتب کا فرض خصوصی تہا۔ مثلاً

حیران ہے زاہد مری مستانہ ادا سے — سو راہ طریقت کہلی اک لغزش پا سے

نگاہ شوق کو یارائے سیر و دید نہ ہو — جو ساتہہ ساتہہ تجلیٔ حسن یار نہ ہو

دونون عالم کو تہ و بالا کر ڈالین کہین — آپکا انداز شوخی میری شان اضطراب

حشو و زوائد کی ایک مثال ۔ ع ۔ زلف تھی جو بکھر گئی، رخ تہا کہ جو نکھر گیا؛

مجھ سے جو چاہئے وہ درسِ بصیرت لیجے ۔ مین خود آواز ہون، میری کوئی آواز نہین

لئے پھری نگہ شوق سارے عالم مین ۔ شدید جلوۂ حسن آج بیقرار رہا

تعقید کی قابل ترمیم مثالین ۔

سب کی - بقدر حوصلۂ دل - نظر مین ہے - جلوہ تمہارا - ذوقِ طلب کے اثر مین ہے

کچھ غنیمت ہوگئی یہ پردہ ہای آب رنگ ۔ حسن کو یون کون رہ سکتا تھا عریان دیکھکر

یہ اشعار باعتبار مفہوم و مطلب غلط معلوم ہوتے ہین ۔

صرف اک سوز تو مجھ مین ہے مگر ساز نہین ۔ مین فقط درد ہون جسمین کوئی آواز نہین

آتش جلوۂ محبوب نے سب پھونک دیا ۔ اب کوئی پردہ نہین پردہ بر انداز نہین

مین نے کلام اصغر کے صرف ۸۰ صفحہ دیکھے ہین باقی ۴۴ صفحے دیکھنے کی اسوقت فرصت نہین - ممکن ہے انمین بھی کچھ شعر ایسے رہ گئے ہون اسکا الزام مصنف پر نہین ہے بلکہ مرتب پر ہے کہ آخر اس نے ترتیب مین ایسے اشعار کو نظر انداز کیون نہ کر دیا -

حضرات اصغر سے مین خود ملا ہون - اور اُن کی والہانہ انداز سے واقف ہون جسمین استغنا اور لاپروائی کی ادائین بہت نمایان ہین اُنکا کلام احتیاط انتخاب کی ساتھ شائع کرنے کی ضرورت تھی - بہرحال اگر ان ناہمواریون کو نظر انداز کر دیا جائے تو حضرت اصغر کا کلام بطور مجموعی بہت سی خوبیون کا حامل نظر آتا ہے جسمین علو، ندرت، پاکیزگی، فلسفہ، شوکت، اور کہنہ مشقی کے آثار جھلکتے ہین - شروع مین حضرت اصغر کی تصویر بھی ہے جو نہایت وجیہ ہے -

ایڈیٹر

کتاب	مصنف یا مؤلف	سائز	صفحات	قیمت	کتابت طباعت	اشاعت گاہ
تربیت	سید شاہ محمد طٰہٰ	۲۲×۲۹ / ۸	۱۵۶	عہ	معمولی اور صاف	خاور یعنی خسرو لودر پٹنہ (بہار) آرٹ پریس
نشاط روح	مرزا احسان احمد بی اے ایل ایل بی	۲۰×۲۶ / ۸	۹۴	نامعلوم	نفیس اور روشن	مطبع معارف اعظم گڑھ

فروری سنہ ۱۹۲۶ء

خلاصۃ الباب :-

ھندوستانی عورت کا جدید معیار حیات

ایک ہندوستانی مدبر کا قول ہے کہ:-

"جب تمدن اور معاشرت میں ترقی و تہذیب کا امکان قریب ہوتا ہے تو عورتیں مردونکے دوش بدوش
میدان عمل میں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ اور اس طرح قومیت کے اجزا مکمل ہو کر تہذیب کی تکمیل کا
باعث ہو جاتے ہیں۔"

تمدن اور معاشرت کی تہذیب ہر ملک میں ضروری سمجھی جاتی ہے لیکن کسی قوم و ملک کی تاریخ یہ نہیں بتاتی کہ عورتوں کی بیداری سے پہلے ان دونوں شعبوں نے کوئی ترقی کی ہندوستان میں مسلمانوں کا تمدن اور مسلمانوں کی معاشرت علی العموم سلاطین تیموریہ اور سلاطین مغلیہ کے ماتحت رہی ہے اور مسلمانوں کو چونکہ مذہبی عقیدت میں ہر قوم سے زیادہ دلچسپی رہی ہے اسلئے عورت کو قومی تنظیم میں کبھی شریک ہونیکا موقع نہیں ملا عصمت و حجاب کا سوال عورت کے لئے ایک ایسا قلعۂ آہنین تھا جس نے اُسے آجتک منظر عام پر نہ نکلنے دیا اور "وہ گھر کی ملکہ" کے دلفریب خطاب سے زیادہ کسی دوسرے خطاب کی سزاوار نہ ہو سکی۔ ہندوستان کی عورت ممالک غیر میں اب بھی "جاہل" کہلاتی ہے۔ لیکن یہ غیر ملکی تعصب ہے، ورنہ شاہان مغلیہ کے محلوں میں ایسی متعدد خواتین تھیں جنہوں نے حکومت میں بھی حصہ لیا اور رسوم و عادات کی اصلاح بھی کی۔

بین الاقوامی اشتراک نے ہندوستان میں عورتوں کے لئے کچھ زیادہ مشکلات پیدا کردیں، ورنہ بہت ممکن تھا کہ وہ جذبۂ کار جو اسلامی سلطنت تک خواتین میں قایم رہا اُسکے بعد بھی قایم رہتا۔ مگر اسلامی سلطنت کے زوال اور غیر قومی عنصر کے غلبہ نے مسلمان خواتین کو محجوب و مستور کردیا۔ اور پھر یہ رنگ کچھ ایسا گھرا ہوا کہ پردہ نشینی، جہالت، کاہلی، اور مجہولیت نسائیت کا ایک جزو لاینفک ہو گئے۔ جسکا اثر آجتک اعضائے انسائیت پر طاری و ساری ہے۔

تقریباً سنہ ۱۹۰۱ء سے ہندوستان نے ایک نئی کروٹ لی اور سب سے پہلے جو نیا انقلاب مساعی معاشرت میں پیدا ہوا وہ "تعلیم نسواں" کا خیال تھا جسکی بعض طبقات میں بری طرح تردید کیگئی۔ مگر ہونے والی بات تھی ہو کر رہی، اور آج ہم دیکھتے ہیں کہ فیصدی ۲۵ لڑکیاں مدارس و مکاتب اور گھروں میں تعلیم پا رہی ہیں اور فیصدی ۱۰ کامیاب تعلیم ہو کر خوشگوار زندگی کی مالک ہیں۔

اس جذبۂ جدید نے جہاں جاہل طبقوں میں تعلیم کی روشنی پھیلائی وہاں اُن خواتین میں ایک عملی جذبہ بھی پیدا کر دیا جو پہلے سے تعلیم یافتہ تھیں اور جنہیں انتظار تھا کہ موقع ملے تو قومیات میں حصہ گیر ہو کر کچھ کام کریں۔ ان کا جذبۂ عمل اس سہارے سے بیدار ہو گیا اور وہ منظر عام پر آکر اُن خیالات کی ترجمانی کرنے لگیں جو ان کے دلوں میں ایک عرصہ مدید سے گھٹ رہے تھے۔

اب ہندوستانی عورت کے معیار حیات مین جدید انقلابات پیدا ہونے کے آثار بہت زیادہ نمایان ہوتے جاتے ہین - مردون کی مصلحت اندیشیان انھین دہندلا کرنے کی کوشش بدستور کر رہی ہین - مگر جسطرح ابر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے خورشید نصف النہار کی ضیاپاشی کا پردہ نہین بن سکتے اسی طرح اب مردون کی مخالفانہ کوششین خواتین کو اس مرکز جدید سے نہین ہٹا سکتین جسپر رفتار زمانہ نے انہین لاکر کھڑا کر دیا ہے -

اب خواتین اُس استبداد سے یقیناً رہا ہو جائینگی جو شوہر کے محبس اطاعت مین خواہ مخواہ انہین گوارا کرنا پڑتا تھا وہ شوہر کی اطاعت کرینگی - مگر خوددار بنکر اب کنیز اور خادمہ کی حیثیت سے وہ اپنے پندار انسانیت کو مجروح نہ کر سکینگی اب اُنکی زندگی چکی اور چولہے کی مصروفیت تک محدود نہ رہیگی - اب اُن کی اوقات صرف بچون کی پرورش مین صرف نہ ہونگے اور اب وہ صرف عورت یا "عورت محض" کی حیثیت سے اپنی زندگی بسر کرنے کی روادار نہ ہونگی -

بہت قریب ہین وہ دن کہ ہندوستانی عورت ان تمام رسوم و بدعات کو خود ترک کر دیگی جو اوسکی فطرت کا جزو لاینفک بنگئی ہین اور جنہین تاریکی تمدن اور روایات خانہ نے فرائض نسائیت مین بجبر شریک و داخل کر دیا ہے -

عورت، عورت ہی رہیگی، مگر مردون کی طرح کام کرنے والی، اور میدان عمل مین مردانہ وار دوڑنے والی - معاشرت کی تنگیان اب اسکی لئے گنجائشین پیدا کر دیگی - اور وہ قیود رنگ و بو سے نکلکر سادگی اور متانت کی ایک ایسی خوشگوار شاہراہ پر نمودار ہو جائیگی جسمین لغزش پا کا اندیشہ باطل اُسے کبھی نہ ڈگمگا سکیگا -

تعلیم اور ماحول کی سرگرم شورشون نے ہندوستانی عورت کے کان کھولائے ہین - وہ ملکی معاملات کو بگوش ہوش سنتی ہے اوسکی آنکھین کھل چکی ہین وہ واقعات و حادثات کو بچشم غور کی آنکھون سے دیکھتی ہے - اُسکے معصوم دل مین پہلے انسانی خود غرضی صرف محبت گاہ سمجھتی رہی جذبۂ قومیت نے جگہہ پائی ہے اور اب اوسکی محبت کا اقتضا یہ ہے کہ وہ اُس قوم کی اعانت کرے جسمین وہ پیدا ہوئی ہے اور جسکی تعمیر مین اوسکی تخلیق بہی ایک رکن خاص ہے -

پہلے اُسکا حسن صرف قابل پرستش سمجھا جاتا تھا، مگر اب وہ سمجھہ گئی ہے کہ حسن کی پرستش قومی اصلاح و مفاد کا باعث بنین ہو سکتی اور خود اُسکا حسن اسکے پرستارون کی لئے پراگندگی و پریشانی کا باعث ہوتا جاتا ہے - اسلیئے وہ اب اپنی حسن سے زیادہ متاثر نہین رہی ہے - اور یہ وہ جذبہ ہے جسنے اُسے اپنی عصمت، عفت، اور عزت کی طرف سے قطعاً مطمئن کر دیا ہے -

پچاس برس کے بعد، یہی ہندوستانی عورت، مذہب کی ایک پرجوش مبلغہ، قوم کی ایک ادب آموز معلمہ، اور ملک کی ایک متین الخیال مصلحہ ہوگی - اور یہہ وہ زمانہ ہوگا کہ عورتین اس ملک کی گذشتہ روایات کو تضحیک و تحقیر کے ساتھہ یاد کرینگی اور تاریخ کے بیشتر صفحات ندامت و عبرت کے رنگ سے لبریز نظر آنے لگینگے -

نذیرہ

ہلالِ رمضان

سحرِ نگاہِ ناز روز از کیف خواب نشّہ بار

منظرِ شرابِ نوم زار — جامِ لبیلا پرخمار
بے خود فضائے مے گسار — نظارہ مستِ سحر کار
سحرِ نگاہِ ناز روز از کیف خواب نشّہ بار

مخمور دیدۂ شفق لب ہا چو مستیٔ خراب

رنگ افق شرابِ ناب — لرزش بچشمِ آفتاب
در زلفِ شام پیچ و تاب — چوں سما نمودے خواب
مخمور دیدۂ شفق لب ہا چو مستیٔ خراب

نزہت طراز بوئے گل موجِ شمیم غنچہ دار

بادِ صبا چمن نگار — جنت فروش لالہ زار
رخسار غنچہ صد بہار — نرگس ز کیف سحر کار
نزہت طراز بوئے گل موجِ شمیم غنچہ دار

شبنم ز خندہا سرورِ گل ہائے لالہ گون فروش

بلبل فسونِ نغمہ کوش — امواج سبزہ گل بدوش
جوئے لطیف سیم پوش — گلشن چو مستی نعموش
شبنم ز خندہا سرورِ گل ہائے لالہ گون فروش

مخمور نوم میکدہ صہبا چو مستِ خوابِ ناز

منظر فسونِ خواب ساز — زرپاشِ شمع ضو طراز
پروانہ جوشِ صد نیاز — ذراتِ نجم سکہ باز
مخمور نوم میکدہ صہبا چو مستِ خوابِ ناز

فیہا ئے چرخِ زر فروش گلرنگ سطحِ آسمان

روئے افق جبین چکان — ضو پاشِ سطرِ کہکشان
انجم ز کیف ارغوان — اختر چو نازِ مہوشان
پہنائے چرخِ زر فروش گلرنگ سطحِ آسمان

شور نشور شد بلند گشتہ سروش نغمہ زار

برقِ نگاہ بے قرار — مژگان ز جوش تار تار
گشتہ جہان دل نثار — شد بے نقاب آن نگار
شور نشور شد بلند گشتہ سروش نغمہ زار

بے پردہ گشت یک بیک روئے ہلالِ نازنین

تابش فزا مہ جبین — زر ریز چشمِ کافرین
لب ہا شرابِ احمرین — برقِ نگاہِ شرمگین
بے پردہ گشت یک بیک روئے ہلالِ نازنین

از لب نمودے کیف صوم چشمان مستِ روزہ دار

زردی بہ جلوۂ عذار — مژگان ز صوم تیر خمار
سیمین جبینِ زر نگار — ہان نشّۂ صیام بار
از لب نمودے کیف صوم چشمان مستِ روزہ دار

در چشم ذرہ ذرہ ہان نور نیاز ریختہ

از ہر نگاہ جلوہ زا — صد برکتِ حرم نما
تقدیس ریز ہر ادا — انوار قدس شد فضا
در چشم ذرہ ذرہ ہان نور نیاز ریختہ

انوار فضل ذو الجلال ریزد بہ عالمِ مجاز

رحمت نما عذار ناز — چشم جہان بصد نیاز
منظر بہ سجدۂ نماز — شد کائناتِ صوم ساز
انوار فضل ذو الجلال ریزد بہ عالمِ مجاز
پلہان کشادہ در نیاز شو سر نگون بہ بندگی

جب عورت آزاد ہوگی!

مین گذشتہ اشاعت مین بذیل مشورت "آزادی نسوان" کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرچکا ہون اور اُس خطرہ کی طرف سے مطمئن کرچکا ہون۔ جو آزادی نسوان سے مرتب ہونیوالا ہے۔ آج مین اس مسئلہ پر کسیقدر وضاحت سے بحث کرنا چاہتا ہون کہ جب عورت آزاد ہوگی تو موجودہ نظام تمدن مین کیا کیا تغیر پیدا ہوجائینگے۔

عورت کی آزادی کو کسی بلا یا فتنہ کی آزادی پر تعبیر کرنا خیال کی کمزوری، اور دماغ کی بیماری ہے۔ خصوصاً جبکہ آسکے غیر آزاد ہونے پر بھی آپ اُسکے اطوار و اخلاق کو اندیشناک نگاہون سے دیکھنے کے عادی ہوگئے ہین۔

عورت کی آزادی کے اثرات جو سرزمین مغرب پر مترتب ہورہے ہین کیا ضرورت ہے کہ انھین کا صدور یہان بھی ہو۔ اثرات نسائیت کا ہیجان ماحول اور آب و ہوا کی اثرات سے مرتب ہوتا ہے اور ہندوستان کی آب و ہوا مین مغرب کی آب و ہوا سے جو تخالف ہے اُس سے کوئی واقف کار انکار نہین کرسکتا۔

مغرب کے طوفان بےحمیت مین بھی ہر عورت کا دامن تخریب خیال کی حیاسوز آلودگیون سے ملوث نہین ہے اور اگر ہو بھی تو ہندوستانی عورت کے اخلاق پر اس قسم کی شبہات روا رکھنا قبل از وقت اور انسانی خیالات و توقعات کا قابل ترمیم معیار تخیل ہے۔

عورت آزاد ہوگی اور ضرور ہوگی، اور جب وہ آزاد ہوگی تو ملکی و قومی آزادی کا مظاہرہ اُسکے دامن عمل سے وابستہ نظر آئیگا وہ آزاد ہوکر بتائیگی کہ آزادی و آزارگی مین کیا فرق ہے؟ اور جسمانی و خیالی آزادی مین کیا تخالف ہے۔

عورت اپنے جسم کو اب آزاد نہین کرسکتی۔ یہ ایک طے شدہ مسئلہ ہے۔ ہندوستان کا ماحول ہرگز اجازت نہین دیتا کہ عورت جسمانی آزادی حاصل کرنے کی جد و جہد کرے۔ نہ ابتک طبقات نسوان مین جسمانی آزادی کا خیال پیدا ہوا ہے۔ البتہ آزادی خیال عورت کا خاص مطمح نظر ہے اور وہ اُسے حاصل کرکے رہیگی۔

جب عورت کامل طور پر آزاد ہوجائیگی تو اُسکی آزادی، آزادی معلوم نہ ہوگی۔ بلکہ دیکھنے والون اور سوچنے والون کو یہ معلوم ہوگا کہ وہ ایکایسی قید سے رہا ہوئی ہے جہان اُسکی حس اور اُسکا مذاق فطری بالکل تباہ ہورہا تھا۔ اور جہان اُسکی نسائیت برباد ہونے کے سوا کچھہ اور ہو ہی نہین سکتی تھی۔

جب عورت آزاد ہوکر مردون کے دوش بدوش خانگی، ملی، قومی، اور ملکی جد و جہد مین شریک ہوگی تو وہ کام جنکی تکمیل کیلئے صدیون کی مدت کا اندازہ لگایا جارہا ہے دنون مین مکمل ہوجائینگے۔ اسلئے کہ مردون سے زیادہ عورت مین قوت احساس ہے۔ اور اُسے جب کوئی احساس ہوتا ہے تو وہ اُسکی تکمیل مین اپنی کوششون اور ارادون کو بےانتہا بلند کردیتی ہے۔

عورت کی آزادی مردانہ قوت عمل مین نہایت خوشگوار اضافون کی ذمہ دار ہوگی۔ کوئی مرد اپنی غیرت وحمیت کے تاثر سے کبھی پسند نہ کرے گا کہ اوسکی عورت اپنے ارادون اور کوششون مین کامیاب نہ ہو۔ اور اسطرح مردانہ جد وجہد کی لئے کچھہ اور بڑہتی چلی جائیگی۔ جسکی وجہہ سے معمولات حیات مین معتدبہ آسانیان پیدا ہونیکا امکان نہایت تیز ہو جائے گا۔

عورت کی فطرت مین ایک انفعال، اور ایک لجاجت فطرتاً رکھی گئی ہے اور اُسکا مقتضیٰ ہے کہ وہ مرد پر غالب نہ آسکے اسلئے عورت جسطرح اسوقت مجبور ومغلوب ہے اسیطرح اُسوقت بھی رہیگی۔ لیکن اوسکی عملی قوتین، جنہین حبس طبیعت نے بیکار کردیا ہے اُسوقت جاگ جائینگی۔ اور وہ مجبور ہو کر بھی دنیا مین غیر قومی جباریت اور استبداد کی بیخکنی مین مصروف رہ سکیگی۔

عورت کا زمانہ آزادی بہت قریب ہے، اب سوم کی مہمل پابندیان اُسکی دار وگیر مین زیادہ کامیاب نہین ہوسکتین اُسپر جہالت اور پابندی کے ہاتھون جو ظلم ہو رہے ہین، اُسے تکلیف دینے اور کمزور کرنے کی جو تدبیرین ذہن رجالی مین جوش کہا رہی ہین، (جنکا ایک صحیح اندازہ ان اشتہارون سے ہوتا ہے جو تمام اخبارون اور اکثر مدعیان اصلاح وتہذیب رسالون مین سب سے زیادہ جگہہ گھیرتے رہتے ہین) وہ سب ناکام وناتمام رہجائینگی۔ اور وہ آزاد ہو کر نہ صرف اپنے مستقبل کو مضبوط ومستحکم، خوشگوار اور غیر تکلیف دہ بنا سکیگی، بلکہ مردون کی اُن عام اخلاقی کمزوریون کی اصلاح بھی کر سکیگی جو عورت کی مجبور اور عضو معطل ہو جانے سے اُن کے جبر پسند اور مہوس دلون مین پیدا ہو گئی ہین۔

عورت کی آزادی ایک اطمینان بخش خیال ہے۔ جس سے ہماری نسلون کی عدم تربیت اور عام ضعیف البنیادی کا اندیشہ کمزور ہوا جاتا ہے۔ جب عورت آزاد ہوگی تو اپنی بچون کی تعلیم وتربیت مین مردون سے زیادہ انہماک پیدا کر سکیگی۔ اُسکے آزاد ہوتے ہی دوسری قومین مغلوب اور ناکام نظر آنے لگینگی اسلئے کہ میدان عمل مین جنود نسائیت ایک ہنگامۂ نو پیدا کردے گا۔ اور دشمن کے پانؤن میدان سے خود بخود اُکھڑ جائین گے۔

"ہم عورت کو آزاد دیکھنے کی آرزومند ہین۔ **ایسی آزادی جو مذہب اور اخلاق کے جذبات کو قایم رکھتی ہوئی عورت کو موجودہ تاریکی سے باہر نکال دے۔** اور ایسی آزادی جو اسلام کی روایات کو زندہ رکھتی ہوئی، معاشرت مین ایک فروتر سی تبدیلی، اور ایک تسکین آفرین تغیر پیدا کردے۔"

جو لوگ عورت کی آزادی کی خلاف احتجاج کر رہے ہین وہ منشائے قدرت کی خلاف ایک ایسی راستے پر چلنے کے آرزومند ہین جو قطعی ناہموار اور جسکی ہوائین یکسر بے سکون وپریشانی سے لبریز ہین، حقیقتاً وہ فطرت سے جنگ کرتے ہین۔ مستقبل کی تنظیم کا دعویٰ کرنیوالے جب بہ معان نظر غور کرینگے تو اُنہین اچھی طرح اندازہ ہوسکیگا کہ عورت کا اشتراک اُنکی عملی زندگی کی لئے ایک ناقابل انکار ضرورت ہے، جسکی لئے اگر وہ اپنی آغوش تنگ کرنے کی فضول کوشش کرینگے تو عورت کی آغوش خود وسیع ہو جائیگی۔

مدیرہ

معصوم ساقی

(۱)

بہشتی کا پیارا لڑکا سو کر ابھی اٹھا ہے — نیندوں کی گودیوں میں انگڑائی لے رہا ہے
آنکھوں میں پتلیاں ہیں پتلی میں نیند سی ہے — انگڑائیوں کی جنت اک کیف بیخودی ہے
آنکھوں میں ہے تبسم ہونٹوں میں تازگی ہے — معصومیت کی سرخی رخ میں جھلک رہی ہے
ہیں بال بکھرے بکھرے آنکھیں ہیں نیند میں سم — طفلی کی کیفیت ہے اک سادگی کا عالم
انگڑائی لے کے آخر مشکیزہ کو سنبھالا — مجبور ہو کے گھر سے باہر قدم نکالا

(۲)

سرسبز ہیں فضائیں شفاف سا کنواں ہے — پانی کی تابشوں میں بلور کا گماں ہے
کچھ لڑکیاں سنبھالے گاگر کھڑی ہوئی ہیں — نازک کمر پہ کالی زلفیں پڑی ہوئی ہیں
پلکوں میں اک حیا ہے چتون میں اک ادا ہے — دوشیزگی کا دریا آنکھوں میں بہہ رہا ہے
ہونٹوں میں بجلیاں ہیں ہیں سرخ گال انکے — فطرت کی سرخیوں میں لب لال لال انکے
رنگینیوں کا عالم یہ کیف صبح صحرا — یہ مستیاں فضا کی یہ کیفیت کی دنیا
اس عنبریں فضا میں ساقی نے ڈول پکڑا — پاؤں جگت پہ رکھا جھک کر کنوئیں میں ڈالا

(۳)

معصوم چشم ساقی یہ تیری خدمتیں ہیں — نازک کمر پہ کیسی برپا قیامتیں ہیں
طفلی کا یہ زمانہ یہ سن یہ سال تیرا — بچپن کی یہ بہاریں اسیر یہ حال تیرا
صد آفریں ہے تجھ پر اے سادہ حال ساقی — دل کر چکی ہیں مضطر آفت خدمتیں یہ تیری
سیراب کر رہا ہے یہ فیض عام تیرا — جب ہی تو ہے بہشتی دنیا میں نام تیرا

آ الفت وطن کا عفت کو جام دیدے
خدمت کا قوم کی ہاں اسکو پیام دیدے

آمنہ خاتون عفت

تحفظِ معاشرت

میرے خیال مین ہندوستانی عورت کی معاشرت ان ۳ باتون پر مشتمل ہے۔

(۱) پردہ

(۲) عصمت

(۳) لباس

مستقبل قریب عورت کو ایک نئی زندگی کا پیغام دے رہا ہے۔ اسلئے ابھی سے غور کرنے کی ضرورت ہی کہ موجودہ معاشرت کے کون کون سے شعبے ایسے ہین جنکا تحفظ کرنا ہمارے لئے باعث آسانی ہوگا۔

عورت کی معاشرت مردون کی معاشرت سے قریب قریب ملتی جلتی ہے۔ لیکن باعتبار عورت ہونے کے پھر بھی کچھ خصوصیات ایسی ہین جنمین صرف عورت کارفرما ہے اور آجتک مردون کی معاشرت نے ٹکر نہین کھائی ہے۔

(۱) **پردہ** - موجودہ حالتون پر اور ماحول حاضرہ پر نظر ڈالتے ہوئے پردہ کا قیام نہایت ضروری معلوم ہوتا ہی۔ لیکن آگے چلکر اگر پردہ کا عالم یہی رہا تو وہ شاہراہ ترقی مین ضرور حارج ہوگا۔ اور عورت کی آزادی اس خلش کی موجودگی مین مکمل نہ ہوسکیگی۔ اسلئے اگر اسمین تھوڑی سی ترمیم ہوجائے تو مناسب ہے۔ میرے خیال مین ہر عورت کا محرم کی نگاہون سے دور رہنا لازمی ہی۔ لیکن اگر ضرورت ہو تو چہرہ پر "نقاب" کا اضافہ بہت سے خطرات کو دور کرسکتا ہے۔ عام جلسون کے لئے دراز دامن لباس اور نقاب پردہ کی ضرورت کو بحد کافی پورا کرسکتا ہے۔ کسی زمانہ مین بھی عورت کو عام شاہراہون پر پردہ کی حالت مین یا بےپردگی کے عالم مین گذرنے اور پیادہ پا صرف خرام ہونے کی ضرورت نہین۔ تحافے، جو ڈولیون کا ارتقا ہین، عورت کے لئے بکثرت مروج ہونی چاہئین۔ جسطرح آج ہمارے لئے قسم قسم کی سواریان ضرورت کی لحاظ سے رائج ہوتی چلی جارہی ہین۔ اسیطرح عورتون کے لئے بھی پردہ دار سواریون کا انتظام ہونا چاہئے جنمین سوار ہوکر وہ آزادانہ ہر جگہہ جاسکین۔ پردہ کی اتنی احتیاط عورت کی آزادی مین خلل انداز نہ ہوسکیگی۔

(۲) **عصمت** — یہہ ایک ایسا مسئلہ ہے جسکا حل عورت کی طبیعت خود کرسکتی ہے۔ کوئی عورت نہین چاہتی کہ وہ بےعصمت کہلائے۔ ضرورت صرف اتنی ہے کہ بعض خاندانون مین لڑکی کا نکاح بیس بیس سال تک نہین ہوتا۔ اور بعض جگہہ بیوہ ہونے کے بعد نکاح ثانی کی طرف مطلق توجہ نہین کیجاتی۔ یہہ کہکر ٹال دیناکہ "ہمنے اس سے کہا تھا مگر وہ بڑی سعید اور نیک نہاد ہے۔ کہتی ہے مین تو اپنی عمر اسی طرح بسر کرلونگی" ایک قسم کا حیلہ ہے۔ اگر لڑکیون کی شادی ۱۴ سال کی بعد کردیجائے اور بیوہ ہونے کے بعد انکے نکاح ثانی کا فوراً خیال کیا جائے تو یہہ مسئلہ بغیر کسی بحث وتمحیص کے اپنی جگہہ خود ہی حل ہوجاتا ہے

ہان رسم نکاح مین تہوڑی سی تبدیلی کی ضرورت ہے جو عورت کے آزاد مستقبل کا خیال کرتے ہوئے، نہایت اہم اور لازماً قابل عمل نظر آتی ہے - ابتک نکاح والدین کے انتخاب پر ہوتا ہے مگر اب ضرورت ہے کہ جانبین ایک دوسرے کی تصویرین دیکھنے کے بعد اپنی رضامندی کا اظہار کرین۔ رسم نکاح مین اس تبدیلی کا اضافہ لڑکے اور لڑکی کے مستقبل کو ان تمام خطرات سے محفوظ کردے گا جو عورت کے آزاد نہ ہونے کے باوجود آجکل ہی عام طور سے پیدا ہورہے ہین طلاق و نفاق کے مقدمات سے عدالتون کے کمرے برابر گونجتے رہتے ہین۔ اور یہ شورشین ہندوستان مین اسقدر عام ہین کہ کوئی مقام اور کوئی شہر ان سے خالی نہین ہے۔ نارضامندی کا نکاح با الجہن مشکلات کو بڑہا رہا ہے وہ تمام شکلین اسطرح ختم ہوسکتی ہین۔ یہ خیال کرنا ایک ناکتخدا لڑکی کو اپنے ہونے والے شوہر کی تصویر دیکہنا اخلاقاً جائز اور مذہباً روا نہین رکہا جا سکتا، وہ ہی جہالت آمیز خیال ہے جس نے عورت کی زندگی کو ابتک برباد کیا ہے۔ آجکل لڑکیان اخبار اور رسالے ضرور دیکہتی ہین۔ خواہ وہ تعلیم یافتہ ہون یا غیر تعلیم یافتہ۔ اور رسائل مین مردانہ، زنانہ، ہرقسم کی تصاویر ہوتی ہین۔ اسکے علاوہ تصاویر کی ارزانی و ترویج اسقدر عام ہے کہ شاید ہی کوئی گہر تصاویر سے خالی ہو۔ پھر اخلاق اور مذہب کی یہ کوئی ضد نہین ہے کہ ایک ناکتخدا لڑکی دنیا بھر کے مردون کی تصویر دیکہہ سکتی ہے۔ مگر اپنے ہونے والے رفیق حیات کی تصویر نہین دیکہہ سکتی! مین پوچہتا ہون کہ محض تصویر کے دیکہنے سے کونسی گناہ کا اضافہ ہوتا ہے۔ اگر لڑکی کی طبیعت مشاہدہ تصویر سے متنفر اور اوسکے چہرہ کا رنگ متغیر ہوجائے تو اس سے یہ فائدہ ہوا کہ شوہر کی ناپسندی کا علم ہوگیا۔ اور اگر نظارۂ تصویر کسی قسم کے ہیجان کا باعث ہو تو بہتر ہے۔ کہ پسندیدہ شوہر نکاح کے لئے پہلے ہی منتخب کرلیا گیا ہے بہرحال اس قسم کا عکسی تعارف خلاف مصلحت نہین ہے۔

ان باتون کے بعد تحفظ عصمت مین کوئی شک و شبہہ باقی نہین رہتا۔

(۳) **لباس** - اسمین شک نہین کہ اسلامی لباس ایک جوان عورت کے لئے - آجکل کچہہ زیادہ موزون نہین ہے - اسلامی لباس مین عربی معاشرت کو زیادہ دخل ہے - مگر اب تو عرب مین ہی تبدیلی لباس کا رواج ہوگیا ہے؛ لباس کا تعلق زیادہ تر شوہر کے پسند پر موقوف ہے وہ جیسا پسند کرے ویسا لباس عورت کو پہنا سکتا ہے۔ لیکن اسلامی سلطنت مین خواتین منعیہ لے جو لباس ہندوستانی عورتون کے لئے تجویز کیا تہا، معمولی سی مناسب ترمیم کی بعد موجودہ زمانہ مین بہی ناموزون معلوم نہین ہوتا۔ مگر ہندوستان کی بعض صوبون مین وہان کی معاشرت کی مطابق، ساری اور شلوار کا ہی رواج ہے - یہ لباس ایسا ہے جسکا تحفظ لازمی ہے، ور جو مسلمان عورتون کو دوسری قوم کی عورتون سے ممتیز کرسکتا ہے - لیکن یہان یہہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عورتون کا لباس اور اسکی نوعیت کیونکر قایم رہ سکتی ہے؟ جبکہ ہم ایسے لباس کی حفاظت نہ کرسکے۔ اس حقیقت سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ عورت مرد کی فطرت سے اکثر باتین اخذ کرتی رہتی ہے۔ اور عورت کا لباس ایک حد تک ہماری پسند کی بنا پر ہمیشہ مرتب ہوتا رہا ہے

اور ہم کہ آج اپنے لباس مین مغربیت کی کس درجہ تقلید کر رہے ہین۔ یہہ غالباً کسی منصف نظر سے چھپا ہوا نہین جب ہم عورت کی آزادی کو مغربی آزادی کی تقلید سے محفوظ رکھنا چاہتے ہین اور آسے دنیا مین بالکل جدید نوع کی عورت دیکھنے کے متمنی ہین تو ہمین سب سے پہلے اسکی ضرورت ہے کہ انجداب مغربیت کی خود ہی کوشش نہ کرین۔ اور جہانتک میرا خیال ہے۔ یہ ایثار ہندوستانیون سے قیامت تک نہین ہو سکتا۔ اور اگر یہ ایثار نہین ہو سکتا تو ذرا مشکل نظر آتا ہے کہ ہندی خاتون کا موجودہ لباس قائم رہ سکے۔ تاہم ہمارا فرض ہے کہ ہم عورتون کو تقلید لباس سے بہی محفوظ رکہنے مین ساعی ہون اور صرف وہ لباس اپنے گہرون مین قابل ترویج رکھین جو مناسب ہے اور جس پر کوئی اعتراض نہین ہو سکتا۔

یہہ تین معاشرانہ طریقے ایسے ہین جنکا تحفظ عورت کے مستقبل کے لئے ضروری ہے۔ اگر عورت کو آیندہ اپنی معاشرت مین کسی اضافہ کی ضرورت ہوگی تو اسکا انتظام زمانہ خود کر دے گا۔ لیکن ان تین باتون کا عورت کی زندگی کے ساتھہ رہنا۔ اب بہی لازمی ہے اور آئندہ بہی لازمی رہے گا۔

مدیر

معلومات

پیمانہ

فروری سنہ ۱۹۲۶ء

خلاصۃ الباب:-

تاریخی معلومات

مصر کی قدیم مورتین اور عبادت گاہین

"مصر اور اسکی قدیم خصوصیات" یہ ایک ایسا عنوان ہے جسپر ایک بسیط کتاب اب بھی لکھی جاسکتی ہے جبکہ مصر کے متعلقات پر جلدین کی جلدین شایع ہو چکی ہین۔ جن حضرات کو تاریخی مذاق ہے۔ انکے لئے ذیل کا نوٹ دلچسپی سے خالی نہو گا۔

دار العجائب مصر کے شہر "تھیبس" کی دو بت

اس سے پہلے آپ کی سماعت ان دو بتون کی تاریخی خصوصیات سے بہرہ اندوز ہو، مین چاہتا ہون کہ تھیبس کی تاریخ پر کچھہ روشنی ڈالون۔ تھیبس مصر فراز کے درمیانی اطراف مین بسا ہوا تھا۔ دریائے نیل وادی مین بہتا ہے اور اسکے دونون طرف دو دو کوس کے فاصلہ پر کوہی سلسلہ ہے۔ دریائے نیل کے دونون طرف تھیبس سلسلۂ کوہ مین پھیلا ہوا تھا۔ اکثر محققین کا یہ خیال ہے کہ تھیبس مصر کا سب سے قدیم شہر اور "دار الحکومت" تھا ہومر نے بھی اس

شہر کا ذکر کیا ہے۔ اور اسکی عظمت وحشمت کو عجیب ترنمات سے سراہا ہے۔ تھیبس کو سو پھاٹک کا شہر بھی کہتے ہیں۔ ہیروڈٹس اور ارسطو نے بھی اس شہر کا ذکر کیا ہے اور انکی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ سولہ سو برس قبل مسیح تھیبس کی عظمت اور حشمت اعلیٰ ترین درجہ پر تھی۔ اسوقت شہر تھیبس کا نام "تھیابد" تھا۔

جب سکندر نے مصر کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اور اسکندریہ کو بسایا تھیبس کا انحطاط شروع ہوگیا اور نام بھی بدل گیا۔ رومیوں نے اُسے اصلی حالت پر لانا چاہا۔ مگر عیسائیت کے رواج نے اسے اور بھی منحط کر دیا۔ اور جب اسلام کے قبضہ میں آیا تو قطعی برباد ہوگیا۔ اور عظیم ترین شہر کی جگہ صرف چار گانون بسے رہ گئے۔

امتداد کے فطری حملون اور زمانہ کی متعدد تباہیوں کے بعد بھی یہاں ایسے ایسے عجیب مندر مقبرے اور تباہ حال بُت موجود ہیں جو انسانی کمال کا حیرت ناک مظاہرہ ہیں۔ یہہ تمام عمارتیں ۳ کوس تک پھیلی ہوئی ہیں۔

سیاح جو وہان ہو آئے ہیں کہتے ہیں کہ شہر میں داخل ہوتے ہی فوراً محسوس ہوتا ہے کہ شہر انسانون کا بسایا ہوا نہیں، عفریتوں کا بسایا ہوا ہے۔

تھیبس کی قدیم عجیب چیزون میں یہ دو مورتیں بھی ہیں جنکی عکسی تصویر صفحہ ۶۴ پر دیجا چکی ہے۔ ان میں سے ہر مورت کی اونچائی ۵۰ فٹ ہے۔ دونوں مورتیں ایک ہی پتھر میں بنائی گئی تھیں۔ لیکن اب پھٹ جانے کی وجہہ سے دو معلوم ہوتی ہیں۔

اہل مصر ایک مورت کو کہامہ اور دوسری کو تامہ کہتے ہیں، یوروپین تامہ کو میمنن کا بت کہتے ہیں کہامہ کی تشکیل نہایت خراب ہوگئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مورت کے نزدیک عمداً عظیم آگ لگائی گئی ہے پتھر کا رنگ کالا ہو چکا ہے اور نہایت غور کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہہ کسی انسان کا بت ہے۔ کان اور ٹوپی وغیرہ نظر آتی ہے۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ "انسان" اپنی نوع کی کس درجہ تضحیک کرتا ہے۔

میمنن کی مورت یعنی تامہ کی حالت کہامہ کی حالت سے کچھہ اچھی ہے اسکے چبوترہ کی مرمت بھی ہوگئی ہے جس چبوترہ پر تامہ رکھی ہوئی ہے وہ ۳۲ فٹ لانبا ہے اور اسکے چارون پہلوؤں قدیم مصری حروف کتابون اور مورتون سے منقش ہیں۔ تامہ پاؤں سے گھٹنوں تک ۱۸ فٹ اونچی ہے اور اسکے پاؤن آگے کو ۱۰ فٹ لانبے ہیں۔ اور کرسی کے سامنے والے حصہ پر تامہ کے دونوں تلووں میں تین مورتیں ۱۵ فٹ اونچی بنی ہوئی ہیں جو لانبے لانبے جامے پہنے ہوئے دکھائی گئی ہیں۔ اور ان کے سرون پر نوکدار ٹوپیاں ہیں۔ جنھوں میں نفیس نفیس کلغیاں لگی ہوئی ہیں۔ پشت کی چوڑائی ٹھیک ۱۹ فیٹ ہے اور کرسی سے تامہ مورت چوٹی تک ۶۰ فیٹ لانبی ہے! اس مورت کے ہاتھہ کی بیچ کی انگلی کی لمبائی ۴ فیٹ ۵ انچہ ہے۔ چھہ کوس کے فاصلہ سے یہ مورتیں نظر آتی ہیں۔ ہومر میمنن مورت کے متعلق لکھتا ہے۔

وہ ہر روز سورج کے طلوع ہوتے وقت ایک مترنم آواز اس سے نکلتی ہے

وہاں کے پروہت اس آواز کو معجزہ تصور کرتے تھے۔ اور اس آواز کی وجہ سے دور دور ان مورتوں کی شہرت ہو گئی۔ جن لوگوں نے یہ آواز سنی تھی اُن سے علم ہوا تو انہوں نے کہا کہ آواز کی نوعیت یہ تھی کہ جیسے ستار کا ایک تار بجکے ٹوٹ گیا ہو۔ لیکن زمانہ جدید کے ایک عالم آثار قدیمہ نے اسکی تحقیق نہایت لطافت سے کی۔ وہ سیڑھی کے ذریعہ مورت پر چڑھ گیا اور چھپ کر اسکے پتھر پر ایک ہتوڑا مارا۔ آواز پیدا ہوئی اور فضا میں گم ہو گئی۔ لوگوں سے دریافت کیا تو وہ اسی نوع کی آواز معلوم ہوئی جسکے بابت افواہ تھی۔ مورت پرست پنڈتوں کی یہ اک مضبوط چالاکی تھی۔

محقق لکھتا ہے:۔ کہ ابتک اس مورت کی آغوش میں ایک سخت ترین پتھر رکھا ہوا ہے، جب اسپر کسی شے سے ضرب دیجاتی ہے تو ویسے ہی دہات کی سی آواز بلند ہوتی ہے۔ ایک سوراخ اس پتھر کے پیچھے تراشا ہوا نظر آتا ہے، اتنا بڑا کہ ایک آدمی اچھی طرح اسمین سما جائے۔

مصر کا ایک قدیم عبادت خانہ

جہاز کے شکستہ ٹکڑوں کی طرح مصر کی برباد و خستہ عظیم الشان اور حیرت آفرین عمارات و اصنام کاریاں اسبات کی دلالت کرتی ہیں کہ مصری قدیم ترین زمانے میں علوم و فنون سے واقف تھے۔ انکی حشمت کھنڈروں کی سیاہ اور ہیبتناک پتھروں سے واضح ہوتی ہے۔

تھیبس اور میمفس کے مینار اور اہرام و عبادت خانے جو فرعون اوّل کے زمانے میں جبکہ یونان میں چند خانہ بدوش

وحشی آباد تھے تعمیر ہوئے۔ جن سے مصریون کے علم و ہنر پر کافی روشنی پڑتی ہے۔
یقیناً اس زمانہ کے حال ہمارے علم سے باہر ہے اور ہم جو کچھ بھی معلوم کر سکے ہین وہ تاریخ کے غیر متعلق اشارون سے۔ مصر کی قدیم تاریخ کا مسلسل ذکر کہین نہین ملتا جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ اس قوم کے دماغ کن کن علوم سے متجلی تھے۔ یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ وہ ریاضی، ہیئت، طب، کیمیا وغیرہ سے شاید واقف ہون، لیکن یہ یقینی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آدھے حکیم تھے۔ اور اُنکی حکمت ناممکل تھی۔ وہ ہنر والی ترکیبون سے تو واقف تھے لیکن اسکے قواعد ان کے یہان مرتب تھے۔ اسلئے اُنہون نے علوم مین بہت کم ترقی کی۔ اور یہ ہی وجہہ ہے کہ اُن پر جلد زوال آیا۔ اور قوم کی قوم برباد ہو گئی۔ گو اسکے خلاف بھی نظام عالم کا اقتضا بھی یہی تہا کہ وہ برباد ہوتے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ قومین جنہون نے علوم مین ترقی کی زیادہ وقت تک زندہ رہ سکین اور اب بھی جن قومون مین یہہ احساس ہے وہ ہمیشہ زندہ رہینگی۔
مصریون کی مصنوعات مین۔ عبادت خانے اور مورتین خصوصیت کے ساتھہ عظیم الشان اور عجیب المنظر ہین۔ تاریخ سے مصریون کے عقائد کی زیادہ نمایش نہین ہوتی۔ لیکن انکی باطل پرستیان عبادت خانون اور بتون کے دیکھنے سے بہت اچھی طرح معلوم ہو جاتی ہین کہ وہ کسدرجہ مورتون اور عبادت خانون کی تعمیر مین کاوشِ عقیدت سے کام لیتے تھے۔ انکا تعلق اسدرجہ صرف ہوتا تہا کہ اندازہ نہین کیا جا سکتا۔
مصری عبادت خانے کوٹھریون اور صحنون پر مشتمل ہوتے تھے۔ اور انکے سامنے سہ گوشہ چوڑی دیوار ہوتی تھی (تصویر مین آپ دیکھینگے کہ دیوارین کسدرجہ وجاہت ہے) اور دائین بائین ایک بلند دیوار عمارت کو قطعی گھیرتی تھی۔
ادفو (مصر) مین جسقدر سہ گوشہ دیوارین عظیم اور درست ہین۔ تمام مصر مین ان دیوارون کی مثال نہین انکی بنیاد ۱۰۰ چار فیٹ لانبی اور ۳۰ فیٹ چوڑی ہے۔ اور اُن پر چارون طرف بڑی بڑی انسانی اشکال ترشی ہوئی ہین۔ اس عبادت خانے کا پھاٹک دو سہ گوشہ دیوارون کے سامنے واقع ہے۔ اور بہت بڑا ہے۔ ۱۵ فیٹ ۷ انچ اسکی بلندی ہے اور ۱۰ فیٹ ۷ انچ چوڑائی۔ اس پھاٹک کے دائین بائین کئی نفیس سنگین مینار مستقل کھڑے ہین۔ اور ان میناروں اور دیوارون کے درمیان دو عظیم سنگین مورتین ہین۔ لباس کی وضع سے مترشح ہوتا ہے کہ ایک عورت کی مورت ہے اور دوسرا بت مرد کا۔
وِلکنسن لکھتا ہے کہ وہ دونون **ریمیسس** دویم کی مورتین ہین جس نے سہ گوشہ اور چہل ستون بنایا تھا۔ دونون مورتون کا قد برابر ہے۔ سینے تک وہ زمین مین دھس گئی ہین۔ اسپر بھی سینہ سے تاج کے گوشہ تک ۲۱ فیٹ لانبی ہین۔
ادفو میں ہر دیوار کے آگے دو طاق ہین **دینون** کا قیاس ہے کہ قبل مین انکے سامنے ستون کھڑے تھے۔
ادفو کی سہ گوشہ دیوارون کی اندر اکثر کوٹھریان ہین۔ جن مین روشنی کے لئے جھروکے بنے ہوئے ہین۔

اور جن کی متعلق قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ دیوارون کی تعمیر کے بعد بنائے گئے ہین۔
جب کوئی سہ گوشہ دیوارون کے درمیانی پھاٹک سے گذر کر ایک بڑے صحن مین داخل ہوتا ہے تو اسے چہل ستون اور سہ گوشہ دیوارون کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔
مصری بادشاہون کا اصول تہا کہ وہ عمارتون کو وسیع کر کے سہ گوشہ دیوارین اور ستون تیار کراتے تہے جن پر عجیب تین صناعی ہوتی تہی۔
تصویر بالا ایک مصری عبادت خانے کی تصویر ہے۔ جسکے پہلوؤن مین بڑی مورتون کی قطارین زینت عبودیت ہین۔
لکسر کے کھنڈرون مین بہی یہی عالم ہے کہ جب سہ گوشہ دیوارون مین سے گذرتے ہین تو ایک نناوے فیٹ لانبے اور ایک سو ستر فیٹ چوڑے صحن مین پہونچتے ہین تو چارون طرف ستونون کی قطارین ملتی ہین اور صحن کے کنارے ایک سہ گوشہ دیوار ہے جسکے پار ایک درمیانی چہل ستون ہے۔
ہر ستون کی موٹائی گیارہ فیٹ ہے اور درمیانی چہل ستون کی لمبائی ۷۰ فیٹ کی ہے۔ یہ چہل ستون ایک عظیم صحن مین پہونچتا ہے جسکی چوڑائی ۵۵ فیٹ ہے اور ۷۷ فیٹ لانبا اور اسکی چارون طرف بارہ بارہ ستون کہڑے ہوئے ہین۔

(باقی)

ایڈیٹر

قوم ملا کے حالات

ملک میسوپوٹیما کے مشرق مین ایک نہایت قابل یادگار ملک واقع ہے - جسے گذشتہ زمانہ مین ملایا کہتے تھے - اس ملک کے شمال مین بحیرۂ کسپین مغرب مین آرمینیا - اور جنوب مین ایران واقع ہے - ملایا کا بیشتر حصہ پہاڑون سے محصور اور پانی کی کثرت سے سیراب تہا - آجکل ملایا کو کردستان یا لورستان کہتے ہین - اس ملک کے باشندے ہمیشہ سے خونخوار اور جنگ پسند مشہور ہین - اور بوجہ بلند پہاڑون اور برف باری کے یہ ملک حملہ آور قومون کی ناکامی کا باعث بنا رہا ہے -

آریاؤن کا وہ فرقہ جس نے سب سے قبل مغربی ایشائی تہذیب کے میدان مین قدم رکہا ہے قوم ملا کے نام سے مشہور تہا - قوم ملا آجکل کے ایرانیون کی طرح نسل آریہ سے تہی - توریت مین تحریر ہے - کفار مین سب قومون سے طاقتور اور سارے گاؤن سے زیادہ خطرناک قوم تہی " ہیروڈوٹس (یونانی مورخ) تحریر کرتا ہی کہ ملا بالکل فارسیون کی طرح اسلاح پہنتے تھے - یعنی تیر و کمان اور خنجر سے لڑتے تہے - پانچ عورتون سے شادی کرنا اس قوم مین جائز تہا - لیکن امرا کی بیویون اور کنیزون کا تو کچہہ شمار ہی نہ تہا - عروج کے وقت جیسے ہی ملا شہوت پرستی اور عیش عشرت مین مشغول ہوئے ' بیویون اور خواجہ سراؤن کی تعداد بڑہتی گئی - حتیٰ کہ اعمال بد انکی قبل از وقت موت کے باعث ہوئے -

مورخین یورپ اس قوم کے وجود کو ایکہزار برس قبل مسیح تسلیم کرتے ہین - توریت جو پندرہ سو برس قبل مسیح لکہی گئی تہی - اولاد نوح مین قوم ملا کا ذکر کرتی ہے ' پس ثابت ہوا کہ پندرہ سو برس قبل مسیح بہی قوم ملا گمنام نہ تہی ' افسوس ہے کہ قوم ملا نے دیگر اقوام قدیم کی طرح اپنی قدیمی تہذیب کا کوئی نام و نشان نہین چہوڑا ' ابتدا مین اس قوم کے لوگ لکہنا پڑہنا بالکل نہین جانتے تہے ' عرصہ کے غور و فکر کے بعد انہون نے لکہنے کا طریقہ اپنے استعمال کے لئے ایجاد کیا ' وہ بجائے کاغذ کے کپڑا استعمال کرتے تہے ' ہر ایک بادشاہ کے وقت مین ایک منشی دربار مین لکہا کرتا تہا ' اینٹین جن پر بابل اور نینوا اپنے زمانہ کے اہم واقعات لکہہ کر چہوڑ گئے ہین ' قوم ملا مین مستعمل نہ تہی ' ملا شہرون کا بسانا پسند نہین کرتے تہے ' اور گاؤن مین ہی زندگی کے دن گزار دیتے تہے - تعمیر کا شوق انہین بہت کم تہا ' اسلئے ان کی وقت کی چند غیر ضروری شہر باقی رہگئے ہین - مثلاً اسپہان جسے آجکل اصفہان کہتے ہین - یہ قدرتی طاقتون کو آسورا یا اہورا کہتے تہے ' اور اندر (خدائے رعد و طوفان) مہترا (ضیاالشمس) آرامتی (زمین) وایو (ہوا) اگنی (آگ) وغیرہ کی الگ الگ پرستش کرتے تہے ' رفتہ رفتہ ان کے عقاید مین یہ فرق پڑا کہ نیکی اور بدی کی الگ الگ خدا ماننے لگے ' نیک خداؤن کو آسورا یا اہورا کہتے تہے ' اور بدی کے خداؤن کا نام دیو تہا - یہ قوم فرشتون کی بہی معتقد تہی ' باوجود ان مختلف عقاید کے اس قوم کا مذہب کا میلان وحدانیت کی طرف تہا ' اہورا مزدا کو خدائے بے نظیر خیال کرتے تہے اور اُسکی پرستش بدرجہ کمال پر تہی ' اُسے پیدا کرنے والا ' بحال رکہنے والا ' اور تمام دنیا کا مالک سمجہتے تہے ' انگرومینوس برائی کا خدا

تھا، اور اہورا مزدا اور انگرو مینوس میں باہمی عداوت تھی، یعنی جب اہورا مزدا کوئی اچھا کام بناتا ہے تو انگرو مینوس اُسے بگاڑنے کو اُٹھ کھڑا ہوتا ہے، مفلسی، جنگ، بیماریاں، اور تمام زہریلے پودے اور ہر قسم کے گناہ انگرو مینوس کے ہی بنائے ہوئے ہیں۔ اہورا مزدا کے لشکر میں فرشتے انگرو مینوس کے لشکر میں دیو مانے جاتے تھے، اہورا مزدا کے لشکر کا سردار سروش (ایک فرشتہ ہی) جو بنی نوع انسان کی حفاظت کیلئے دیو و خبات سے لڑا رہتا ہے۔ بیش قیمت ہونیکی وجہ سے گھوڑوں کی قربانی کی بہت قدر تھی، بیل، بکری اور بھیڑ ہی صدقہ کی طور پر ذبح کئے جاتے تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ مرنے کے بعد نیک و بد لوگوں کی ارواح جنوات پرتیو (پل صراط) کو جاتی ہیں۔ پل صراط ایک تنگ راستہ ہی جو جنت فردوس کو جاتا ہے، اچھے لوگوں کی ارواح کو پل پر سے گذرتے وقت سروش (فرشتہ) ہر قسم کی امداد پہونچاتا ہے، اگر بدکار لوگ گذرتے وقت ایک عمیق خندق میں گر پڑتے ہیں، جو اُن کے لئے سزا کا مقام ہے، جو نہی کوئی صادق جنت کے قریب پہونچتا ہے تو فوراً ہی بہمن (فرشتہ) تخت پر اُٹھ کر آداب بجالاتا ہے اور کہتا ہے "تم بڑے ہی خوش قسمت ہو کہ دنیائے فانی سے وارد جاودانی کو آئے" وہاں سے تین منزل آگے جنت ہے۔ جہاں رفتہ رفتہ نیک آدمی داخل ہو جاتا ہے۔

بدکار لوگوں کی روح جو نہی خندق میں گرتی ہے اپنے تئیں تیرگی میں پاتی ہے۔ یہ انگرو مینوس کا ملک ہے، اور وہاں کے لوگوں کی خوراک زہردار پودے ہیں۔ بعد میں قوم ملا کے مذہب میں اور بھی تبدیلیاں ہوئیں۔ یعنی ان کے عقاید بالکل آگ (مجوسی) جیسے ہو گئے۔ یہ مجوسی مذہب اس زمانہ میں اقوام سیس کا تھا، جو آرمینیا، آذربائجان وغیرہ میں آباد تھے انہوں نے بلند پہاڑوں پر وسیع اور خوبصورت آتشکدے تعمیر کر رکھے تھے، اور اس زمانہ میں وہ آتش پرستان عالم کا مرکز تھے۔ مجوسی بھی اصل میں قدرت کے پرستار تھے، یعنی آگ، ہوا، اور زمین کو پوجتے تھے۔ مجوسی آگ کو سب سے زیادہ قابل پرستش خیال کرتے تھے۔ اور مقدس آگ کی شعلہ کو مندروں میں کبھی بجھنے نہیں دیتے تھے۔ اور آگ پر نذرانہ چڑھاتے تھے، آگ کے بعد دوسرے درجہ پر پانی خیال کیا جاتا تھا۔ جھیلوں اور دریاؤں کے کنارے پر قربانی کو ذبح کرتے تھے اور اسطرح آب مقدس کا شکریہ ادا کیا جاتا تھا، کسی ناپاک چیز کو پانی میں ڈالنے کا حکم نہ تھا، زمین کی بھی بڑی عزت کیجاتی تھی، مُردوں کو نہ جلاتے تھے اور نہ گاڑتے تھے، کیونکہ اس سے عناصر کی بے ادبی ہوگی، مُردوں کو بلند مکان پر جو چاروں طرف لوہے کی سلاخوں سے بند ہوتا تھا پھینکدیتے تھے، تاکہ چیلیں اور گدھ وغیرہ انہیں کھا جائیں، مجوسی سفید کپڑے اور جھالر دار ٹوپیاں پہن کر آتشکدہ کو جاتے تھے، اور وہاں قطاریں باندھ کر کھڑے ہو جاتے تھے، اور قسم قسم کے منتر پڑھتے تھے، جس سے نواہ مخواہ تماشہ دیکھنے والوں پر بڑا اثر ہوتا تھا۔ ملا کے مذہب کی حالت ہی بالکل مجوسیوں کی سی ہو گئی تھی۔

صدہا سال کے امن کے بعد سارگون (شاہ اسریا) نے قوم ملا کی آزادی کو چھیننا چاہا اور ۷۱۰ برس قبل مسیح ایک جرار فوج لیکر ملا پر حملہ آور ہو گیا اور کچھ ہی مدت میں بہت سے قلعوں اور شہروں کو اپنی سلطنت میں شامل کر کے بقیہ ملک کو باجگذار بنا دیا، باخراج میں بجائے سیم و زر کے اس فاتح کو ایک مقررہ تعداد گھوڑوں کی دیتی تھے۔

ملا عرصہ تک اسیرین بادشاہون کے باجگذار رہے، ۶۳۲ برس قبل مسیح انہون نے اپنی قوت بڑہالی۔ قوت بڑہانیکا سبب یہ ہوا کہ سیاکسارین بادشاہ ملایا نے آس پاس کی آریہ قومون کو اپنے ملک مین آباد کرکے اور ان سے معاہدہ لیکر نینو (دارالسلطنت اسریا) پر حملہ کردیا۔ نینوا پر اس زمانہ مین اشور بانی بال حکمران تہا۔ اُسے جسوقت افواج ملا کے پہونچنے کی اطلاع ہوئی تو وہ خود فوج کا سپہ سالار بن کر مقابلہ کو بڑہا، مقام ادیانین کے قریب جنگ عظیم ہوئی، بادشاہ ملایا کو شکست ہوئی گو بادشاہ ملایا کو اپنی فوجی قوت کا اندازہ لگانے مین غلطی ہوئی۔ مگر اس شکست سے اُسے فنون جنگ کا ایک قیمتی سبق حاصل ہوگیا ملایا واپس آتے ہی وہ اپنی فوج کو قواعد وغیرہ سکہانے مین مصروف ہوا، اور کچہہ ہی عرصہ مین اسنے اپنی قوت کو بدرجہا بڑہا لیا، اور بار دیگر اسریا پر حملہ آور ہوا، اس مرتبہ اشور بانی بال کو شکست ہوئی، اور قوم ملا سلطنت اسریا پر قابض ہوگئی۔ حضرت یونس ع کی وہ پیشین گوئی جو انہون نے نینوا کے متعلق کی تہی پوری ہوئی جسوقت حاکمان وقت نے حضرت یونس ع کی خدمت مین عرض کیا کہ اگر کوئی دشمن حملہ آور ہوا تو ہم یون شہر کی حفاظت کرین گے۔ اسپر یونس ع نے جواب دیا "دریاؤن کے دروازے کہلے ہین، اور محال تحلیل ہونیکو ہے" حقیقت مین شہر نینوا کی تباہی کے وقت یہی ہوا کہ شہر نینوا کے شمال مغرب کو جہان دریائے خسرو کا پانی آ آ کر فصیل شہر کے باہر خندق مین گرتا تہا یکایک طغیانی سے شہر کی تباہی کا باعث ہوا، محل شاہی بہی جو وہان سے قریب تہا زمین کا پیوند ہوا۔ غرضکہ حضرت یونس ع کی پیشین گوئی کے موجب دریاؤن ہی نے شہر کے دروازے کہولدئے اور خوبصورت شہر کی مستحکم فصیل جو قوی سے قوی دشمن کو روکنے کا دعویٰ کرتی تہی آخری وقت مین بیوفائی کرگئی۔

اس زمانہ کے مشہور و عجیب واقعات مین ملکہ زرینہ کا قصہ ہے۔ یہ ملکہ خوبصورتی مین شہرۂ آفاق تہی اور قوم سیس پر حکمران تہی، اسکے متعلق ایک عشق کی کہانی مشہور ہے، کہاجاتا ہے کہ زرینہ بادشاہ سیس مسمی ارساروس کی بیوی تہی، اور لڑائیون مین ہمیشہ اپنے خاوند کے ساتہہ رہاکرتی تہی۔ ایک موقع پر مہ جبین ملکہ زخمی ہوکر ستریانگوس بادشاہ ملایا کے داماد کے ہاتہہ گرفتار ہوئی، مگر اسنے کچہہ ایسے ناز و انداز سے رہائی کی استدعا کی کہ اسنے اسے رہا کردیا، اتفاق سے کچہہ عرصہ بعد ستریانگوس زرینہ کے خاوند کے ہاتہہ گرفتار ہوا، زرینہ نے اپنے خاوند سے استدعا کی کہ وہ بہی اسے رہا کردے، مگر اسنے منظور نہ کیا۔ اسپر زرینہ نے اپنی خاوند کو قتل کرڈالا، اور ستریانگوس سے محبت کرنے لگی، ایک مرتبہ ستریانگوس زرینہ سے ملاقات کرنے آیا تو زرینہ نے اوس سے نفرت ظاہر کی اور کہا تمہاری بیوی مجہہ سے زیادہ خوبصورت ہے پہرکس لئے تم اُسے چہوڑکر مجہہ سے محبت کرتے ہو، اس بات سے ستریانگوس نے دل شکستہ ہوکر خودکشی کرلی۔

سیاسارس بادشاہ ملایا عمر بہر لڑائیون مین مصروف رہا، ہیروڈوٹس کے بیان کی موجب اسکی سلطنت کوہ قاف اور بحیرہ اسود تک وسیع ہوگئی تہی۔ مگر یہ فتوحات کچہہ اس بادشاہ کی علم حرب پر منحصر نہ تہین، اس لئے چونکہ بہت سی ریاستون نے

قوم سیتھس کے حملوں سے خائف ہوکر شاہ ملایا کی اطاعت قبول کرلی تھی۔

ملایا کے شمال میں ایک ملک واقع تھا جسے سیدیا کہتے تھے اس ملک نے تہذیب میں ایسی ترقی کی، اور زراعت اور معدنیات سے ایسا مالدار ہوگیا کہ اپنے ہمعصروں کی نگاہوں میں خار کی طرح کھٹکنے لگا جس زمانے میں سیاسارس آرمینیا کو فتح کرکے ملک کا ملاحظہ کررہا تھا اسنے ایک سرسبز اور شاداب زمین کا خطہ دیکھا، اسنے ہمراہیوں سے دریافت کیا تو انہوں نے بیان کیا کہ یہ خطہ سلطنت سیدیا کے قبضہ میں ہے اور سیدیا کی شان وشوکت اور دولت کی اسقدر تعریف کی کہ بادشاہ کا دل للچا آیا اور اسنے تیاری کرکے سیدیا پر حملہ کردیا لیکن سیاسارس کو شکست ہوئی۔ سیاسارس نے آس پاس کی سلطنت سے مدد مانگی اور اس صورت سے بیشمار فوج لیکر دوبارہ سیدیا پر حملہ کردیا، مگر سیدیا نے اس بہادری سے مقابلہ کیا کہ سیاسارس کو باوجود جان توڑ کوششوں کے کامیابی حاصل نہیں ہوئی اور چھہ سال تک لڑائی جاری رہی۔ ایک دن جبکہ دونوں قومیں میدان جنگ میں نہایت جانبازی اور بہادری سے لڑرہی تھیں کہ دفعتاً دنیا تیرہ وتار ہوگئی۔ جب یہ اندھیرا ختم ہوا تو دونوں قوموں کی حوصلے چھوٹ گئے، اس عجیب وغریب واقعہ نے دلوں پر ایسا اثر کیا کہ دونوں بادشاہوں میں صلح ہوگئی اور اس خون ریزی کا اسی سہولت سے خاتمہ ہوگیا۔ یہ تیرگی جسنے ایسا تغیر پیدا کردیا سورج گرہن کی وجہہ سے ہوئی تھی۔ مگر کیونکہ اس زمانہ کے لوگ ہر ایک عجیب وغریب شئے سے متاثر ہوجاتے تھے اسلیئے انہوں نے خوف زدہ ہوکر جھٹ پٹ صلح کرلی۔

سیاسارس شاہ ملایا نے ۵۹۴ قبل مسیح تضا کی، اسکے بعد اسکا بیٹا ستاگس تخت نشین ہوا۔ یہ نہایت حریص اور جفاکش عیش پسند بادشاہ تھا، دوستوں سے وفاداری اور دشمنوں سے دغابازی روا رکھتا تھا۔ یہ ہر ایک بات میں اپنے باپ کے برعکس تھا، شب وروز عیش وعشرت کے سوا اسے اور کچھہ نہ سوجھتا تھا اور ہمیشہ خلوت نشین رہتا تھا۔ دربار میں علاوہ سینکڑوں خدام کے ایک قاصد، ایک ساقی، ایک خواجہ سرا، ہر وقت موجود رہتا تھا، مصاحبین میں جو سب سے اعلیٰ ہوتا تھا اسے "چشم بادشاہ" کا خطاب دیا جاتا تھا۔ اس بادشاہ نے ایک خاص شکارگاہ بنوایا تھا، جسے "فردوس" کہتے تھے، قسم قسم کے جانور حسب الحکم بادشاہ وہاں مہیا کیئے جاتے تھے۔ ستاگس کی جوانی تو چین سے گذری، مگر بڑھاپے میں اسے بڑی مشکلات پیش آئیں اور آخرکار بادشاہ فارس نے جو ملایا کے عروج کے وقت دب گیا تھا، جنگ چھیڑی، جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ملایا اسکے قبضہ میں آگیا۔ ملک ملایا کا زوال محض بدانتظامی کا باعث ہوا، ستاگس کی غفلت اور کمزوری نے سارس (شاہ فارس) کو زبردست ہونیکا موقع دیا، اور وہ زبردست سلطنت جسے ساکسارس وسیع کرکے مرا تھا، اسی طرح عیش وعشرت کی وجہہ سے کمزور ہوگئی۔

ہشام میرٹھی

دو عظیم حادثے

مرگِ مضطر:-

سید افتخار حسین مضطر خیر آبادی دنیائی شاعری میں کسی نوع محتاج تعارف نہیں ہیں نہایت افسوس کیساتھہ ناظرین کو انکی موت کی اطلاع دیتا ہوں ۔

مضطر صاحب کی حیات شعری پر مجھے اسوقت کوئی تبصرہ کرنا مقصود نہیں ہے ۔ صرف انکی مشہور و معروف ذہنی قابلیت اور انکے قابل وجود کی عدم موجودگی پر دو آنسو بہانے ہیں ۔

اندور سے جو اطلاعی خط آیا ہے اس میں تاریخ پڑہی نہیں جاتی ۔ البتہ یہ پڑہا جاتا ہے کہ "حضرت مضطر کا جنوری ۱۹۲۶ء کو بعارضہ فالج انتقال ہوگیا"

مختصر یہ کہ انکا انتقال ہوگیا ۔ ناظرین کو مرحوم کی روح کو ثواب پہونچانے کے لئے برائے فاتحہ ہاتہہ بلند کرنے چاہئیں ۔

سید افتخار حسین مضطر ہندوستان کے خوشگوار اور مشہور شاعر تہے ۔ مولانا امیر مینائی علیہ الرحمۃ کے ارشد تلامذہ میں بہی تہے اور حضرت امیر نے ہمیشہ نہایت عزیز اور خصوصی نگاہوں سے مرحوم کو دیکہا ۔ مضطر صاحب سب سے پہلے اعلیٰ حضرت نواب صاحب ٹونک کے یہاں استاد کی حیثیت سے مامور تہے ۔ بعد میں وکالت کا سلسلہ ہوگیا تہا ۔ وہاں سے علیحدہ ہوکر گوالیار تشریف لائے تہے اور اسکے بعد بہوپال تشریف لیگئے تہے ۔ ٹونک سے علیحدہ ہونے کے بعد ہمیشہ گردش میں رہے ۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انکی زندگی پریشان تہی ۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ نہایت خوش قسمت تہے اور انکی زندگی نہایت کامیاب تہی ۔ بہوپال میں بہی وہ زیادہ نہ رہ سکے اور اندور چلے گئے ۔ اندور میں ریاست کی طرف سے ۴۰۰ چار سو روپیہ ماہوار مقرر ہوگئے تہے ۔ مگر افسوس مرحوم کی زندگی اتنی ہی تہی ۔ وہ اپنی حیات خوشگوار سے کچہہ زیادہ مسرت اندوز نہ ہوسکے ۔

پنڈت برج نراین چکبست لکہنوی (مرحوم)

نظام عالم کے نہ ملنے والے اصول فطرت کے کیسے عجیب استبداد پر قایم ہیں ؛ فنا اور بقا "کتاب تخلیق" کے کتنے عجیب عنوان ہیں فنا میں شرکت ۔ بقا ایک تمسخر معلوم ہوتا ہے ! "بقا" دیباچۂ فنا ہے ۔ اور "فنا" تکملۂ بقا" ۔

انسان دنیا میں آتا ہے اور چلا جاتا ہے ، کچہہ دن اسکی ضرورت محسوس ہوتی ہے ۔ اسکے بعد امتداد اسکے تذکرہ کو بہی فنا کردیتا ہے ۔ آج مجھے ہمیشہ سے زیادہ مولانا نثار اکبر آبادی کے اس شعر میں کیفیت نظر آتی ہے ۔

فروغِ شمع جواب ہی رہیگا صبح محشر تک   مگر محفل تو پروانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

پنڈت برج نراین **چکبست** لکھنوی ملک کے ایک مسلّم کل ادیب اور سلجھے ہوئے شاعر تھے۔ "صبح امید" کسی زمانہ مین انکی ادارت مین نہایت کامیابی سے شایع ہوتا تھا۔ لکھنؤ مین نہایت اعزاز کے ساتھہ آپ وکالت فرماتے تھے۔

دنیائے ادب اور جہان شاعری مین یقیناً اس سانحہ کی خبر نہایت تعجب سے سُنی جائیگی کہ یکایک ۱۲ فروری کی شب کو دماغ پر فالج گرنے سے عالم اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئے۔ خدا اپنے جوار رحمت مین جگہہ دے۔

مولانا عبدالباری، مضطر خیرآبادی اور چکبست لکھنوی کی مرگ حسرت ناک ہندوستان کے حادثات مین سوگوار اضافے ہین۔ اور تعجب آفرین بات ہے کہ تینون حضرات کا فالج ہی سے انتقال ہوا ہے۔

ایڈیٹر

یارانِ میکدہ

(۱)

ترکون کی صباحت پر اگر رقص کی کیفیتیں طاری ہو گئیں تو ہندوستان کے بے ننگے پن کو صدائے احتجاج بلند کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ابھی اس زمانے کا انتظار باقی ہے کہ جب ہندوستانی ناچینگے اور ناچ پانہ جائے گا۔

(۲)

آپ مجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ موصل کے چشموں کا تمام تیل کس کارِ خیر میں صرف ہونا چاہیے؟ سنئے۔ آجکل شاعری اور بیجا مضمون نگاروں کے نتائج سے بہت کافی کاغذ سیاہ ہو گیا ہے۔ بیکار رسالوں کی بھی کثرت ہے۔ مناسب بات تو یہی ہے کہ اس ردّی کو بہ یک وقت پھونک دیا جائے۔ لیکن مین اپنی رائے کو واپس لیتا ہون۔ مجھے اسوقت آپ کے مضامین یاد آ گئے۔ اور "نیرنگِ خیال" کا خیال آ گیا۔

(۳)

کاش اکبر الہ آبادی اُس وقت تک زندہ رہتے، جبکہ انکے اس شعر کی تفسیر علی آپکی ساعیٔ جمیلہ کا نتیجہ ثابت ہوتی۔

پردہ بے کار ترقی کے یہ سامان تو ہین
حورین کالج مین چلی آئینگی غلمان تو ہین

(۴)

ایک افغانی نوجوان طالب علم کہانا کہا رہا تھا اور چھت پر اُسکی نگاہین جمی ہوئی تھین۔ کسی نے اُس سے استفسار تہذیب آموز کے لہجہ مین کہا:- کیا آپ کہانا کہا رہے ہین؟ —— لیکن مستفسر کی تہذیب اور بیدار خیالی کو کس درجہ شکست ہوئی ہے جب اُس نے منہ چلاتے ہوئے لقمہ چباتے ہوئے جواب دیا کہ "مین اسوقت غور کر رہا تھا کہ ایشیائے کوچک مین کہان کہان زراعت ہوتی ہے"

لیکن اُس سے بہی دلچسپ بات یہہ ہے کہ کہانا کہا کر جب اُس نے پانی پیا تو گلاس زور سے زمین پر

دے مارا۔ مجمع چونک پڑا اور اس برہمی کا سبب دریافت کیا تو اس نے اپنی نیلی آنکھوں کو
(جو غصہ مین کبود تر ہو گئین تھین) باہر نکال کر اور ہاتھ کے زبردست جھٹکے سے کہا: "مین اسوقت
درۂ خیبر پر ایک فوج کی کمانڈ کر رہا تھا۔ امیر امان اللہ خان نے میری
تجاویز حملہ کو مسترد کر دیا اور مینے جوش مین آکر تلوار پھینکدی
لیکن یہ شیشے کے ٹکڑے کیسے ہین؟

(۵)

مجھے آپ کا بے ہوش بڈھا اور سنجیدہ ملازم بہت پسند ہے، جب وہ آپکے کمرہ کے ہلکے
قرمزی پردے کے قریب، بجے اونگھ رہا تھا تو مینے اس سے دریافت کیا، ایاز سو گئے ابھی
سے سو گئے تو اس نے کہا ذرا گہری اونگھ کے ساتھ (تاجبُ) تعجب کیا ہے؟ میان
ہر شریف آدمی، بجے سو جاتا ہے"

"مس"

الہامات

پیمانہ

فروری سنہ ۱۹۲۶ء

خلاصۃ الباب

(۱) مولانا رشید احمد ارشد تھانوی۔
(۲) مولانا وحید الدین سلیم (پانی پتی) پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی (دکن)
(۳) حضرت نوح ناروی (رئیس نارہ)
(۴) مولانا الطاف احمد آزاد انصاری (سہارنپوری)
(۵) علامہ سیماب اکبرآبادی
(۶) حامد اللہ افسر بی اے (میرٹھی)

کلام المشاہیر تازہ ترین وغیر مطبوعہ

مولانا ارشد تھانوی

(خاص طور پر پیمانہ کیلئے لکھی گئی)

گو کچھہ نگۂ ناز کا ایسا نہیں ہوتا — پھر بھی دل بیتاب شکیبا نہیں ہوتا
ہو عشرت جاوید کی رندون کو بشارت — میخانہ مین اندیشۂ فردا نہیں ہوتا
چہرہ سے ہوا جاتا ہے ظاہر غم پنہان — کچھہ فائدہ اے کوشش اخفا نہیں ہوتا
سچ یہ ہے کہ ناقابل برداشت غم عشق — ہوتا ہے اگر حوصلہ فرسا نہیں ہوتا
افتادہ طبیعت سے وہ مجبور ہین ورنہ — کچھہ بھی سبب رنجش بیجا نہیں ہوتا
یہ اونکی محبت کا نتیجہ ہے کہ اب تو — ارمان بھی دل مین کوئی پیدا نہیں ہوتا
زندان مین بھی دیوانہ کی انداز وہی ہین — کچھہ منظر صحرا ہی جنون زا نہیں ہوتا
یون کشمکش دھر مین کرتے ہین بسر ہم — گویا ہمین کوئی غم دنیا نہیں ہوتا
تسکین طلبی آبلۂ پا کی ہے تحقیر — منت کش خار سر صحرا نہیں ہوتا
مقصود ہے اندازۂ صبر دل بیتاب — منظور مواعید کا ایفا نہیں ہوتا
اب جور بھی جائز وہ نہین کہتے ہین جبتک — نالہ مرا سرگرم تقاضا نہیں ہوتا

ہے لازمۂ عشق زبونی مگر ارشد
اتنا کوئی برباد تمنا نہیں ہوتا

مولانا وحید الدین سلیم پانی پتی

اس فضا مین ہے جہان اسکی تجلی برق پاش — آتی ہے جبریل کی بر کو صدائے دور باش
جذبۂ الفت ترا دل مین سما سکتا نہین — یہ شراب تند شیشے کو نہ کردے پاش پاش
ہے غم و اندوہ کی انبوہ مین یون دل مرا — جیو نٹون کی فوج مین جسطرح پروانے کی لاش
عالم اسکی جلوہ فرمائی کا بھولون کس طرح — وہ ادائین شور افگن وہ نگاہین برق پاش
تو نے میری مردہ ارمانون کو زندہ کر دیا — زندہ باش اے غیرت خضر و مسیحا زندہ باش
غنچۂ دل سے مرے اڑتا نہیں تو اس لئے — ہو نہ جائے راز تیری محفل خلوت کا فاش
احتیاج رنگ و بو سے ہے بھری جس کی بہار — پھر کرون مین زمزمی جا کر اسی گلشن مین تلاش

جستجو میں جسکی از خود رفتہ ہے عالم تمام — کر رہا ہوں میں اسی عالم کی ہر شے میں تلاش

حضرت نوح ناروی

ابھی کم سن ہیں معلومات کتنی — وہ کتنے اور ان کی بات کتنی
نہ میرے واسطے ہے بات کتنی — وہ کہتے ہیں تری اوقات کتنی
سحر تک حال کیا ہوگا ہمارا — خدا جانے ابھی ہے رات کتنی
توجہ سے کبھی سن لو مری بات — جو تم چاہو تو یہ ہے بات کتنی
گلستاں کو خزاں نے خوب لوٹا — حنا آئی تمہارے ہات کتنی
کروں شکر ستم اُن کے ستم پر — کہ اتنی بات بھی ہے بات کتنی
جفا والے حساب اس کا لگالیں — وفا کرتا ہوں میں دن رات کتنی

نہیں رُکتے ہمارے اشک اے نوح
یہ طوفاں خیز ہے برسات کتنی

حضرت آزاد انصاری

میں وہ بیکس کہ واجب الامداد — تو وہ کافر کہ خوگر بیداد
دل بھی ناشاد۔ جان بھی ناشاد — ہر طرح جی پر آبنی فریاد
آپ کا بندہ۔ آپ کا آزاد — حیف! یوں دربدر پھرے برباد
ایک دل اور سینکڑوں دلبر — ایک صید اور لاکھ صیاد
ہائے! وہ لطفِ الفتِ باہم — یاد ہے آجتک وہ عالم یاد
منزلِ عشق پرخطر ہے تو ہو — شوق کہتا ہے "ہرچہ بادا باد"
اوستم دوست! منصفی فرما — داد خواہوں پہ اور یہ بیداد
کون تابِ مقاومت لاتا — ہم سے اور تیرے عشق کی افتاد
اب وہ ظالم ہے اور فکرِ جفا — اے اُمید وفا مبارک باد
نہ وہ صبر و سکونِ دل باقی — نہ وہ صبر و سکون کی استعداد
میرے غم سے نمود شادی و غم — میرے دم سے وجود کون و فساد
کہیں آباد ہی نہ ہونے دیا — بارک اللہ قسمتِ برباد
آہ! احساسِ ملالِ خیز وطن — قطعہ — تختِ نظمِ حکومتِ جلاد

ملک کا ملک پائمال ستم قوم کی قوم صرفِ استبداد
حال آزاد کیا گوارش ہو
کہ وہ آزادیاں نہ وہ آزاد

علامہ سیماب اکبرآبادی

ندامتوں نے کیا جسکو نذرِ بحرِ کرم
نہ جانے کونسا قطرہ تھا وہ پسینے مین
ٹپکی بوند کو اے چشم تر نظر نہ لگا
ابھی یہ لعل ہی موزون اسی نگینے مین
یہی نزاکتِ نظارہ کی حقیقت ہے
جھلک رہے ہو تمہین دل کے آبگینے مین

صدا آئی ہی میرے دلِ ناشکیب کو
وہ بھی ترے تغافلِ در آشنا کے ساتھ
زندان مین رہ کے مجھکو میسّر تو آگئین
تنہا نشینیان تری خلوت سرا کے ساتھ
یہ جلوہ گاہِ یار یہ ہنگامۂ جمال
حیران ہو نہین بھی چشم تجلّی نما کے ساتھ
تیری نگاہِ مست ہوئی جاذبِ سکون
اچھا کیا سلوک دلِ بے نوا کے ساتھ
ہان اے نوائے صبح۔ ازل شام ہوگئی
اک نغمہ پھر اسی مترنم صدا کے ساتھ

حضرت افسر میرٹھی

نیچی غمِ رخصت سے وہ معصوم نظر ہو
اور مجھکو کہین دور کا درپیش سفر ہو
حیرت مین ہون اللہ ری یہ کثرتِ جلوہ
ہر چیز ہے محبوب اگر حسن نظر ہو
کیا ہو اسی امید کہ پہنچے گا سحر تک
ہمدم جو سرِ شام سے ہم رنگِ سحر ہو
خود ذات پہ اپنی مجھے دھوکا ہے اب انکا
اتنا بھی نہ سرشارِ محبت مین بشر ہو
مایوس نہو ہجر کی شب کاٹنے والے
ان تارون مین شاید کوئی ہمرازِ سحر ہو
کیا جانئے مین ہر در پہ کسے ڈھونڈ رہا ہون
اب یہ مری بس مین ہی کہ ہر در ترا در ہو
افسر تمہین معلوم ہے کیا ہی مری جنت؟
وہ ہون۔ لبِ گنگا ہو، بنارس کی سحر ہو

چاردیواری سنگ خارا کی ہے جسکے چارون گوشون پر گنبد ہین۔ دروازہ شاندار ہے جسمین ۲۱ سیڑہیان چڑہکر پہونچتے ہین

درگاہ حضرت روشن چراغ دہلی

یہ درگاہ حضرت نصیرالدین روشن چراغ دہلوی خلیفہ حضرت سلطان نظام الدین اولیا کی ۷۷۵ھ ۱۳۷۳ء مین فیروز شاہ تغلق نے تعمیر کرائی تھی۔ اسکے گنبد کے بارہ در ہین جن مین گیارہ سنگ سرخ کی جالیون سے بند ہین۔ گنبد پر سنہرا کلس ہی اور اندر سنہرا کٹورہ لٹکتا ہی۔ درگاہ کا دروازہ گنبد نما ہے۔ چہار دیواری محمد شاہ بادشاہ نے پونے چار لاکہہ روپیہ کے صرف سے ۱۱۴۲ھ ۱۷۲۹ء مین بنوائی تھی۔ درگاہ کے پاس جو مسجد ہے فرخ سیر کی بنوائی ہوئی ہے۔

مقبرہ سلطان بہلول لودی

یہ مقبرہ حضرت روشن چراغ دہلی کی درگاہ کے پاس واقع ہے ۸۹۴ھ ۱۴۸۸ء مین بہلول لودی کا انتقال ہوا اسکے بیٹے سکندر لودی نے یہ مقبرہ تعمیر کرایا۔ اسکی مجموعی ہیئت بہت خوشنما ہے۔ نیچے بارہ در اور اوپر پانچ برج ہین۔ سنگ سرخ کے مجرے کے اندر قبرین بنی ہوئی ہین۔

درگاہ شیخ یوسف قتال

کہڑکی مسجد کے قریب یہ سنگ سرخ کی درگاہ واقع ہے جسے ۹۳۳ھ ۱۵۲۶ء مین شیخ یوسف کے انتقال کے بعد شیخ علاء الدین نواسے شیخ فرید شکر گنج نے بنوایا تہا۔ اسکا برج پونے کا ہے۔ اور چارون طرف سنگ سرخ کی جالیان لگی ہین۔ برج کے حاشیے پر چینی کا کام ہے۔ قریب مین ایک شکستہ مسجد واقع ہے۔

حوض

یہ حوض ایک سو کئی بیگہہ پختہ اراضی مین قطب صاحب کے راستے مین واقع ہے۔ اسے سلطان علاء الدین خلجی نے ۶۹۵ھ ۱۲۹۵ء مین تعمیر کرایا تہا۔ چارون طرف اسکے پختہ دیوارین بنی ہوئی ہین۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ دہلی اور دار الخلافہ کے درمیان مین ایک اور حوض ہے جسکو حوض خاص کہتے ہین۔ یہ حوض حوض شمسی سے بڑا ہے۔ اسکے کنارون پر چالیس کے قریب گنبد ہین۔ اسکے ارد گرد اہل طرب رہتے ہین۔ اُن کی وجہہ سے اسے طرب آباد کہتے ہین۔ یہان اہل طرب کا بہت بڑا ایک بازار ہے۔ اسمین ایک جامع مسجد بھی ہے۔

مقبرہ سلطان غیاث الدین تغلق

موجودہ دہلی سے چہہ کوس کے فاصلہ پر جنوب کی طرف تغلق آباد کا قلعہ واقع ہے۔ اسی تغلق آباد مین غیاث الدین تغلق نے ایک عالیشان سونے کا محل تعمیر کرایا تہا جسکی اینٹون پر سونا چڑہا ہوا تہا جس وقت سورج طلوع ہوتا تہا تو اوسکی چمک سے کوئی شخص محل کی طرف آنکھہ جماکر نہین دیکھہ سکتا تہا۔ اس محل مین بادشاہ نے ایک حوض بنواکر اوسمین سونا پگہلا کر بھر دیا تہا کہ وہ جم کر ایک ڈلا ہوگیا تہا۔ اسکے بیٹے محمد تغلق نے وہ تمام سونا صرف کر دیا۔[1]

قلعہ کے وسط مین ایک عالیشان محل بنا ہوا تہا جو جہان نما کے نام سے موسوم تہا۔ قلعہ کے قریب مغرب کی طرف غیاث الدین تغلق شاہ کا مقبرہ ہے جو دہلی کی مشہور اور خوشنما عمارتون مین شمار ہوتا ہے۔ مقبرہ کی فصیل سنگ خارہ اور چونے سے بنی ہے گنبد کی چار دیواری اندر باہر سے سنگ سرخ کی بہت خوبصورت ہے۔ تمام گنبد سنگ مرمر کا ہے اور جابجا سنگ سرخ مین سنگ مرمر کی دہاریان اور گل بوٹے منبت کاری کے نہایت نفاست سے بنے ہوئی ہین۔ گنبد کا اندرونی حصہ بہت ہی خوشنما ہے فصیل اور دروازہ بہی نہایت شاندار اور خوبصورت ہے۔ مقبرہ کی عمارت نیچے سے گنبد کی چوٹی تک ۸۰ فٹ بلند ہے۔ گنبد کا قطر باہر کی طرف سے ۴۴ فیٹ ہے۔ فصیل کے اندر دالان اور حجرے فقرا اور مساکین کے واسطے بنے ہوئے ہین۔ مقبرہ کے چارون طرف سلطان فیروز شاہ نے پانی کا بند بنایا تہا اور مقبرہ اور قلعہ کے دروازہ کے درمیان مین پل باندہا تہا جس سے مقبرہ اور قلعہ کا منظر نہایت خوشنما ہوگیا تہا۔ مقبرہ کے اردگرد پانی بھر کر عجیب عالم دکہاتا تہا اور پانی کے اندر یہ مقبرہ کٹورا سا معلوم ہوتا تہا۔ اب اگرچہ یہ پل بعض جگہہ سے ٹوٹ گیا ہے مگر اب بہی یہان کا منظر دیکہنے سے تعلق رکہتا ہے۔

اس مقبرہ کو غیاث الدین تغلق کے بیٹے محمد تغلق نے بنوایا تہا۔ بیس ۲۰ گاؤن اسکے اخراجات کے واسطے وقف تہے ڈیڑہ سو حافظ۔ اسی ۸۰ طالب علم۔ اسی ۸۰ صوفی۔ کچہ امام۔ موذن۔ قاری۔ مدرس غرضکہ جملہ چار سو ساٹہہ ۴۶۰ آدمی اسمین ملازم تہے۔ پینتیس ۳۵ من آٹا اور اتنا ہی گوشت اہل مقبرہ اور مسافرون کے واسطے روزانہ پکایا جاتا تہا۔ ایام متبرکہ مین سو سو من آٹا اور گوشت پکتا تہا۔ ایک امیر انتظام کے واسطے مقرر تہا۔ اب یہ حال ہے کہ قبرون کے تعویذ تک کوئی اٹہا لیگیا۔ تہوڑے دن بیشتر تک مقبرہ مین گائے بیل بندہتے اور زمیندار آباد تہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

تا کے گوئی بہ چرخ شد خانۂ ما ... خندند بما و بر دل دیوانۂ ما

ز افسانۂ دیگران بیا عبرت گیر ... زان پیش کہ بشنوند افسانۂ ما

اسی مقبرہ اور تغلق آباد کے قلعہ کے پاس محمد شاہ تغلق کی مشہور عمارت ہزار ستون کے کہنڈرات واقع ہین جو ۷۲۸ھ ۱۳۲۷ء

---

[1] سفرنامہ ابن بطوطہ جلد دوم صفحہ ۸۷ (ترجمہ اردو)

مین تعمیر ہوا تہا "قد خلوہا" عمارت کے تمام ہونے کی تاریخ ہے۔ مشہور شاعر بدر چاچ اسی محل کی تعریف مین کہتا ہے ؎

اگر نہ خلد برین است این ہزار ستون | چرا فضاے درش عرصہ گاہ روز جزاست

درگاہ حضرت سلطان نظام الدین اولیاؒ

معز الدین کیقباد کی دہلی یعنی کیلوکہری مین حضرت سلطان نظام الدین اولیاؒ کی درگاہ واقع ہے۔ سب سے پہلے شاہزادہ خضر خان پسر سلطان علاء الدین خلجی نے آپ کی زندگی ہی مین آپ کے واسطے مقبرہ تعمیر کرایا تہا۔ لیکن آپ نے وصیت کی کہ مجہے اُس کے اندر دفن نہ کرنا اسواسطے آپ کو اُس گنبد کے سامنے صحن مین دفن کیا گیا۔ یہ گنبد جواب مسجد کا درمیانی درجہ ہے۔ نہایت بلند سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے اور اپنی طرز مین بے نظیر اور عدیم المثال سمجہا جاتا ہے۔ سلطان محمد تغلق نے اس عظیم الشان گنبد کے دونون طرف دو درجے اور بنوادے اور ان درجون کے آگے پیچہے دو برج اور بنوا کر مقبرہ کو پانچ گنبد کی مسجد بنا دیا۔ اس مسجد کے درون کی پیشانی پر آیات قرآنی کندہ ہین جن مین بعض بعض خط کوفی مین ہین۔ اور ایک در پر حضرت کی یہ تاریخ وفات بہی تحریر ہے ؎

نظام دو گیتی شہ ما و طین | سراج دو عالم شدہ بالیقین

چو تاریخ فوتش بجستم ز غیب | ندا داد ہاتف شہنشاہ دین ۷۲۵

حضرت سلطان نظام الدین اولیا کے مزار پر ابتدا مین ایک چہوٹا سا گنبد تہا اکبر اعظم کے عہد مین سید فرید خان نے ۹۷۰ھ؁ مین گنبد کے گرد سنگ مرمر کی نفیس جالیان لگوائین۔ اور ایک لوح پر چند اشعار کہ مادہ تاریخ اس کا "قبلہ گہ خلق عام" ہے کندہ کرادئے۔ اسکے بعد ۱۰۱۷ھ؁ مین جہانگیر بادشاہ کے زمانہ مین فرید خان نے جو خطاب مرتضیٰ خان سے موصوف تہا سیپ کی پچیکاری کا نہایت نفیس وتحفہ چہپر کہٹ نصب کرایا جو ہندوستان کے باکمال صناعون کی بے نظیر یادگار ہے۔ اسی پچیکاری مین بارہ شعر کندہ ہین جن مین سے چند یہ ہین ؎

شیخ دہلی نظام را دو فرید | کار دنیا و دین مہیا کرد

یک فریدش مقام عالی داد | یک فریدش مقام احیا کرد

مرتضیٰ خان فراز مرقد او | قبۂ چون سپہر برپا کرد

سال تاریخ این بنا جستم | قبۂ شیخ عقل القا کرد ۱۰۱۷

۱۰۶۳ھ؁ مین شاہجہان بادشاہ کے عہد مین خلیل اللہ خان نے سنگ سرخ کی غلام گردش بنوائی جسمین چارون طرف ۵۔۵ در رکہے۔ اسکے بعد فیروز پور جہرکہ کے رئیس نواب احمد بخش خان نے سنگ سرخ کے ستون نکلوا کر سنگ مرمر کے خوبصورت ستون نصب کرائے۔ ۱۲۳۶ھ؁ مین فیض اللہ خان بنگش نے غلام گردش کی چہت مین تا بنا جڑوا دیا

اور طلائی لاجوردی میناکاری کرادی - ۱۲۳۹ھ ۱۸۲۴ء مین اکبر شاہ ثانی نے سنگ مرمر کا خوبصورت گنبد بنوا کر سنہرا کلس نصب کروادیا۔

درگاہ مین جو باولی ہے اسے خود حضرت سلطان نظام الدین اولیا نے ۷۲۱ھ ۱۳۲۱ء مین بنوایا تھا۔ اسکے بعد ۷۸۱ھ ۱۳۷۹ء مین محمد معروف ابن وحید الدین نے فیروز شاہ تغلق کے عہد مین باوًلی کے جنوبی ضلع پر کچھ مکانات تعمیر کرائے۔ یہ باوًلی بہت وسیع اور خوبصورت ہے اور اس مین گول سیڑھیان بہت خوشنمائی سے بنی ہوئی ہین۔

اس درگاہ عالی مین بڑے بڑے مردان خدا آسودہ اور شاہان ذیشان اور امرائے عالی مقام خواب راحت مین معروف مین۔ اندر باہر سیکڑون ہزارون مزار نظر آتے ہین۔ یاران چبوترہ پر حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ کی خوبصورت درگاہ بنی ہوئی ہے۔ جسکے اندر خود ان کے یہ اشعار منقوش ہین ؎

اے شربت عاشقی بجامت — وز دوست زمان زمان پیامت
شد سلک فرید از تو منظوم — زان است کہ شد لقب نظامت
جاوید بقا است بندہ خسرو — چون شد بہ ہزار جان غلامت

محجر جہان آرا بیگم

شاہزادی جہان آرا بیگم۔ شاہجہان بادشاہ کی بڑی بیٹی خطاب بیگم صاحبہ سے موصوف اور نہایت تعلیم یافتہ اور ذہی فقہا خاتون تھین۔ ان کی جاگیر کی آمدنی ساٹھ لاکھ روپیہ سالانہ تھی۔ خواجگان چشت سے انہی بیحد عقیدت تھی۔ کتاب مونس الارواح ان کی تصنیف سے ہے۔ جامع مسجد آگرہ۔ بیگماتی دالان اجمیر اور اکثر اور عمارتین انکی یادگار باقی ہین۔ حضرت نظام الدین اولیا کی درگاہ کے صحن مین یہہ سنگ مرمر کا نفیس محجر خود انہون نے اپنی زندگی مین بنوایا تھا۔ سوم رمضان ۱۰۹۲ھ ۱۶۸۱ء کو انھون نے وفات پائی اور حسب وصیت اس محجر مین مدفون ہوئین۔ اس محجر مین بہت باریک و نفیس سنگ مرمر کی جالیان لگی ہوئی ہین اور یہی مزار پر پچیکاری کا کام ہے اور یہہ بیت و عبارت کندہ ہے۔ ھو الحی القیوم ؎

بغیر سبزہ نپوشد کسے مزار مرا — کہ قبر پوش غریبان ہمین گیاہ بس است

الفقیرۃ الفانیہ جہان آرا مرید خواجگان چشت بنت شاہجہان بادشاہ غازی انار اللہ برہانہ ۱۰۹۳ھ

محجر محمد شاہ بادشاہ

جہان آرا بیگم کے محجر کے پاس یہہ محجر واقع اور خود محمد شاہ کا بنوایا ہوا ہے۔ اسکی لطافت و نفاست حد بیان سے زیادہ اور خوبصورتی اور خوشنمائی بے اندازہ ہے۔ اسکا سنگ مرمر ایسا آبدار اور خوش رنگ ہے کہ موتی کی آب اسکے آگے خاک ہے۔

ملا وجہی نے عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں ۱۰۴۵ھ میں "سب رس" نامی کتاب تصوف میں مرتب کی جسکا نمونہ پیش ہے۔

"تمام مصحف کا معنا الحمد اللہ میں ہے مستقیم۔ ہوا تمام الحمد اللہ کا معنی بسم اللہ میں

ہے۔ قدیم ہوا تمام بسم اللہ کی نقطے میں رکھیا ہے کریم" ؏ ۱

میراں یعقوب نے ۱۰۸۰ھ میں شمائل الاتقیا مصنفہ برہان الدین اولیا اورنگ آبادی کا ترجمہ اسی نام سے کیا کتاب کا نمونہ یہ ہے۔

"اپنی حیات کے وقت مجھے اشارت کئے تھے جو شمائل الاتقیا کتاب کوں ہندی زبان میں لیاوے

تا ہر کسی کوں سمجھا جاوے" ؏ ۱

شاہ ولی اللہ قادری خلف شاہ حبیب اللہ قادری نے ۱۱۰۰ھ کے اوائل میں معرفتہ الملوک تصوف میں لکھی ۱۱۵۰ھ میں انتقال کیا۔ عبارت کا نمونہ درج ہے۔

صفت ہو وسرا بی غائت ہوا شکر کرنا بے نہایت ثابت ہے۔ اوس واجب الوجود

کوں جو ممکن الوجود کوں ممتنع الوجود کی دائرے میں پیدا کیا ؏ ۱

دکن کی یہ حالت تھی روز بروز اردو پروان چڑھ رہی تھی۔

اس طرف پنجاب۔ دلی۔ آگرہ کی طرف خلجی دور کے بعد دیگر سلاطین اسلام کا یہ حصہ آماجگاہ رہا۔ عہد شیر شاہ میں محمد جائسی نے بھاکیا میں مثنوی "پدماوت" لکھی۔

ہندوستان میں شنکر اچاریہ و مودیہ کے بعد را مانج مشہور دھلہ بہر را ما نند را میہ اور انکے مشہور شاگرد بھگت کبیر جو پندرھویں صدی عیسوی میں گذرے ہیں انکے دوہوں میں ہندی۔ فارسی مخلوط الفاظ بکثرت ہیں۔

گرونانک صاحب کا گرنتھ بھی عربی۔ فارسی الفاظ سے بھری نہیں ہے۔

دسویں صدی ہجری کے اخیر میں بابا تلسی داس نے رامائن کا ترجمہ بھاشا میں منظوم کیا۔ سورداس نے کرشن پر نظم لکھی جن میں فارسی اور ہندی الفاظ کا کثرت سے استعمال ہوا۔

(رامائن)

رام انیک گریب نواجے لوگ بربر برو براجے

گنی گریب گرم نرناگر پنڈت موئے ملین اوجاگر

عہد اکبری میں ہندی زبان مقبول عام ہو رہی تھی۔ امراو شہزادہ تک ہندی میں شاعری کرتے تھے۔ شہزادہ دانیال

؏ ۱ دکن میں اردو مرتبہ نصیر الدین ہاشمی صفحہ ۱۵-۱۶-۱۷-۱۹-

دلپسر (اکبر شاہ) کے ضمنی تذکرہ مین جہانگیر اپنی تزک مین لکھتے ہین۔

به نغمهٔ ہندی مائل بود، گاہے به زبان اہل ہنود باصطلاح ایشان شعرے می گفت بد نبودے۔

عبدالرحیم خان خانان جو دربار اکبری کا گل سرسبز تھا ہندی کا شاعر باکمال تھا۔

علوم ہندی بہرہ وافی داشت و به زبان فارسی ہندی شعر نیکو گفتی ؏ ۵

عہد جہانگیری مین غواصی نام ایک شاعر تھا۔

طوطی نامہ بخشی را نظم نمودہ است به زبان قدیم نصفے فارسی و نصفے ہندی بطور

بکٹ کہانی سرسری دیدہ بودم۔ شعر آن نظم به یاد نیست ؏ ۶

اسی زمانہ مین ملا نوری قصبہ اعظم پور کے قاضی زادون مین سے تھے۔ علامہ فیضی سے نہایت اتحاد تھا۔ فارسی ہندی مین طبع آزمائی کرتے تھے۔

ہر کس کہ خیانت کند البتہ بترسد   بیچارہ نوری نہ کرے ہے نہ ڈرے ہے

سلاطین کی دور گذرے زمانہ کے لیل و نہار کروٹین لیتے رہے۔ حتی کہ شاہ جہان نے دنیائے آب و گل مین چشم وا کی اور ہندی یعنی برج بھاشا نے اردوئے معلی کا خلعت پہن لیا۔

پنڈت چندربہان اکبر آبادی متخلص برہمن جو دارا شکوہ کے میر منشی اور علامہ وجیہ الدین گوپاموی متوفی سنہ ۱۰۸۰ھ کے شاگرد تھے۔ فارسی کے فاضل اور اردو سے خاص لگاؤ تھا۔

خدا نے کس شہر اندر ہمن کو لائے ڈالا ہے ؛ نہ دلبر ہے نہ ساقی ہے نہ شیشہ ہے نہ پیالہ ہے۔

عالمگیری زمانہ آیا۔ اورنگ آباد پھر آباد ہوا۔ آگرہ۔ دلی اجڑا۔ اہل علم وہان جاکر آباد ہوئے۔ اس زمانہ مین جو شعرا ایران سے آئے یہان کی زبان سے متاثر ہوئے۔ ضمیر ایران کا مشہور شاعر تھا۔ یہان آکر ہندی بھاشا کا متوالا ہوگیا۔

"در نظم ہندی طبع او آن قدر دخیل شد
که از جملہ اوستادان فن بر آمد ؏ ۱۰"

عالمگیر ہی کی متوسلین مین اور ایک شاعر دانا تھا۔ بیضا مین سے کہ ؏ ۱۱
"در نظم ہندی بسیار خوب گفته"

؏ ۴ تزک جہانگیری در ذکر وفات خان خانان ؏ ۵ تذکرہ شعرا میر حسن دہلوی ؏ ۶ تذکرہ نتائج الافکار مطبوعہ مدراس بزر مولوی قدرت اللہ شوقی گوپاموی۔ ؏ ۱۰ ید بیضا از غلام علی آزاد بلگرامی ؏ ۱۱ ندوہ نمبر ۹ جلد۔

بہاشاکی زبان دانی اور شاعری کا شوق اس زمانہ مین اس قدر عام ہوگیا تھا کہ بڑے بڑے علماء اور حضرات صوفیہ اس مین کمال پیدا کرتے تھے"۔

عہد فرخ سیر مین علامہ مفتی عبید اللہ الشہابی الجوفاموی مولف فتاوی ہندیہ کے پوتے فقی ابوسعید شوقی صاحب بحر الحقائق ۱۱۴۶ھ فارسی کے نامور شاعر مگر ہندی سے خاص لگاؤ تھا۔ مثنوی کی آغاز مین لکھتے ہین۔

حمد واجب ہی خدائے پاک کو نعت وافر صاحب لولاک کو

مغلیہ حکومت کو زوال آیا۔ اردو نے پھر دکن کو تاکا۔ وہان ارباب شوق نے آغوش مین لے لیا۔

ولی دکنی ۳ھ جلوس محمد شاہی مین دلی آئے اور اپنے ساتھ اپنا دیوان لائے۔ آگرہ و دہلی مین پھر اردو کے چرچے ہونے لگے۔ حاتم دہلوی۔ خان آرزو میر تقی میر میان لطیر مضمون۔ مظہر سودا وغیرہ نے ارمان بھری گودون مین اٹھالیا اور پرورش کرنے لگے۔ اس ہونہار بچہ نے ان جدت پسند شعرا کو ایسا اپنی طرف مائل کیا کہ ملکی زباندانی بھول گئے۔ مانا کہ نوک پلک کی درستی اسکے حسن کو نکھارتی رہی مگر اس سے انکار نہین کہ شاعرانہ مذاق کی لاڈ پیار نے علمی اخلاقی ہوا کو ایک زمانہ تک دور رکھا۔ ہند کے اس حصہ مین کوئی خاص جماعت نہ تھی جو اردو کلام ترقی پر پہونچاتی۔ اقبال کی دہوپ ڈہل چکی تھی۔ یہ ضرور ہے کہ ارباب زمانہ فکر آل سے فارغ البال تفریح اور سامان آرایش و ابستگی مین مصروف ہے۔

علمی مدارس اور سرکاری دفاتر مین عربی و فارسی رائج تھی عام تالیفات و تصنیفات پر عربی و فارسی کا قبضہ تھا گو کہ روزمرہ کی بول چال مین اردو زبان نے اپنا اقتدار قایم کر رکھا تھا۔

عہد محمد شاہی مین فتاوی سہروردیہ مفتی محمد اسحاق گوپاموی ۱۱۵۹ھ متوفی نے اردو نثر مین لکھا ۱۱۴۵ھ مین فضل اللہ فضلی نے دہ مجلس "کربل کتھا" کے نام سے لکھی۔ میر تحسین نے چار درویش کا ترجمہ کیا۔ میر شیر علی افسوس نے باغ اردو ۱۲۱۴ھ مین آرایش محفل عبد بخش حیدری نے ۱۲۱۵ھ مین طوطا کہانی۔ تذکرہ اولیا اللہ وغیرہ ۱۲۱۷ھ مین میرامن دہلوی نے کلکتہ مین باغ و بہار وغیرہ لکھی۔ حفیظ الدین احمد نے خرد افروز۔ علاوہ ازین چند کتابین جان گلکرسٹ اور دیگر انگریز اور فرانسیسی بزرگون نے لکھین۔ کچھ کتابین سنسکرت اور بھاشا سے بھی ترجمہ ہوئین۔

۱۲۲۲ھ مین میر انشا نے قواعد اردو۔ اور مولانا شاہ عبد القادر نے ترجمہ قرآن قدیم اور اسکے بعد مولانا اسمعیل شہید کی تصنیفات مذہبی اردو مین ۱۹۳۵ھ اردو مین سرکاری دفاتر ہوگئے اور پھر لو روز بروز اس زبان کو علمی ترقی ہونے لگی۔ مفتی انعام اللہ خان صدیقی گوپاموی ۱۲۷۵ھ متوفی نے تہذیب الاخلاق و رسالہ منطق اردو مین لکھا۔

شمس العلماء مولانا عبد الحق خیرآبادی نے زبدۃ الحکمت فلسفہ مین مستقل تصنیف ارقام فرمائی۔

غرضکہ اس زبان کو دن دونی رات چوگنی ترقی ہونے لگی۔ ہندو مسلمان مشترکہ طور پر اسکو علمی زبان بنانے مین ساعی رہے جسکا مفصل ذکر اس تذکرہ مین اپنے اپنے محل سے آئے گا۔
۱۹۱۲ء سے یہ خیال دامن گیر تھا کہ تذکرہ شعرا کے نمونہ پر "تذکرۃ الناثرین" کو مرتب کیا جائے۔ چنانچہ کتب خانہ مفتیان گوپامؤ مین اردو کتب کا بھی معقول سرمایہ بہم پہونچایا اور ادھر میرے مخلص دوست مولانا عاشق حسین صاحب سیماب اکبرآبادی جو ہندوستان کے مستند شعرا مین سے ہین۔ شاعر ہی نہین بلکہ نثر نگاری مین بھی خاص طرز کے موجد ہین اور امتیاز کا درجہ حاصل ہے۔ اسکے سوا میرے عزیز ساغر صاحب نظامی سیمابی مدیر پیمانہ و مولانا کے اصرار پر یہ تذکرہ مرتب کرنا شروع کیا ہے میرے معزز کرم فرما مولوی انعام اللہ خان صاحب مدیر دائرہ معارف قرآنیہ آگرہ نے اسکی ترتیب مین خاص مشورہ و اعانت دینے کا وعدہ فرمایا ہے امید ہے کہ یہ تذکرہ شرف قبولیت حاصل کرے گا۔ محمد انتظام اللہ الصدیقی گوپاموی ثم الاکبرآبادی۔

سید اشرف جہانگیر ۶۸۸ھ مین پیدا ہوئے۔ علم و فضل سے آراستہ تھے۔ حضرت امیر خسرو کے ہمعصر ہے آپنے اپنے سلسلہ کے ایک بزرگ مولانا وجیہ الدین کے ارشادات کو اردو زبان مین جمع کیا ہے۔ یہہ کتاب ۲۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ وفات ۸۰۸ھ مین ہوئی۔ مزار کچوچھہ مین ہے۔ مذکور الذکر کتاب کے صفحہ ۱۹ سے عبارت نقل ہے۔

اے طالب آسمان زمین سب خدا مین ہے ہور سب مین خدا ہے جو تحقیق جان اگر تجھہ مین کچھہ سمجھہ کا ذرہ ہے تو صفات کی باہر ہیتر تمام ذات ہی ذات ع ل

بندہ نواز گیسودراز

حضرت مخدوم ابوالفتاح صدر الدین سید محمد حسین گیسو دراز دہلی مین رجب ۷۲۱ھ مین پیدا ہوئے۔ ۵ سال کی عمر مین اپنے والد کے ہمراہ اورنگ آباد تشریف لے گئے۔ اور پندرہ برس کی عمر مین والدہ کے ہمراہ دلی چلے آئے۔ آپ ہندوستان کے اولیاء کبار سے اور خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی اعاظم خلفا سے ہین ۸۰۱ھ مین ۸۰ سال کی عمر مین بعہد سلطان فیروز شاہ بہمنی دہلی سے گلبرگہ آئے۔ یہان آپنے ایک رسالہ تصوف کا عربی فارسی۔ ہندی الفاظ کا مجموعہ فارسی رسم الخط مین معراج العاشقین کے نام سے لکھا۔

اسکے علاوہ علم تصوف مین آپکی ۱۰۰ سے زیادہ تصانیف مین کلام اللہ کی ملتقط کے نام سے تفسیر لکھی۔ علامہ زمخشری کی

ملہ رسالہ نگار دسمبر ۱۹۲۵ء مضمون نذر علی کاکوری۔

چند عجیب و غریب اشیاء

جیبی سگریٹ مشین

ایک گھنٹہ مین ۲۰۰ سگریٹ تیار کرتی ہے
ترکیب نہایت سہل ہے تمام کی تمام گلٹ کی ہوتی
ہے۔ نہایت ہی مختصر اور چھوٹی سی مشین ہے
سفر کیلئے نہایت ہی مفید چیز ہے۔ کیونکہ یہ کوٹ
کی جیب مین بھی رکھی جاسکتی ہے قیمت فی مشین
صرف چار روپیہ ڈاک خرچ علاوہ

آگ جلانے کی مشین

اس مشین سے کئی کام لئے جاسکتے ہین مثلاً
بلا مدد دیا سلائی۔ آگ جلانا۔ سگریٹ جلانا وغیرہ
وغیرہ۔ قیمت فی مشین صرف ایک روپیہ
اٹھ آنہ۔ علاوہ خرچ ڈاک

جیبی چھاپا خانہ یا مُہر گھر

یہ انگریزی کا جیبی چھاپہ خانہ قابل تعریف ہے
اس سے لفافہ۔ ملاقاتی کارڈ اور ہر مین بر دل جاہے
چھاپ سکتے ہین۔ قابل خرید ہے۔ قیمت فی
چھاپہ خانہ صرف دو روپیہ علاوہ خرچ ڈاک

ہینڈ کیمرہ

یہ کیمرہ خاص طور پر جرمنی سے تیار کروایا گیا
ہے۔ عورت۔ مرد۔ جانور۔ درخت۔ مکان
گرجا۔ مسجد۔ مندر۔ اور ریل وغیرہ۔ چلتے
پھرتے اور بیٹھتے ہوئے کی خوبصورت اور
دلپسند فوٹو اتارنے کے لئے کم از کم ایک بار
ضرور منگائین۔ قیمت چھوٹا سائز پانچ روپیہ
بڑا سائز صرف دس روپیہ علاوہ خرچ ڈاک

کشیدہ کاڑھنے کی مشین

لڑکیان اس سے کرسیون کی گدیان۔ سرہانون
کے غلاف۔ غالیچے۔ شال۔ چادرین۔ دوپٹے
سوٹ وغیرہ وغیرہ غرضیکہ کئی قسم کے گرم۔ سرد اور ریشمی
کپڑون پر اون۔ سوت اور ریشم سے ہر قسم کی پھول
اور گلکاریان بناسکتی ہین۔ ترکیب نہایت آسان ہے
غریب لڑکیون کیلئے روزگار اور امیرون کے لئے
ایک اعلےٰ تحفہ ہے قیمت فی مشین صرف
چار روپیہ علاوہ خرچ ڈاک۔

منیجر:۔ رگماس اینڈ کمپنی۔ پوسٹ بکس نمبر ۹۹ لاہور

نایاب
مشکی خضاب
خضاب کے شوقینون
اس وقت تک ملک مین جتنے خضاب رائج ہوئے ہین ہمارا دعوی ہے کہ مشکی خضاب سب سے آسان سب سے اچھا اور سیاہی مین سب خضابون سے بہتر ہے۔ مشکی خضاب مین یہ ایک بڑی سہولیت رکھی گئی ہے کہ معمولی ٹھنڈے پانی مین گھولکر لگایا جاتا ہے اور دو منٹ مین برف جیسے سفید بالون کو مثل قدرتی سیاہی کے کالا بھونرا کر دیتا ہے۔ قیمت فی شیشی صرف آٹھ آنے محصول علاوہ تین شیشی سے کم نہین روانہ ہوگا
یہ خوشبودار جوہر ہاتھ اور منہ پر ملتے ہی جلد مین جذب ہو جاتا ہے
سندری اسنو
اور رنگت کو نکھار دیتا ہے چہرے کے گڑھے اور رخسارون کو بھرتا ہے چھیپ۔ مہاسے۔ جھائیان۔ داغ۔ دھبہ۔ پھنسی اور گرمی دانون کو دفعہ کرتا ہے۔ مرد اور عورتین دونون کیلئے مفید ہے۔
قیمت فی پاٹ بارہ آنہ محصول علاوہ
آٹو سندری بہار
خوشبودار روح عطر خالص موسم بہار کے شگفتہ پھولون کا جوہر کشید کر کے بڑی جانفشانی سے تیار کیا گیا ہے۔
خوشبو نہایت روح پرور ہے۔ مثل معمولی روغ عطریات کے کرخت اور دماغ کو ناگوار معلوم ہونے والی نہین۔ بلکہ بھینی بھینی خوشبو بالکل اصلی تازہ پھول کے موافق ہے جو دل و دماغ کو معطر کر دیتی ہے اسکی بہت ہی دیرپا ہے۔ قیمت بڑی شیشی دو ڈرام والی ایک روپیہ آٹھ آنہ
قیمت چھوٹی شیشی ایک ڈرام والی ۱۲ر چھوٹی شیشی نصف ڈرام والی
وہ کون تیل ہے
جو بال بڑھانے مین درجہ اول ہو
جو قوت و بصارت کو بڑھاتا ہو
جو دل و دماغ دونون کو معطر کرتا ہو
جو دماغی خشکی اور کمزوری کو دور کرتا ہو
جو بالون کو گھونگھروالا اور چمکدار بناتا ہو
جو درد سر نزلہ زکام کو دور کرتا ہو
جو گرے ہوئے بالون کی جگہ نئے بال پیدا کرتا ہو
جو مٹی کے تیل یا نقصان رسان جز سے پاک ہو
جو بالون کی جڑون کو مضبوط کرتا ہو
جس کے استعمال سے بال چکنے نہیں ہین
جس کے استعمال سے بال سفید ہونے سے محفوظ رہتے ہین
جس کے استعمال سے عورتین بہت خوش ہوتی ہین
سندری سہاگ ہے
سندری سہاگ ہے
سندری سہاگ ہے
سندری سہاگ ہے
سندری سہاگ ہے
سندری سہاگ ہے
سندری سہاگ ہے
سندری سہاگ ہے
سندری سہاگ ہے
سندری سہاگ ہے
سندری سہاگ ہے
سندری سہاگ ہے
لہذا جب سندری سہاگ مین تمام خوبیان موجود ہین تو پھر آپ کے منگانے مین کیا تامل ہے۔ بیا ایک شیشی ارسال خدمت کیجائے۔
قیمت فی شیشی ایک روپیہ تین شیشی کی قیمت ۲ محصول علاوہ
فرمائش کے ہمراہ رسالہ کبستر کا حوالہ ضرور دیجئے گا۔
ملنے کا پتہ
ایس اے بی بخشی اینڈ کمپنی نمبر ۲ کولوٹولہ اسٹریٹ پوسٹ بکس نمبر ۱۱۴ کلکتہ

پیمانہ بک ڈپو آگرہ

کی

نادر الوجود کتابیں

بہار معرفت - جناب حاجی محمد عمر صاحب سوداگر آگرہ کو پچاس برس کے بعد ازلی ذوق شوق نے شعر کہنے پر مجبور کیا - اگست ۱۹۲۴ء میں انھون نے پہلی غزل کہی اور اسکے بعد برابر مشق جاری رہی - یہانتک کہ اگست ۱۹۲۵ء میں ۱۴ جزو کا ایک مکمل دیوان تیار ہوگیا - یہ وہی دیوان ہے - اہل اللہ اور اہل دل حضرات کیلئے نعمت غیر مترقبہ اور دلدادگان رنگ تغزل کیلئے ایک نادر مجموعہ ہے - پہلا ایڈیشن مع تصویر مصنف دو ٹائیٹل ایک آرٹ پیپر پر رنگین چھپا ہے - حجم ۱۴ جزو - قیمت غیر مجلد عہ مجلد عہ علاوہ محصول ڈاک -

نیستان - علامۂ سیماب اکبر آبادی کی ششتہ بہترین قومی مذہبی ادبی اور حریت آگین نظمون کا مجموعہ - نیستان کے عناصر ثلاثہ قلب روح اور دماغ کے لئے تین جنتین ہیں (۱) حجازیات (۲) اسرار (۳) محل ہر نظم اپنے موضوع کی مکمل تصویر اور ہر موضوع اپنی نوعیت میں قابل پرستش اور ایک ایک نظم موتیون میں تولنے کے قابل ہے - پہلا ایڈیشن جلد ختم ہو رہا ہے - آپ ہی فوراً خط لکھدیجئے - ورنہ پھر دوسرے ایڈیشن کا مجبوراً انتظار کرنا پڑے گا - قیمت فی جلد عام علاوہ محصول - خریداران پیمانہ سے صرف عہ مع محصول لئے جائینگے -

شباب یات - خیام العصر حضرت ساغر نظامی کا مجموعۂ رباعیات ایک موضوع شباب پر ۴۲ رباعیان اپنی نوعیت کی سب سے پہلی اور سب سے آخری دلچسپ کتاب ہے - ہر رباعی بجائے خود شباب کی ایک قیامت آفرین تصویر ہے اور اختراع و مالغہ کا نازک ترین نمونہ اشباب کی نوعیت خصوصی پر مختلف پہلوؤن سے روشنی ڈالی گئی ہے - پاکٹ ایڈیشن پریس سے نکلتے ہی ہاتھون ہاتھ فروخت ہو رہی ہے - پہلا ایڈیشن بہت جلد ختم ہونیوالا ہے قیمت فی جلد ۸ر علاوہ محصول - خریداران پیمانہ سے حسب قاعدہ رعایتی قیمت صرف ۶ر لئے جائینگے - آج ہی کارڈ لکھدیجئے -

راز عروض - شاعری کی ابتدائی قاعدے اور بحرون کا بیان از - علامۂ سیماب اکبر آبادی قیمت ۴ر آنے علاوہ محصول -

زنانہ نصاب - کمسن لڑکیون کی ابتدائی تعلیم کے لئے بہترین مکمل نصاب از - علامۂ سیماب اکبر آبادی قیمت عہ علاوہ محصول -

روح نظیر - میاں نظیر اکبر آبادی کا منتخب کلام مع تبصرہ و مقدمہ از - سید محمد محمود محمود رضوی آف اکبر آبادی قیمت عہ علاوہ محصول

دغا - ایک سچا اور پر لطف ناول - دغا فریب کا الجھاؤ سلجھاؤ - نیرنگئ عالم کے عبرت ناک نمونے - بے پردگی کے مہلک نتائج دلکش اور سلیس طرز بیان قیمت فی جلد ۸ر علاوہ محصول - مندرجہ بالا کتابون کا محصول ہر حالت میں ذمہ خریدار ہوگا -

پیمانہ بک ڈپو آگرہ سے طلب فرمایئے -

دار الترجمہ و دار الاصلاح

دفتر "پیمانہ" کا شعبۂ دار الاصلاح و دار الترجمہ" دو سال سے برابر ملک کی خدمت کر رہا ہے اس عرصہ مین ۵۳۴ غزلین اصلاح کے لئے آئین ۸۵ ترجمے ہوئے اور ۱۰۰ غزلین اور نظمین وغیرہ لکھہ کر بھیجی گئین - یہ ادبی و علمی شعبۂ ملکی ضروریات لطیف کی تکمیل کا بہترین ذریعہ ثابت ہوا ہے - جب آپکو فرصت نہ ہو تو اس نوع کی خدمات کیلئے آپ "دار الاصلاح اور دار الترجمہ" کو یاد رکھین - ہر چیز وقت معین سے پہلے پہنچا دیجاتی ہے - قدیم و جدید رنگ کی غزلین - نظمین - عمدہ فسانے - قصائد - قطعات - تاریخین - غرضیکہ تمام اقسام کلام آپکے نام سے تصنیف کی جاسکتی ہین - کتابین لکھی جاسکتی ہین - ناول تیار ہو سکتے ہین - اشتہارات بنائے جاسکتے ہین اور

ہر خط بجنسہ واپس کر دیا جاتا ہے

دفتر مین حفاظتِ خطوط کا خاص انتظام ہے - ہم نے اپنی رازداری کا اعتبار ملک مین قایم کر لیا ہے

شرائط کار ایک آنہ کا ٹکٹ بھیجکر مفت طلب فرمائیے پتہ یہ ہے

معتمد شعبۂ دار الاصلاح و دار الترجمہ

دفتر "پیمانہ" آگرہ

جناب سیماب صدیقی الوارثی اکبر آبادی نے آگرہ اخبار پریس آگرہ مین چھپوا کر دفتر پیمانہ منٹولی حجام آگرہ سے شائع کیا

پیمانہ
نگارخانۂ ارضِ تاج کا نقشِ مصوّر

پیمانہ بک ڈپو کی علمی و ادبی مخصوص کتابیں

(تصانیف شمس العلماء مولانا محمد حسین صاحب آزاد دہلوی مرحوم و مغفور)

دربار اکبری:- جلال الدین محمد اکبر شہنشاہ ہندستان اور اس کے امراء کے مبسوط و مفصل واقعات حجم ۸۵۰ صفحات۔ قیمت صہ ر

آبحیات:- مشاہیر شعرائے اردو کی مشہور سوانح عمری شعراء کا ایک مقبول تذکرہ۔ حجم ۵۵۲ صفحات۔ قیمت ۷ ر

نگارستان فارس:- مشاہیر شعرائے فارسی کا تذکرہ حکیم رودکی سے لے کر واقف لاہوری تک۔ حجم ۴۴۰ صفحات۔ قیمت للعہ ر

سخندان فارس:- فارسی زبان کی مکمل تاریخ ژند پہلوی۔ دری اور سنسکرت الفاظ کا مقابلہ معہ ایران کے دلچسپ واقعات قیمت ۸ ر

دیوان ذوق:- ملک الشعراء شیخ ابراہیم خاں صاحب ذوق دہلوی کے دیوان کا ایک معتبر نسخہ۔ لائبریری ایڈیشن۔ قیمت ۷ ر

سیر ایران:- سفر ایران کا ایک دلچسپ روزنامچہ۔ سادہ اور دلکش زبان میں۔ قیمت ۱۲ر

مکتوبات آزاد:- مولانا کے مفید دلچسپ اور لبریز معلومات خطوط۔ چھوٹی تقطیع۔ قیمت ۱۲ر

لغت آزاد:- اردو کے مقابلے میں فارسی الفاظ اور برجستہ محاورات۔ قیمت ۸ر

ڈراما اکبر:- مکمل۔ اکبر کی تخت نشینی۔ بیرم خاں کی کارفرمائیاں۔ نورجہاں کا شباب۔ جہانگیر کے واقعات۔ قیمت مجلد ۱۲ر

بیاض آزاد:- مولانا کی ایک قلمی بیاض جس میں انہوں نے اپنے مذاق کے مطابق شعرائے سلف کا کلام منتخب جمع کیا تھا۔ قیمت ۸ ر

نیرنگ خیال حصہ اول و دوم:- مجموعہ مضامین۔ مولانا آزاد مولانا کا ماسٹر پیس عجیب و غریب نثر پہلا حصہ قیمت ۱۲ دوسرا حصہ ۱۲

آموزگار پارسی:- فارسی گفتگو سیکھنے کا بہترین ذریعہ درس فارسی میں لاجواب کتاب۔ قیمت ۱۲ ر

قند پارسی:- زبان فارسی سیکھنے کے لئے ایک نہایت مفید رسالہ سیاحت ایران کی گفتگو میں۔ قیمت ۱۰ ر

جانورستان:- علامہ فیضی کی تحقیق سے جانوروں کے ظاہری و باطنی حالات۔ درندوں، پرندوں، چرندوں کے پالنے اور سدھانے کے طریقے، نہایت دلچسپ اور سادہ اردو میں۔ قیمت ۱۰ ر

نصیحت کا کرن پھول:- طبقہ نسوان کی پستی کے متعلق میاں بیوی کی ایک دلچسپ بحث۔ چھوٹے لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے عجیب کتاب۔ قیمت ۸ ر

نظم آزاد:- مولانا کی چند مثنویاں، متفرق غزلیات، قصائد، اشعار، رباعیات وغیرہ وغیرہ۔ قیمت ۸ ر

فلسفۂ الہیات:- مولانا آزاد مرحوم کے مجذوبانہ اقوال معرفت و حقائق کے غیر محدود دریا۔ طبع جدید۔ قیمت ۸ ر

تذکرۂ علماء:- ہندستان کے تقریباً چالیس سنی اور شیعہ علماء کا تذکرہ۔ قیمت ۵ ر

(باقی صفحہ ۸۲ پر ملاحظہ ہو)

پیمانہ بک ڈپو بھاٹی دروازہ لاہور

ہمارے ہاں ہر قسم کے
(مکسی تعاویر کے)
ہاف ٹون بلاک
نہایت اعلیٰ پائیدار اور واجبی نرخ پر تیار ہوتے ہیں ایک دفعہ آرڈر بھیجکر ہمارے کام کی آزمائش کریں
تجارتی نرخنامہ اور کام کے نمونے مفت طلب فرما دیں
المشتہر
پکٹوریل انگریونگ کمپنی بیرون موچی دروازہ لاہور

پریشان تصور

Lakshmi Art, Bombay 8.

قیمت سالانہ صہ ر (ہندوستان میں) ششماہی مع محصول ۴ ر

تعارف

ممالک غیر سے ششماہی ۵ر اور سالانہ آٹھ روپیہ

جلد (۵) پیمانہ مارچ ۱۹۲۶ء نمبر (۳)

تصویر —— پریشان تصور

جُرعات

آپ سخت حیران ہوں گے جب آپ کو معلوم ہوگا کہ پیمانہ کا یہ نمبر بجائے آگرہ کے لاہور (پنجاب) سے شائع ہوا ہے اور شاید بعد غور بھی آپ اُن وجوہ تک نہ پہونچ سکیں جن پر پیمانہ کا یہ عظیم النوع انقلاب مبنی ہے۔
صوبۂ متحدہ کی علمی و ادبی شان اسوقت تمام صوبوں سے مرجح ہے۔ وہاں کے گوشہ گوشہ میں انوارِ علوم سے چکاچوند پیدا ہو رہی ہے لیکن باکمالانِ صوبۂ متحدہ کی بالکل وہ ہی حالت ہے جیسے ایک صاحبِ تخت و تاج اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کے خمار میں خود بھی کھو جاتا ہے اور اسے اپنی حالت کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا ان کے دماغوں میں ابھی سطوتِ رفتہ کی بازگشت باقی ہے۔ انکا پندار انہیں موجودہ حالت کی تلافی پر آمادہ ہونے نہیں دیتا۔ اور ان کی عملی قوتیں "خوابِ دوش" کی کیفیات میں اب تک کروٹیں لے رہی ہیں جمودِ حاضر کی اطلاع انہیں اکثر پیلم بیداری دیتی ہے مگر ماضیات کی مستی دماغ کو مستقلاً جاگنے کا موقع نہیں دیتی ایسے ماحول میں ترقی و عروج کے امکانات ہمیشہ دھندلے اور تاریک رہتے ہیں اور ایک حساس دماغ بہت جلد گھبرا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ صوبۂ متحدہ ہنوز پریس اور اس کے متعلقات میں ناقص ہے۔ طباعت، کتابت، کاغذ، تصویر یہ ایسی ضروریات ہیں جو ایک ماہانہ رسالہ کے لئے ناگزیر ہیں۔ اور یہ ایسی دشواریاں ہیں جو وہاں کم از کم میرے لئے کسی طرح آسان نہیں ہوسکتیں۔ بلاک کے لئے بمبئی کلکتہ وغیرہ کے صناعین کا محتاج رہنا پڑتا ہے جو ایک تصویر بیس دن سے پہلے تیار کر کے نہیں بھیجتے۔ اور خریدار رسالہ وقت پر مانگتے ہیں میں نے بہترین کوشش کی کہ کسی طرح ان دشواریوں سے عہدہ برا ہوسکوں اور رسالہ وقت پر لاسکوں مگر میں ناکام رہا اور اپنے متواتر ارادوں کی شکست نے مجھے کام کرنے کے لئے ایک نئے میدان کی طرف مائل کر دیا۔

جب میں نے غور کیا تو مجھے پنجاب میں وہ تمام آسانیاں نظر آئیں جو ایک موقت الشیوع رسالے یا اخبار کے لئے خوشگوار ہوسکتی ہیں اس لئے میں نے اپنے صوبہ سے مہاجرت کا ارادہ کر لیا اور خدا نے اس کی فوراً تکمیل کر دی صوبۂ متحدہ کی ناساعدت کا شکار پیمانہ سے پہلے نگار ہو چکا ہے جو آگرہ سے جاری ہوا اور اب بھوپال سے شائع ہوتا ہے کوکب ہند نے بھی اپنا دارالاشاعت بدل دیا وہ بھی اب آگرہ کی بجائے دہلی سے شائع ہوتا ہے۔ کوئی سبب ضرور ہے کہ ترقی کرنے والے رسائل میدانِ عمل بدلنے پر مجبور ہوتے جاتے ہیں اس لئے پیمانہ نے کوئی بدعت نہیں کی ہے بلکہ وہ اپنی مہاجرت کو سُنتِ ادارت سمجھتا ہے۔
اِن تمام باتوں کے علاوہ اراکینِ قصرِ الادب کو ضرورت تھی کہ ان "دیرخوابانِ قصر شاہی" سے دور نکل جائیں جنہیں وہ اپنی لبریزِ عمل صداؤں

سے جگانا چاہتے ہیں۔ کہ دور کی آوازوں پر اکثر غور کرنے کا امکان زیادہ ہوتا ہے +

پیمانہ صوبۂ متحدہ کا ایک دیرینہ آرگن ہے اور گو وہ اب لاہور سے شائع ہو رہا ہے مگر اس کے سر صفحہ پر یہ نقش افتخار ہمیشہ باقی رکھا جائیگا کہ وہ مینو سوادِ رشکِ تاج" (آگرہ) کا پروردۂ آغوش ہے۔ پیمانے کو لاہور لانے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اسے نئے ماحول کی مغائرت میں ممنوع کر دیا جائے بلکہ مقصدِ اصلی یہ ہے کہ پنجاب میں جہاں علمی و ادبی بیداری نے مستقل زندگی پیدا کر دی ہے ایک مستند و معتبر شاہراہ قائم کی جائے جس پر ارباب پنجاب کو ہمارے اور ہمیں اُن کے دوش بدوش چلنے کا موقع مل سکے اور وہ مغائرت و اجنبیت جو صوبۂ متحدہ سے دور ہونے کی وجہ سے پنجاب کی زبان اور ادب میں پیدا ہوگئی ہے ملکر کام کرنے سے قطعاً دور ہو جائے +

میں اپنے ذوق کی بلندی سے مجبور ہوں اور گو ہر سال سے پیمانہ کو تنوعاتِ ادبی کا گہوارہ بنانیکی کوشش کر رہا ہوں تاہم ابھی میرے عالم خیال میں ایسی سینکڑوں تصویریں باقی ہیں جنہیں میں دشواریوں کی وجہ سے منظرِ ادارت پر نہیں لا سکا لیکن یہاں آکر بہت سی آسانیاں ہونے کی امید ہے اور مجھے یقین ہے کہ میں تاخیرِ اشاعت کی تلافی کرنے کے علاوہ اب اپنے ذوق اور ارادہ کے مطابق ادبِ اردو کی خدمت اور آپ کی ضیافت کشادہ قلمی کے ساتھ کر سکوں گا +

ادبی مہاجرین صوبۂ متحدہ کی نقل و حرکت یقیناً اکثر علم دوست احباب کو ناگوار ہوگی اور بیشتر اس انقلاب سے متالم ہوں گے لیکن اس خصوص میں ناگواری یا الم ناکی بعد از وقت ہے۔ وہ اب بھی اپنے ذوق و ایثار کا ثبوت دے سکتے ہیں اور ثابت کر سکتے ہیں کہ ان کے صوبہ کا ایک ہونہار رسالہ اگر حصولِ ترقی و عروج اور رفعِ مغائرت کے لئے اُن کے صوبہ سے ہجرت کر گیا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ انکی توجہات اور نوازشات اس کے ساتھ رہیں گی۔ اور وہ اپنے احساسِ مفارقت کا بہترین عملی ثبوت دے سکیں گے +

میں جذبۂ وطنیت سے معرا نہیں ہوں، لیکن وطن کی محبت پر اپنے ذوق اور اپنی آئندہ ترقیوں کو قربان کر دینا قدامت کی تاریکیاں کو اپنے اوپر خود مسلط کر لینے کا مرادف سمجھتا ہوں۔ اگر خیال کو تنگ نہ کیا جائے تو تمام ہندوستان ہمارا وطن ہے اور خدا کی زمین بیحد وسیع ہے پھر جہاں تکمیلِ ذوق کی آبیاری ممکنات سے ہو وہیں خیمہ زن ہو جانا مقتضائے فطرت ہے +

غالب اور میر جب تک آگرہ کو خیرباد کہہ کر دہلی اور لکھنؤ نہ گئے انکے کمالاتِ علمی کا آفتاب نصف النہار تک نہ پہنچا۔ ناسخ لاہور سے اور نسیم و مومن کشمیر سے جاکر جبتک دہلی اور لکھنؤ میں آباد نہ ہوئے انکے کمالاتِ ذاتی نے فروغ نہ پایا۔ داغ اور امیر جبتک دہلی اور لکھنؤ چھوڑ کر سرزمینِ دکن پر نہ پہنچے۔ انکی شہرتیں اور عظمتیں مکمل نہ ہو سکیں۔ لیکن مومن نسیم اور ناسخ کی طرح غالب اور میر بھی دہلی اور لکھنؤ میں جذب ہو گئے اور انکا احساس وطنیت ان کے دلوں میں باقی نہ رہا وہ اپنے نام کے ساتھ دہلوی اور لکھنوی لکھنے لگے۔ جسے میں کفرانِ وطنیت سمجھتا ہوں۔ ترکِ وطن میں ہیئے

اور میرے ساتھ صوبۂ متحدہ کے شاعرِ اعظم علامہ سیماب صدیقی الوارثی اکبرآبادی نے غالبؔ و امیرؔ کی تقلید کو زندہ کیا ہے مگر شانِ وطنیت کے بقاو قیام میں ہمیشہ داغؔ و امیرؔ کی سنت قائم رکھی جائیگی جس سے زیادہ عظمت و محبتِ وطن کا اور کوئی احترام نہیں ہو سکتا +

لاہور آنیکے بعد مجھے اپنی اُصولی حالتوں کو صاف کردینے کی ضرورت ہے تاکہ معاصرین اور عمائدین اور مشاہیرِ پنجاب کو اپنی اپنی جگہ ذاتی اور خیالی رائے قائم کرنے میں تکلیف نہ ہو +

میرے دل میں پنجاب کی بے حد عظمت ہے، میں جانتا ہوں کہ حالیؔ اور اقبالؔ اسی صوبہ کے دو ہمیشہ زندہ رہنے والے ادبی پیر ہیں۔ آزادؔ نے یہیں اپنی باہوش زندگی کو نذرِ جذب کیا ہے۔ اور مجھے اعتراف ہے کہ ہندوستان کے تمام صوبوں سے زیادہ اس وقت صرف پنجاب اشاعتِ ادبِ اردو میں حسبِ استطاعت سعی فرما ہے۔ لاہور آنے سے میرا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ میں اپنے پنجابی معاصرین کا حریف بنکر غرورِ کمال کروں بلکہ میرا مطمحِ نظر لاہور آنے سے صرف یہ ہے کہ میں پنجاب کی کچھ خدمت کروں اور اُس خوشگوار ادبی و علمی زندگی سے بہرہ یاب ہو سکوں جو نشو و نمائے اردو میں ایک شبابی قوت پیدا کر رہی ہے اور جسکی برکتوں سے ادبِ اردو کا مستقبل مجھے زیادہ جاندار نظر آرہا ہے۔ "اراکین قصر الادب" کا مشرب ہمیشہ صلحِ کُل رہیگا انہیں لاہور کی کسی علمی و ادبی جماعت کی طرفداری یا مخالفت سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ انکا یہ منشا بھی نہیں ہے کہ وہ اپنا "رایتِ نمود" علحدہ بلند کریں بلکہ وہ تمام زندہ دلانِ پنجاب کو ایک ہی رایت کے نیچے متحد ہو کر کام کرنے کا پیام دیتے ہیں۔ امید کہ ان کا یہ پیام تمام کانوں تک پہنچ جائیگا۔ اور مستقبل قریب میں پنجاب اس کا عملی ثبوت دے سکیگا کہ اس میں دوسروں کے ساتھ ملکر کام کرنیکی کس درجہ صلاحیت ہے +

یہ میرا پہلا اور آخری اعلان ہے جسے دلوں پر ثبت اور دماغوں میں کندہ ہو جانا چاہئے جس کے بعد یقیناً میں اپنے طرزِ عمل کے متعلق اس سے زیادہ صاف الفاظ پیش نہ کروں گا +

نقلِ مکان اور انتظاماتِ سفر کی وجہ سے "ثریا" حسبِ وعدہ شائع نہ ہو سکا۔ لیکن اب وہ بھی لاہور سے شائع ہوگا اور انشاء اللہ بہت جلد پہلا نمبر سپردِ ڈاک کر دیا جائیگا جو حضرات زرِ سالانہ پیشگی بھیج چکے ہیں وہ قطعاً مطمئن رہیں +

پیمانہ

مارچ ۱۹۲۶ء

خلاصۃ الالباب :

==*===*===*==

قانونِ تمدن اور سیاسیاتِ مدن

(کتاب السیاست)

ملکِ قدرت

یہ مفید و کار آمد مضمون جان لاک کی ایک مشہور کتاب "Two Treatises on Civil Government" کا ترجمہ ہے جس کے لئے میں اپنے لائق دوست مسٹر اعجاز (علیگ) کا شکر گزار ہوں جنہوں نے باوجود امتحان کی دماغ آزما مصروفیتوں کے سلسلہ کی پہلی طویل کڑی ہمیں بھیج دی۔

جان لاک سترہویں صدی عیسوی کا وہ ماہر سیاست تھا جسے یورپ کے پولیٹیکل طبقوں میں ایک خاص امتیاز حاصل تھا اور جس کی ذہنیت کا مغربی سیاست کو اب تک اعتراف ہے۔

ہندوستان کی اکثر یونیورسٹیاں ایم۔ اے کے طلبا کو اس کتاب کے مطالعہ کی طرف متوجہ کرنے کی ضرورت محسوس کرتی ہیں۔ اور ایم اے کلاس میں جہاں معراجِ تعلیم کی ایک بلند حد قائم ہو جاتی ہے، اس کتاب کا مطالعہ مفید و خوشگوار ثابت ہو چکا ہے۔

صرف اردو میں یہ بڑی کمی ہے کہ علم السیاست سے اس کا ذخیرہ خالی ہے۔ ملکی سیاست پر آزادی سے کچھ لکھا جا سکتا ہے اور کوئی رائے قائم کی جا سکتی ہے۔ مگر نفسِ سیاست کی حقیقت نمائی سے دماغ ہنوز کنارہ کش ہیں حالانکہ اردو میں کافی سے زیادہ یہ صلاحیت ہے کہ وہ ہر زبان کے پیچیدہ اور ژولیدہ مضامین کی صراحت اور وضاحت نہایت آسان اور لطیف مفہوم میں محفوظ سماعت کر دیتی ہے۔ اس لئے اس کتاب کا ترجمہ ہر لحاظ سے وجہ مسرت اور سبب آسانی ہوگا۔

ایڈیٹر

سیاسی قوت کو صحیح معنوں میں سمجھنے کے لئے اور اس کی اصلیت تک پہنچنے کے لئے سب سے پہلے ہم کو اس پر غور کرنا چاہئے کہ انسان فطرتاً کس حالت میں رکھا گیا ہے۔ یہ حالت کامل آزادی کی ہے اور جس میں قانون قدرت کے اندر رہ کر انسان کو اپنے افعال جان اور مال پر پورا اختیار ہے اور اس کے لئے نہ کسی کی رائے درکار ہے نہ اجازت۔

اس حالت میں مساوات بھی شامل ہے جہاں ایک کو دوسرے سے زیادہ حق حاصل نہیں اور اس سے زیادہ نمایاں کوئی بات نہیں کہ ایک طبقہ کی مخلوق جو پیدائش کے لحاظ سے دوسرے پر فوقیت نہیں رکھتی۔ کارخانۂ قدرت میں یکساں حصہ دار ہے۔ ہر لحاظ سے ایک دوسرے میں برابری قائم ہے نہ کوئی حکومت ہے نہ ماتحتی جب تک خداوند عالم اپنے کسی اعلان میں صاف صاف

نہ ظاہر کردے کہ میں نے فلاں کو فلاں پر ترجیح دے کر سلطنت کا مالک اور حکمران بنادیا ہے۔

انسان کی اس فطرتی مساوات کو دانشمند ہوکر[1] (Richard Hooker) اسقدر مسلم الثبوت و غیر مشکوک سمجھتا ہے کہ وہ اس کو بناء قرار دیتا ہے اس باہمی محبت کے عہد و پیمان کی جسکی رو سے وہ انسانی فرائض ظہور میں آتے ہیں جو ایک دوسرے کے ذمہ واجب الادا ہیں اور اسی تخیل سے وہ انصاف اور فیاضی کا عظیم الشان مسئلہ طیار کرتا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں "انسان کی یکساں فطرتی رغبت نے اس کو بتادیا کہ جتنا وہ اپنے کو عزیز رکھتا ہے اتنا ہی دوسرے کو بھی عزیز رکھنا چاہئے۔ کیونکہ جو چیزیں برابر کی ہیں وہ برتاؤ بھی برابر ہی کا چاہتی ہیں۔ اگر ہم کسی شخص سے بھلائی کی امید رکھتے ہیں جیساکہ وہ بھی ہم سے توقع کرتا ہے۔ تو کس طرح ممکن ہے کہ ہماری تمنا کا ایک جز و بھی پورا ہوسکے جب تک ہم اس کی آرزو پوری کرنے کی فکر نہ کریں۔ اگر ہم اس کی تمنا کو پامال کریں گے تو یقیناً اس کو اُتنا ہی ملال ہوگا جتنا ہمیں اپنی تمنا کی پائمالی پر ہوتا ہے۔ لہذا اگر ہم کسی کو آزار پہنچاتے ہیں تو ہم کو بھی مصیبت کے لئے تیار رہنا چاہئے کوئی وجہ نہیں کہ جیسا برتاؤ ہم دوسروں کے ساتھ کرتے ہیں اس سے بہتر ہمارے ساتھ کیا جائے اس کے بعد ہماری یہ خواہش کہ ہمارے ہمسر جہانتک ممکن ہو ہم کو عزیز رکھیں ہمیں اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ ہم بھی لازمی طور سے ان کے ساتھ وہی برتاؤ کریں جو ہم اپنے لئے چاہتے ہیں"۔

ہر شخص آگاہ ہے کہ ہمارے اور دوسرے انسانوں کے رشتۂ مساوات سے کون کون اصول اور قاعدے عقل نے ہماری ہدایت کے لئے بنادیئے ہیں۔ گو یہ صورت آزادی کی ہے لیکن مطلق العنانی سے دور ہے۔ گو آدمی کو اس حالت میں اپنی ذات یا ملکیت کے تصرف کرنے میں زیادہ آزادی ہے لیکن یہ مجال نہیں کہ وہ اپنے کو یا دوسرے کو جو اس کے قبضہ میں ہو کسی طرح سے تباہ کردے۔ ہاں یہ اختیار اس وقت ہوسکتا ہے جس وقت زندگی کے تحفظ کے بجائے اس کی قربانی سے کوئی برتر مقصد حاصل ہوتا ہو۔ ملکِ قدرت میں ایک قانونِ قدرت بھی ہے جس سے اس کا نظام قائم ہے اور جو ہر شخص پر حاوی ہے۔ اس قانون کا نام "عقل" ہے جو ہر مشورہ کرنے والے انسان کو تعلیم دیتی ہے کہ تم سب آپس میں برابر ہو لہذا ایک دوسرے کی جان و مال اور آزادی کو ضرر نہ پہنچاؤ کیونکہ انسان ایک ہی صناعِ عالم اور عقل کل کی صنعت ہے۔ ہر شخص ایک ہی آقا کا بندہ ہے۔ دنیا میں سب اسی کے حکم سے اور اسی کے کام سے آئے ہیں۔ ہم سب اُسی کی ملکیت ہیں لہذا اس کی صنعت کو اس وقت تک قائم رہنا چاہئے جب تک ہماری نہیں بلکہ اسکی مرضی ہو چونکہ ہم سب کو یکساں قوت عطا کی گئی ہے اور ہر ایک ہم میں سے ایک ہی فطرت کا حصہ دار ہے لہذا کوئی ایسی وجہ نہیں خیال کی جاسکتی جو ہم کو دوسروں کے ہلاک کرنے کا اختیار دے یا یہ بتائے کہ ہم سب ایک دوسرے کے صرف میں آنے کو بنائے گئے ہیں۔

(باقی)　　　　اعجاز حسین (علیگ)

---

[1] رچرڈ ہوکر Richard Hooker یورپ کا مشہور مصنف جسکی اور کتابوں کے علاوہ Laws of Ecclesiastical Polity بہت مشہور ہے۔ اسی کتاب میں سے لاک نے جابجا حوالے دیئے ہیں۔ مترجم۔

چیستانِ فطرت

اے کارکنانِ بزمِ فطرت　　اے منتظمانِ نظمِ قدرت
پائندہ نہیں جو زندگانی　　کیوں خلق ہوئی سرائے فانی
گر فانی ہی تھی جب بنائے امکاں　　پیدا ہوئی کیوں یہ نسلِ انساں
جب رشتۂ زیست چھوٹنا تھا　　پیمانِ حیات ٹوٹنا تھا
کیوں ہم کو پلایا اُنس کا جام　　ہونا جو تھا اُنس کا یہ انجام
فرزند کو کیوں ہے اُنسِ مادر؟　　کیوں ماں کو ہے اشتیاقِ دختر؟
کیوں باپ کو ہے شغف پسر سے؟　　بیٹے کو ہے اُنس کیوں پدر سے؟
بھائی کو یہ کیوں ہے پاسِ خواہر؟　　خواہر کو محبتِ برادر؟
مٹنا جو تھا دودمانِ آدم　　پیدا کیا اُنس کیوں یہ باہم

یوں جذبۂ شوق کو بڑھانا　　سینہ میں اک آگ سی لگانا
اک رشتۂ نور سے دلوں کو　　جانوں کو جکڑنا اور تنوں کو
پھر ایک کو خاک میں ملانا　　اور ایک کو اشک خوں رُلانا

خندہ ہے کہیں کہیں فغاں ہے
دنیا بھی عجیب چیستاں ہے

راحت اکبر آبادی
(خواجہ راحت حسین بی اے)

مذہبیاتِ اخلاق

انقلاب ہائے روزگار داماں مشاہدات مین طرح طرح کے غنچہ ہائے نوزائیدہ پرورش کرتے رہتی ہین - انکی نیرنگیان اکثر نقاد نظرین پرکھتی ہین - تکلفاً یا رسماً سہولیتون کو مدنظر رکھتے ہوئے انکی شامّہ نوازی جائز یا ناجائز قرار دیجاتی ہے اور معیار کی ذمہداری مذہب و ملت ملک و قوم کے سر رکھہ دیجاتی ہے - قوم و مذہب کیلئے بہی مجدد کی ضرورتون کو محسوس کیا گیا ہے - مگر تجدید کار زیادہ تر جا و بیجا خلاف عقیدت شمار ہوتی ہے -

عموماً اعتراضات کا شکار کسی قوم یا مذہب کا کوئی شخص کیون نہو صرف اسوجہہ سے کہ اُسکا اخلاق گرا ہوا ہے ایک بامُرادِ سوال ہے کہ آیا مذہب یا اوسکے ماتحت اخلاق فی نفسہ تبدیلی قبول کرتا ہے یا فروعات مین؟ مسلّمہ امر ہے کہ علائق دنیوی ہزار ہا لباس سے مزین ہو سکتے ہین - مگر مبدءِ مخصوصہ اپنی کیفیات ملحوظہ کے اثر کو خیرباد نہین کہہ سکتا - سچائی کا نور ہر نوع کے پیرہن مین اپنی امتیازی روشنی سے چمکیگا - اور چمکتا ہے - یعنی محفوظاتِ حقیقی ہمیشہ غالب رہتی ہیں - ورنہ اسکے معنی یہ نکلینگے کہ وہ طرزِ عمل کوئی دوسری راہ ہے - اور نوآموز عالم ہیولانی مین ایک ابتدا و حافظہ -

تازہ ترین اصلاح جو رُو بصحت ہون الہامی دائرہ سے خارج نہین کیجا سکتین - البتہ کچھ بہی اکثر التفاتِ چاپلوسانہ مفاد کے غیر احتیاجی ارکان مین سے بنجاتی ہے اور اُس بنیاد پر قوم یا مذہب کی نئی نئی عمارات چُنی جاتی ہین؛ یہ صورت بیشک ناقابل اعتراض گمراہی کی تکوین ملوکہ ہے قطعی صاف بات ہے کہ یہ رسم یا مذہب انہیں نو ایجاد رسوم و مذاہب مین سے ایک ہے جسے خودساختہ و پرداختہ سے موسوم کیا جائے تو مجدد بے لگام حسین جادوگر متصور ہو - نہ کہ نیک فرشتہ -

عقلی نکات بزرگان گذشتہ نے اکثر نامعلوم گھڑیون کی طرح گذار دئے - خواہ انہین عرصہ خواب سمجھا جائے یا میعاد محشر - اگر یہ شکل ظہور مین نہ آتی تو دنیا نئی پرانی ہونیکے بعد ایک توعہ بہس بنکر رہجاتی اور تجربات و مشاہدات کے بیبہا نمونے کبہی کے سرد ہو چکے ہوتے - مگر قدرت کے انتظامات دنیائی روا روی سے فائدہ اُٹھاتے رہین - اور تاقیامت معلومات کا سلسلہ احاطہ تجسس مین رہکر متلاشی نگاہون کو بے فکر نہونے دیگا -

دوستی کے متعلق تعلقات کے ماتحت اکثر بزرگون کا قول ہے "وہ زمانہ جاتا رہا جب دوستی سچے معنون مین زندہ تہی" اسکی معمولی صفائی اسطرح پیش کیجا سکتی ہے کہ عملی جامہ مناسبت سے زینت بخش نہین ہے - دوستی بناءِ مکارم اخلاق مین کُلیتہً شامل ہے - اور اخلاق کا معیار مذہب یا بیشتر صحب الفاظ مین رسوم محفوظ کئے ہوئے ہے - اب رسماً یا مذہباً دوستی کے بارے مین فیصلہ دنیا مربوط تو ضرور ہے مگر مخبوط ہو جاتا ہے یہاں اعتقادی مباحث کی دخل اندازی منشائے جستجو مین اکثر کفر یا عدم اشتراک کا الزام کریگی - اسمین کیا شک ہو سکتا ہے کہ دینِ الہیٰ اسی قسم کی . . . کے نتائج سے ہے - مگر اخلاق کی بجگنی کسی مذہب نے

نہین کی ہے۔ البتہ خود غرضی اپنے معائب سے سبکدوشی کسی صورت نہین حاصل کر سکتی۔ جب تک خلوص کی رہنمائی سے گریز کرے۔

میرا ذاتی خیال ہے کہ علم کی تربیت ملحوظ خلوص ہے۔ اور یہ مخصوص روش ہی قابل قدر رسم یا مفخر الموجودات شرع ہے۔ اب زیر نظر مسئلہ غرض و خلوص کا رہا۔ غرض سے کوئی جاندار خالی نہین ہے: تاہم خلوص غرض سے اکثر علحدہ نہین کیا جا سکتا۔ خلوص اور غرض کی حد فاصل مطالب کی نفاست ہی۔ خود غرضانہ اضافات خلوص پر چہا جاتے ہین۔ اور کبھی مسموم پوشاک 'ناجائز' اور 'نازیبا' قرار دیجا سکتی ہے۔

اب اخلاق یا دوستی کا فیصلہ عقل عامّہ پر رہگیا۔ ماضی و حال کی متعاقباً علایق کی جانچ پڑتال توضیح و تشریح مقصودہ پر کافی سے زیادہ روشنی ڈال سکتی ہے۔ مذہب خود اپنا بار خلوص کی گردن سے نہین اُتار سکتا۔ رسوم بذاتہ اسکے سایۂ عاطفت مین بالیدگی اختیار کر سکتی ہیں۔ اور بصورت تفرقہ چار دن کی چاندنی ہوکر رہ جاتی ہین۔ بس یہین تجدید کا خیر مقدم کیا جاتا ہے۔ اور مجدّد کی عزت۔ بشرطیکہ وہ اخلاق بہترین سے غیر مسلوک جادۂ اعتدال کا استدلال لازمی عنصر پیش کرے۔

بزرگان حاضرہ کے "خلوص" پر بھی ایک نظر ڈالنا دکالت سے بعید نہین۔ مانا کہ وہ قدما کے قدم بقدم راہ مسعود پر گامزن نہین ہین۔ سب سے اول یہ طے کرنا ہے کہ آیا قدیم "تکلفات" بالآخر سہولت بجاتے یا نہین۔

رسوم کی تشنیع ادبیات اور مذہبی مفاہمت کے مغالطے اکثر بالترتیب ناموزون اور غیر مقصود تہی۔ جو رفتہ رفتہ اصلاح پذیر ہین۔ نقطہ ہائے نظر مختلف اور متفرق معیار پیدا کرتے رہے ہین اور کرتے رہینگے۔ اگر "دوستی" کی رسم کو اس نظر سے دیکھا جائے کہ وہ ایک فوجی آدمی کو کسقدر رشتہ ہائے دنیوی سے بے تعلق کر کے جنگ آزما ہونے کے لئے پر جوش بنا دیتی ہے تو وہ مخصوص "بہادری" کے لئے قابل عزت ہے۔ مگر اہل عرب کا زمانۂ جہالت مین ایک معصوم لڑکی کو صرف اسوجہہ سے سپرد خاک کر دینا کہ وہ شاید باعث ہتک و ننگِ خاندان ہوگی کسقدر قابل اعتراض ہے۔ فلسفۂ اخلاق ماضی و حال "زندگی کی حفاظت فرض اولین" قرار دیتا ہے۔ کون مذہب اسکے خلاف ہے۔ یہان غرض اور خلوص ایک ہی مرکز پر ناقابل اعتراض اتحاد قایم کر رہے ہین۔

ہم اگر صرف دوستی کو کسوٹی پر رکہین تو اسکے معنی یہ ہین کہ اخلاق کو بنظر وسعت پرکھ لینگے۔ دوستی کا حصار بسیط اور جملہ مکارم کا محدود خزانہ ہے۔ متقدمین اور متوسطین نے امتیازی اخلاق کو ہمیشہ پیش نظر رکہا ہے۔ عملی اور عقلی ملحوظات علی الترتیب بدل گئے ہین۔ کل بھی جھوٹ کو برا سمجھا جاتا تہا اور آج بھی اوسے اچھا نہین سمجھا جاتا فرق صرف اتنا ہی ہے کہ کل اسے برا سمجھا جاتا تہا اور آج محض اچھا نہین سمجھا جاتا۔ یعنی ایک درمیانہ خانۂ "تمیزہ" کا اضافہ ہوگیا ہے۔ یہی "مذہبیات اخلاق" کی نئی استواری اور دین و دنیا کے عدم اشتراک یا شرکت کلّی کی بنیاد ہے۔ مگر شرکت صرف جزوی ہے ورنہ عدم اشتراک کا پیش خیمہ

باینہمہ ملاحظاتِ خلوص ہی صرف ایک قوت ہے۔ جو دین و دنیا کی مشترکہ دو پہیوں کی کل کو ہزار سہولیت سے چلا رہا ہے ورنہ دین الوداع کہے۔ اور دنیا کے کام بند ہو جائین۔ اعتبار بے اثر ہو جائے اور ضمیر کا عدم وجود برابر۔ دل نفسانیت کی آلودگی سے

پاک نہ رہ سکے .... ایک سچا طریق خدا ضمیر کو ماننا ہے اور خلوص اسکا رہبر ہے۔ عقل پیغامبری کی ذمہ دار اور دل جبلکو ہات
مین پابند۔ مگر ایسی صورت مین ہر دو ممتاز قوتون سے مغلوب .... عقل و ضمیر بالکو تی اصناف مین علم اور تربیت۔ خلوص کو
استوار کرنے کے مقاصد ازلی ہین۔ ہان دل غرض کی آلائش کو دور نہین کر سکتا۔ مگر وہ دب سکتی ہے ورنہ نیکیون کی قربانیان
یہان تک ظہور مین آتی ہین کہ انسان ان کا عادی ہو جاتا ہے اور ترک ظلم بھی مصائب گونہ گون او شیطانی محرکات سے
خالی نہیں رہتا۔

بہر نوع جادہ ثواب خلوص ہے۔ تاہم غرض سے انسان بے تعلق کیسے ہو جائے؟ غرض کو دل سے دور کرنا تو ہر
شخص کا کام نہین ہے اور مستثنیات مین سے ہے۔ ہان۔ غرض کو بے نکیل نہین کرنا چاہئے۔ اپنے فائدہ کیساتھ دوسرے
یہان تک کہ عامۃ خلائق کے مفاد کو بھی پیش نظر رکھنا مصلح کار سمجھتے --- اور یہی زندگی بروئے مذہبیات اخلاق "قابل توجہ" ہے۔
بشریت کا خاصہ ہے کہ دوستی و ایک سی طبیعتون مین پیدا کر لے۔ خواہ آہستہ آہستہ یا بہت جلدی —
مدت تحصیل استقامت براہ ہے۔ ایک دوسرے کا حتی المقدور خیال رکھنا اسکا نتیجہ ہے۔ مگر اصحاب معترض ایسے اکثر تہذیب کے
دائرے مین لاکر مقدور پر حمایت آور ہو جاتے ہین ...... ایک انسان کی قدرت مین ہے کہ وہ اپنے ساتھی یا ہمدم کو شیر کے
پنجہ سے بچانے مگر اسکے لئے یہ بہت زیادہ ضروری ہے کہ وہ اپنی حفاظت کا پہلے خیال کرے۔ جو مقتضائے عقل و علم بھی ہے
ہان مگر اپنی حفاظت کے ساتھ ساتھ دوسرے کی بھی خبرگیری کر سکتا ہے اور پھر اس سے گریز ہے تو عبارت خود غرضی نہین بلکہ
اخلاقی فراموشی ہے۔ خود غرضی تو اس صورت مین تعبیر کیجا سکتی ہے کہ وہ انسان خود باعث ہلاکت ہو۔ باعث شیر کی خونخواری
ہے نہ کہ اس انسان کی۔ ایسی صورت مین ذاتی خبرگیری جبکہ وہ دوسرے کی مدد کرنا لاحاصل سمجھتا ہے یا ایسی صلاحیت سے
موقعہ پر محروم ہے۔ اس قسم کی ہین وہ غلط اندازیان جنہون نے ناجائز مفاہمت سے ایک پرانے زمانے کے شخص کو بہادر اور
با اخلاق اور زمانہ حال کی پود کو بزدل اور محروم ایثار بنا دیا ہے۔
"مغالطہ" اور بھی زیادہ ہے۔ یہ مغربی بانی تہذیب کے فلاسفر کا قول
بالاتفاق "بہادر وہ ہے جو بچ رہے"
سراسر خود غرضی پر مبنی ہے۔ یہان سوالات ذرائع درمیان آتے ہین۔ ایک صورت سے یہ بالکل غلط بھی نہین کہا جا سکتا
مگر ناقص الخیالی نے صرف انجام پر روشنی ڈالی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ "انجام خوشگوار ہو"۔ ضمیر کو بالائے طاق رکھنے کے بعد اکثر انجام
اچھے ملینگے۔ مگر ذرائع خراب ہونگے۔ صرف مقصد کو پیش نظر رکھنا بھی جرم سے خالی نہین ہے۔ فرض کیجئے زید کا مقصد دس
ہزار روپیہ پیدا کرنا ہے مگر بجائے اسکے کہ وہ تجارتی میدان مین آکر وہ دوسرے قزاقی سے امید برآری کرتا ہے۔ خواہ وہ
یہ روپیہ نیک کام مین صرف کرے یا برے مین۔ بہرحال "ناقص العمل الانجام" ہے۔ عمل اور مقصد دونون کے لئے نکوکاری لاحق ہوئی
ورنہ کلیۃ محذوف یا نامعقول۔ جو بہ الفاظ دیگر گمراہی مین ڈالنے والا ہے یعنی فریب سے خالی نہین۔ لہذا خلوص کے حدود
سے باہر ہے ؀

حقیقتاً اخلاقی دوستی فلسفیانہ بحث میں ضرورت سے زیادہ وضاحت میں پڑ گئی۔ مگر جب تک کسی شئے کی اصل اور اسکے علائق سے واقفیت نہیں ہوتی وہ اس تفصیل کی محتاج رہتی ہے جو اپنی پوشیدگی سے کوتاہ بین نقاد کو طبع آزمائی کا موقعہ دیتی ہے۔ یہ طے کہ قطعی اعتراف یا انحراف ہٹ دھرمی سے کم نہیں۔ چنانچہ نقطۂ نظر پہلی دوستی کا اور تہذ اور اس زمانہ کی دوستی کا اور خلوص کی زنجیروں سے ہر دو نقطۂ نظر آزاد نہیں ہیں۔ مگر خلوص کا بیجا استعمال اسکے نہ استعمال کرنے سے زیادہ بڑا ہے۔ اگر عمر علم حاصل کرتا ہے تو اسکے ذریعہ سے مکاری یا ظلم کی ترقی میں آسودگی بخشتا ہے تو وہ زیادہ بڑا اور توہین آمیز ہے۔ بہ نسبت اسکے کہ وہ علم کی تحصیل سے باز رہے۔ یا علم کو عمل کا جامہ نہ پہنائے۔

حاصل کلام یہ کہ خلوص کی تحصیل اور اُسکا جائز استعمال دونوں ضروری ہیں۔ اب خلوص کے مراتب مذہب اور قوم کے لئے یہ ہیں کہ:— انسان خضوع خشوع معبود حقیقی کی پرستش سے مُنہ نہ موڑے۔ یہاں اُسکا دین سنبھلتا ہے اور یہی خدا کی دوستی ہے۔ مگر خالق ہر دو جہاں اپنی مخلوق بھی رکھتا ہے۔ چنانچہ اسکی ہی مناسب عزت فرض ہے۔ اس فرض کی بے غرض ادائیگی دنیا کی با ایمان دوستی ٹھہری۔ مگر قوم اور مذہب رسمی اور شرعی فرائض کی رد و قدح میں مصروف ہیں۔ جدت طرازی۔ احکامات متعلقہ کو جسمانی سہولیتوں کے لئے ایک نقطۂ نظر پر لا رہی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ یہ نیا میدان خطرناک تو نہیں ہے۔ ہر متنفس یہی کہیگا کہ اگر مقابلتاً خطرناک ہوتا تو اسمیں قدم رکھنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ مگر پیش آمدہ۔ راحتوں کی عینک اُتار کر اگر غور کیا جائے تو دور تک نظر آئے گا۔ صرف دو قدم ہی نہیں چلنا ہے۔ کسی منزل تک پہونچنا ہے۔ مقام مقصود تک اگر باطمینان قلبی ان اٹھکھیلیوں کے ساتھ رسائی ہے تو بالفعل درست۔ ورنہ عقل مزاحم اور عمل بے دست و پا۔ اخلاق پہلے مذہب تھا۔ اب محض دنیا داری۔ ضمیر اور دل یا خلوص و خواہش کی تفریق ہے۔

مخلوق منقسم ہے اور متفرق۔ اور دل بھی بیکار اشیا میں سے نہیں ہے۔ یہاں سے پسند خاطر کا سوال زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ لہذا اپنی قوم کی پچ اگر فرض سمجھکر کیجائے تو کسی قدر غلطی ہے۔ یہ تو طبیعت کا ایک خاص رجحان کہئے۔ اور یہ دل و دیدہ کی گنجایش پر مبنی ہے۔ بقدر ظرف۔ ہر انسان اپنی جوشش ملاطفت کو کام میں لاتا ہے۔ یہ دوستی خلوص کا اظہار ہے۔ نمود درمیان میں ایک شئے جو اتبک فراموش کیگئی ہے وہ "محبت" ہے۔ یہ دل سے متعلق ہے۔ محبت اگر بےغرض ہو جائے تو کیا کہنا ہے۔ مگر یہ قریب قریب ناممکن ہے۔ وجہہ صرف یہی ہے کہ دل مادیت پر فدا ہے۔ اور ضمیر روحانیت پر۔ اب عقل کے ہاتھ میں ہے۔ جسکا زیادہ ساتھ دے اور جسے ناقابل ترجیح قابو یافتہ کر دے۔

جس نتیجہ پر ہم اسوقت تک پہونچے ہیں وہ یہ ہے کہ دوستی کی قربت کیلئے محبت کی ایک کڑی کی اور ضرورت ہے تاکہ اخلاق مکمل استواری حاصل کر سکے۔ ورنہ دل اپنا جھگڑا پھیلائے بغیر نہیں رہیگا۔ دماغ کی یکسوئی۔ اگر دل پر قابو نہیں ہے تو امر محال ہے چنانچہ دل و دماغ کی مصالحت ضمیر کے لئے جسکا نعم خلوص برار ہے۔ ضروری ہے۔ عقل و محبت خداداد۔ علم و تربیت حاصل اکتساب۔ خلط ملط ہوکر نفسانیت کو زیر کرتی رہتی ہیں۔ اور ضمیر کی پرورش میں ذمہ دار حصہ لیتی ہیں۔ یہ مساعی جمیل انتہائے

نشو و نما میں جزئیات کے دائرے سے نکلکر کسی خاص معیار کو فطرتاً قبول کر لیتی ہیں۔ اور انسان اُسی کسوٹی پر اپنے افعال و مقاصد کو پرکھتا رہتا ہے۔ اسکے معنی یہ نہیں ہیں کہ صوری علائق تاثرات سے خالی ہیں۔ نہیں نہیں! مشاہدات و تجربات وقتاً فوقتاً عبرت دیتی اور اصلاح کرتے رہتے ہیں۔ مگر فطرت پر کلیتہً غالب نہیں آجاتے۔ ہاں کسی پختگی پر پہونچنے کے بعد تو مشکل ہی سے دخل انداز ہو سکتے ہیں۔

خیر۔ اب محبت کے لئے یہ ہے کہ ہر محبت دوستی نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ ہر دوستی محبت ہو سکتی ہی نہیں بلکہ ہے۔ محبت کے اندر جس مقدار میں دوستی شامل ہے وہ حقیقتاً اظہار ہے خلوص جائز کا۔ اب حل طلب معمہ یہ ہے کہ تمام محبت کس بنا پر دوستی نہیں رہتی ہا حدِ مفاصل "غرض" دل کا دوسرا ملکہ ہے۔ یہ حتی الوسع اپنی کارکردگی سے باز نہیں رہ سکتا۔ محبت کی اعلیٰ ترین مراتب میں سے ایک کو لیجئے۔ امتحان ہو جائیگا۔ ایک حسینہ کی محبت یا اصطلاح عامہ کی رو سے اُسکا عشق بمحض خلوص یا یوں کہئے کہ دوستی پر محمول ہے۔ اُس حسینہ کی دل آزاری نہ ہو سکے اور حتی المقدور اپنی ذات سے آرام پہونچے۔ ...... مگر مقصود تبدیل ہوتے ہوتے پرستش سے گذر کر دل کے دوسرے جذبات کی طرف رجوع ہو جاتا ہے اور نفسانیت حصہ لئے بغیر اکثر نہیں رہتی۔ یہانتک کہ شاذ و نادر بصورت ناکامیابی دشمنی کی حدود میں مشاہدات حاصل ہوتے ہیں۔ بہت سے روحانیت کے مداح اس بیان کو لغو خیال کرینگے۔ مگر حقیقت اجتناب یہ ہے کہ وہ لوگ نیچری ہونے کے علاوہ محبت کو غلط سمجھے ہوئے ہیں اور محبت کی بے بسی میں اپنی عدم توجہات سے واقف نہیں ہیں۔

الغرض محبت صالح اور پاک ہونیکی ہمیشہ دعویدار نہیں ہو سکتی۔ ہاں دوستی کا ذمہ ہے۔ مگر غلطی یہ ہے کہ دوستی کو محبت اور محبت کو دوستی خیال کیا گیا ہے۔ پہلی آدمی محبت کو دوستی ہی کی حدود میں پرورش کرتے تھے۔ اور اس زمانہ میں دوستی اکثر محبت کے تمام معنوں میں نقصان ہے ...... محبت خدا اکی۔ خونی محبت۔ محبت مذہب کی قومی محبت۔ ہمسایہ کی محبت۔ محبت ہم پیشہ۔ ہم سفر وغیرہ۔ تربیت کے ساتھ ساتھ علی قدر مراتب انسان کے دل میں پیدا ہوتی رہتی ہے۔ اور جب تک خلوص کے دائرے سے باہر نہیں نکلتی۔ وہمیں غرض شامل نہیں ہوتی۔ اور وہ قابل قدر ہے۔ ورنہ ...... اکثر محبت حمدوں کی آرزو رکھتی ہے ...... اکثر والدین کو ٹھگتی ہے ......

قوم میں نام پیدا کرنے کی غرض سے ...... مذہب کی ایک رکن بننے کی تمنا میں ...... محرومی کی غیر متوقع امداد کے انتظار میں فریب سے بچے نہ خوش رہنے کی سہولیتوں کی جستجو میں یہ محبت ضرور ہے۔ مگر چونکہ غرض اسمیں شامل ہے اسلئے قابل عزت ہرگز نہیں ہو سکتی۔ دوستی کے دائرے میں اُسے قیمت آسکتی ہے۔ جب محض خلوص یعنی ایک فرض لابدی سمجھکر کیجائے۔ دل سے تو ہمیشہ متعلق رہیگی۔ مگر اُسکے جذبات ناخواستہ کو زیر کئے ہوئے۔

چنانچہ بادی النظر میں دوستی یا اخلاق حقہ کا مشکل تھا اُس سے کہیں زیادہ آج نئی روشنی میں ہے۔ مگر جس لحاظ سے اخلاق کی صعوبات کو پیش کیا جاتا ہے وہ کل بھی غلط تھیں اور آج بھی غلط ہیں۔ کل دوستی کے معنی اکثر نہیں

سمجھے جاتے تھے اور کیجائی تھی۔ آج دوستی سے کماحقہ' واقفیت ہے۔ اگر اسکا عمل مفقود و معدوم العمل۔ دوستی۔ مادیّت کے ذہنوں میں پڑی ہوئی ہے اور یہ صرف معنوی مغائرت تھی۔ جسکی وضاحت مذہبیات اخلاق کے طول طویل بحث سی کیگئی۔۔۔۔۔ جہاں ایک عمل صالح کو نیک سمجھکر اُس سے باز رہنا ایک جرم ناقابل معافی ہے وہاں خوش (انجام) پر بے مقصد پہونچ جانا بھی اُسیقدر قابل عزت و وقعت نہیں ہے۔ مگر ہاں یہ بات ماننے کے قابل ہے کہ پہلی طبائع اکثر فرائض کو بہترین مقاصد شمار کرتی تھیں اور فی زمانہ محض مقاصد کو فرائض میں سے شمار کر لیا گیا ہے۔ غرض و مقصد کی تفریق نہ پہلے صاف تھی نہ اب صاف ہے۔ ورنہ مرحلات دنیوی کبھی کے طے پا چکے ہوتے۔ اور ہر فرد بشر بے چینی کے ساتھ ہاتھ پر ہاتھ رکھے قیامت کا منتظر بیٹھا ہوتا۔ زمانہ حال میں اخلاق کیلئے محض خلوص کی ضرورت ہے۔ اخلاق سے واقف اتنا کوئی بھی نہیں ہے جتنا کہ متقدمین تھے۔ پہلا اخلاق نیک عادت تھی۔ جسپر بے سوچے سمجھے عمل کیا جاتا تھا اور اب نیک طریق ہے جو نگاہوں کے سامنے ہے مگر اُسپر خلوص کیساتھ گامزنی نہیں ہوتی لیکن اب خلوص کی شناخت ہو سکتی ہے اور پہلے غرض کی شناخت نہیں ہو سکتی تھی۔ مذہب و اخلاق کی ترقی کیلئے دریافت شدہ خلوص کو کام میں لانیکی ضرورت ہے۔ متقدمین کی لاعلمی اور متوسطین کی فراموشی قابل توجہ ہے۔

سردار انور بی اے علیگ

قصر الادب

کا شعبۂ دارالاصلاح و دارالترجمہ آپ کی خدمت کے لئے ہر وقت حاضر ہے آپ اس سے کوئی خدمت ضرور لیجئے۔ نظم۔ غزل۔ فسانہ۔ مضمون۔ کتاب۔ اشتہار۔ قطعۂ تاریخ۔ غرضکہ کوئی ادبی و علمی کام ایسا نہیں ہے۔ جسکی تکمیل اس شعبہ میں آپ کی خواہش کے مطابق نہ ہو سکے۔ ۴ سال سے یہ شعبہ اہل ملک کی خدمت کر رہا ہے۔ ہر کام کی تکمیل بصیغۂ راز ہوتی ہے۔ اور ہر خط بعد تکمیل بجنسہ واپس کر دیا جاتا ہے۔ مطبوعہ شرائط کار ۱؎ کا ٹکٹ وصول ہونے پر ارسال خدمت ہو سکتی ہیں۔ معاوضۂ خدمات بہت کم رکھا گیا ہے کہ ہر شخص فائدہ اُٹھا سکے۔ تعمیل ہمیشہ تاریخ معینہ سے پہلے ہو جاتی ہے۔ طلبائے کالج کے ساتھ خاص رعائیتیں زیر غور ہیں۔ فرمائش کی تعمیل صرف بصورتِ نقد یا بذریعہ وی پی ممکن ہے۔ اگر آپ نے اب تک اس شعبہ سے کوئی کام نہیں لیا ہے تو ایک مرتبہ امتحاناً کوئی خدمت ضرور لیجئے ؛

معتمد دارالاصلاح و دارالترجمہ قصر الادب یکی دروازہ لاہور۔

پریشانِ تصوّر

او عالمِ تصویر میں حیرانِ مصوّر
او خلوتِ تنہا میں پریشان مصوّر

تشکیل درخشاں تری آئینۂ جذبات
تخئیل پریشان تری رومانِ مصوّر

پیدا ترے ہر سانس سے مضرابِ تموّج
ظاہر ترے انداز سے ہیجانِ مصوّر

مدہم تری ترتیب میں موسیقیٔ عشرت
برہم تری ترکیب میں ارکانِ مصوّر

افسردگیاں تیری جبین چوم رہی ہیں
دنیائے تصوّر کی حدیں جھوم رہی ہیں

صورت تری مغموم ہے گھبرائی ہوئی ہے
تصویر شگفتہ تری دھندلائی ہوئی ہے

آنسو تری آنکھوں میں ہیں مائل بہ چکیدن
دنیا ترے جذبات کی تھرّائی ہوئی ہے

ہونٹوں سے گری پڑتی ہے دامانِ نظر میں
نازک وہ طبیعت جو کہیں آئی ہوئی ہے

آثارِ خزاں ہیں تری ہستی پہ مسلّط
اور صبحِ جوانی ہے کہ مرجھائی ہوئی ہے

ارمان میں کس کے تری آغوش تہی ہے
جاذب نظری تیری کسے کھینچ رہی ہے

قوت میں نظر کی اثر کاہ رہا ہے
پھر اس پہ کشش حسن کی مَوّاج فضا ہے

شاید جسے تخئیل میں کرنے کو ہے تو جذب
او کھینچنے والی وہ تجھے کھینچ رہا ہے

ہے نقطۂ وسطیٰ پہ تصوّر کا تصادم
اک رشتۂ باریک جگر دوز ہوا ہے

ہشیار! کہ مغلوب نہ ہو تیری نزاکت
بیدار کہ اندیشۂ لغزیدنِ پا ہے

کاہش نہ جھلک آئے تصوّر کے اثر میں
تو جذب نہ ہو جائے کہیں زورِ نظر میں

بکھرے ہوئے انداز کو تسکین عطا کر
پژمردگیٔ ناز کو فردوس نما کر

بھیگا ہوا پیکر ہے ترا جذبۂ نم سے
جیسے کوئی اُبھرا ہو سمندر میں نہا کر

رگ رگ سے ٹپکتی ہے تصوّر کی اداسی
پہلو میں تو بیٹھی ہے کوئی آگ چھپا کر

پلکیں تو جھپک کھینچ لے دامِ نظر اپنا
محویّتِ تخئیل کو مجبورِ فنا کر

ہے صرفِ تصوّر مگر اپنا بھی پتہ ہے
کاغذ پہ مصوّر نے تجھے کھینچ لیا ہے

ساغر نظامی

(نظم تصویر کے متعلق)

"مُصنّف کی بیوی"

(۱)

حسن، جسوقت الہ آباد یونیورسٹی سے ایم اے کی ڈگری لیکر نکلا ہے اسکی عمر ۲۴ سال سے زیادہ نہ تھی۔ اس کم عمری مین بھی اس نے جو حیرت انگیز ترقی کی، اس کا واحد سبب صرف حسن کی کوہ وقار طبیعت اور اسکا غیر متزلزل عزم وارادہ تھا۔ وہ اس عمر مین نہ صرف ایم اے کر چکا تھا بلکہ چند مقبول عام کتابون کا مُصنّف بھی تھا۔ یہی وجہہ تھی کہ ہندوستان کا تعلیمیافتہ طبقہ "حسن" سے اچھی طرح روشناس ہو چکا تھا۔

حسن، خوبصورت تھا، خوش اخلاق تھا، اور اسکے ساتھہ ہی مغربی تہذیب تمدن کا حقیقی پرستار۔ مسئلہ ازدواج کے متعلق اسکی رائے نہایت آزاد تھی۔ خاندان کے اندر شادی کرنیکا رواج جو اسلامی حلقون مین بکثرت رائج ہے اسکو "حسن" ہمیشہ بری نظر سے دیکھتا تھا، اس معاملہ مین اسکا خیال تھا کہ "حیات مشترک" کا فیصلہ کرتے وقت ایک نوجوان کو قطعاً آزاد ہونا چاہئے تاکہ اپنی خواہشات کے عین مطابق وہ اپنی "رفیقۂ حیات" کا انتخاب کرسکے۔

حسن کے والدین نیک نفس تھے اور اسکے تمام علمی مشاغل کو اچھی نظر سے دیکھتے تھے۔ مگر حسن کی آزادی اور مغربی معاشرت سے انکو صد درجہ نفرت تھی۔ یہہ نفرت اُسوقت اور بھی بڑھ گئی جب حسن نے اپنے والد اور والدہ دونون کے خلافِ منشاء خاندان کے باہر ایک سیم صفت لڑکی سے عقد کر لیا۔ اُنکی دلی تمنا تھی اور شاید بہت مناسب کہ اسکی چچازاد بہن "حمیدہ" جو طبعاً نیک اور سلیقہ شعار تھی۔ اسکے علاوہ یتیم و یسیر ہونے کے باعث حسن کے والد "مولوی حسین احمد" کی سرپرستی مین پرورش پارہی تھی وہ اسکے نکاح مین آئے، اور اس طرح ان کے مرحوم بھائی کی آخری وصیت پوری ہو مگر "حسن" کو "حمیدہ" سے باوجود اسکے ذاتی حسن وجمال کے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا۔ اس نے حمیدہ کو کبھی اس نگاہ سے نہین دیکھا کہ وہ اسکی بیوی ہونیکی قابل ہے یا نہین، حسن کو حمیدہ سے جو تھوڑا بہت تعلق تھا وہ محض اسوجہہ سے کہ حمیدہ اسکے مرحوم چچا کی لڑکی تھی اور غالباً اسی بنا پر اسنے کبھی حمیدہ کی دل آزاری گوارا نہین کی۔ یہہ اور بات ہے کہ وہ اسکی خاطر اپنے نظریۂ ازدواج کو تبدیل نہ کر سکا، شاید مغربی تہذیب کا ابر جو اسکے دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا اسکا یہ اقتضا نہ تھا کہ وہ اسکے دل مین اس عظیم الشان ایثار کا خیال پیدا ہونے دیتا۔

حمیدہ، حسن کے ساتھہ اسوقت تک، کہ حسن نے اپنی شادی خود نہ کرلے وہی توقعات وابستہ رکھنا مناسب سمجھتی تھی۔ جو ایک مشرقی مگر سنجیدہ و شریف عورت اپنی آیندہ ہونے والے شوہر سے رکھہ سکتی ہے، حمیدہ حسن سے محبت بھی کرتی تھی۔ مگر اسکی یہ محبت بالکل سادہ اور بے لوث تھی۔ وہ کسی رات کی تاریکی اور تنہائی مین یہہ فیصلہ نہ کرسکی کہ مین حسن کو کیون

خیال کرتی ہون، لیکن حسن، سخت دل حسن کو کبھی یہ محسوس کرنیکا موقعہ نہ ملا کہ حمیدہ کو میری ذات سے کچھ امیدین ہین۔

حسن جب اپنی نو عروس کو شادی کے بعد گھر لایا تو اسکی خدمت مین سب سے زیادہ حصّہ حمیدہ نے لیا اگرچہ اسکی بھاوج ایسی خادمہ چاہتی تہی جو اسکی افتادِ مزاج کے موافق ہو۔ اور بالکل جدید اصولِ کار سے اسکی خدمت کرسکے۔ لیکن اجنبی ہونیکی حیثیت سے اس نے ابھی اس خواہش کو پوشیدہ رکہا۔

حسن کی بیوی نے ایف۔ اے تک انگریزی تعلیم پائی تہی۔ اس لیئے اسکا آزادی کی طرف مائل ہونا ایک قدرتی اور طبعی امر تہا، جو کسی طرح چہپ نہ سکتا تہا۔ چنانچہ شادی کے ایک ہفتہ بعد ہی سے اسنے حسن کی اجازت سے جلسون اور کلب کی ٹی پارٹیون مین آزادانہ حصّہ لینا شروع کردیا۔ اسکا معمول ہوگیا کہ وہ روزانہ ۵ بجے زنانہ کلب پہونچ جاتی۔ اور رات کے آٹھہ نو بجے تک گھر واپس آتی۔ ان گھنٹون کے علاوہ جو اوقات اسکے پاس بچتے وہ یا تو انگریزی ناولون کے پڑہنے مین صرف ہوتے یا ضروری خط و کتابت مین۔ وہ چونکہ زنانہ کلب آمادہ کی "سکریٹری" تہی اسلیئے اسکو ڈاک کا کام بہت کرنا پڑتا تہا۔

حمیدہ کی بھاوج نے اس سے بہی کئی مرتبہ اپنے ساتھہ چل کر نسوانی جلسون اور کلب کے صحت بخش کھیلون مین حصہ لینے کو کہا، لیکن حمیدہ نے ہر مرتبہ اپنے سخت انکار سے بالآخر اسکی زبان بند کردی۔

گھر کے تمام چھوٹے بڑے سوائے ایک حسن کے "محبوبہ" یعنی مسز حسن کی اس انگریزیت سے سخت ملال تہے۔ مگر ابھی اس معاملہ مین انہون نے دخل دینا مناسب نہ سمجہا تہا کیونکہ وہ دیکھتے تہے کہ حسن بیوی کے جذبات محبت سے اس درجہ مغلوب ہے کہ بیوی کی مخالفت مین کوئی لفظ بہی کسی کی زبان سے سننا پسند نہ کرے گا۔ اسلیئے بہتر ہے کہ ان سب باتون کو خود اسی پر چھوڑ دیا جائے۔

(۲)

حسن فکر معاش سے بالکل آزاد تہا۔ اول تو اسکے والد خود ایک متمول زمیندار تہے۔ دوسرے حسن کا ذاتی سرمایہ جو ایک لاکھہ کے قریب تہا، بنک مین جمع تہا اور اسکے نانا نے محض "حسن کی تعلیم و تربیت اور اسکی ضروریاتِ حیات کے لیئے مخصوص کرکے مرنے سے پہلے بنک مین داخل کردیا تہا۔ جسکی ماہانہ آمدنی اسکے مصارف کی اچھی طرح متکفل ہوسکتی تہی۔ اسلیئے حسن کو ملازمت کی کوئی ضرورت نہ تہی۔ وہ صرف اسکا ملازم تہا کہ جب تک گھر پر رہے بیوی کی ناز برداریان کرتا رہے اور جب باہر جائے تو پولو۔ کرکٹ۔ ہاکی وغیرہ مین مشغول ہوجائے۔ یا کوئی مضمون لکھکر انگریزی اخبارات مین بہیجدے یا اپنی لائبریری مین بیٹھکر کسی کتاب کی لئے مواد جمع کرے۔ سنہ ۱۹۱۱ء مین اسکی ایک تصنیف "فلسفۂ موت و حیات" کے نام سے شائع ہوئی جو ہندوستان کے علاوہ لندن و امریکہ مین بہی بیحد مقبول ہوئی اور جسکی اشاعت کے بعد "حسن" "رائل ایشیاٹک سوسائٹی" کے ممبرون مین شامل کرلیا گیا تہا جب اس نے اپنی کتاب کی مقبولیت کا یہ عالم دیکھا تو اسکے دماغ مین امیدون و ولولون کی ایک نئی دنیا آباد ہوگئی، اس نے سمجہ لیا کہ "تصنیف و تالیف" کو چھوڑکر میرے لیئے کوئی میدان اسقدر وسیع نہین کہ میری

حوصلہ افزا ترقیاں اسمین سما سکین اسلئے مجھے دنیا مین صرف ایک لائق اور مشغول مصنف کی حیثیت سے زندہ رہنا چاہئے
اسکے بعد اس نے ایک عظیم الشان تصنیف کی ابتدا کی جو اپنے عنوان اور مضمون کے اعتبار سے بالکل نئی اور نہایت معرکتہ آلارا تھی
مگر مصیبت یہ تھی کہ حسن کے پاس کتابون کا کافی ذخیرہ نہ تھا اور وہ اس مقصد کیلئے مشرقی کتابون کی علاوہ انگریزی اور فرانسیسی
کتب خانون کی سیر بھی کرنا چاہتا تھا - ایک روز وہ اسی فکر مین اپنے کمرہ کے اندر تنہا بیٹھا ہوا تھا - اسکی بیوی کلب سے واپس آئی
تھی حسن کی نگاہین میز پر پھیلے ہوئے کاغذات پر جمی ہوئی تھین اور اسکے تخیلات دماغ کی تمام گہرائیون مین دوڑ رہے تھے کہ "حمیدہ"
نے کمرہ مین داخل ہونیکی اجازت چاہی حسن نے سر اوٹھا کر بہت نرم لہجے مین کہا "آؤ، حمیدہ آؤ" - حمیدہ نہایت ادب سے
سلام کرکے کرسی پر بیٹھ گئی - حسن نے پھر سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر کے لئے "حمیدہ" کو بالکل بھول گیا - آخر حمیدہ نے خود ہی
اسکے استغراق کو ختم کرنیکی نیت سے پوچھا "بھائی جان آج آپ کس فکر مین ہین"

حسن - حمیدہ بہن - مین ایک کتاب لکھ رہا ہون - جسکا نام ہے "فلسفۂ تخلیق عالم" مگر جس پیمانہ پر مین اسکو لکھنا چاہتا ہون
اسکے مناسب حال کتابین مہیا نہین ہین، بس یہی فکر ہے کہ کسی طرح کتابین جمع کرکے جلد از جلد اس کتاب کو مکمل کرلون

حمیدہ - بھائی جان یہ تو کوئی بات نہین - کتابون کی خریداری مین لاکھ دو لاکھ تو صرف ہونے سے رہے دو چار سو مین بہت
سی کتابین خریدی جا سکتی ہین -

حسن - نہین بہن - تمہین معلوم نہین - مجھے جن کتابون کی ضرورت ہے وہ ہندوستان تو کیا یورپ اور امریکہ کے عام کتب خانون
مین بھی دستیاب نہین ہوسکتین -

حمیدہ - تو پھر کہان ملینگی -

حسن - غالبًا لندن کی مشہور عالم لائبریری "برٹش میوزیم" مین -

حمیدہ پھر آپکو کس طرح ملین گی -

حسن - یہی فکر تو ہے - مین چاہتا ہون چھ سات مہینے کے لئے لندن جا کر اس کام کو پورا کرون، بعض احباب بھی جو آجکل
وہان مقیم ہین بہت اصرار کیساتھ بلا رہے ہین - میری بھی عرصہ سے تمنا ہے کہ دنیا کے اس رفیع الشان دار السلطنت
کو دیکھون - جو علمی و عملی ترقیون کا مرکز بنا ہوا ہے اور جس نے فلسفہ و سائنس کی روشنی دنیا مین پھیلا کر تمام علمی سوسائٹیون
کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے -

حمیدہ - (پریشان ہوکر) یہہ کیسے ہوسکتا ہے - ابا جان کیونکر اجازت دینگے - بھائی جان سنا ہے وہان تو فرنگی ہی فرنگی
آباد ہین - آخر آپ کا جی کیسے لگیگا - آپ تو یہین کتابین منگا لیجئے -

حسن - اسمین تو شک نہین کہ وہ انگریزون کی آبادی ہے - اور وہان انگریز بہت ہین لیکن ہندوستانی لوگ بھی بکثرت وہان
جاتے ہین اور برسون قیام کرتے ہین، میرے بھی چند احباب اکسفورڈ مین تعلیم پارہے ہین، تم طبیعت گھبرانیکا خیال کرتی ہو مگر

وہ تو ایسی جگہہ ہے۔ جہان جاکر پریشان بہی دلجمعی کی دولت حاصل کر لیتے ہین، رہا ابا جان کی اجازت کا سوال۔ تو یہ کوئی مشکل کام نہین۔ اور پھر میرے کام ان کی اجازت بغیر رُک بہی تو نہین سکتے۔

حمیدہ۔ جواب مین کچہہ کہنا چاہتی تہی، کہ حسن کی بیوی آگئی، حمیدہ نے حسن سے سلسلۂ گفتگو منقطع کرکے حبیبہ کی طرف توجہ کی۔ اور حسن نے اس سے جو کچہہ کہا تہا۔ اس نے وہ سب "حبیبہ" سے کہدیا۔ اُسے امید تہی کہ اسکی بہاوج اپنی شوہر کے ارادۂ سفر کو معلوم کرکے نسوانی فطرت کے ماتحت متوحش ہو جائے گی مگر یہہ محض اسکا خیال تہا، حبیبہ نے پریشان ہونے کی بجائے بہت بے پروائی سے کہا .. .. پھر اچہا تو ہے تمہین تعجب کیون ہے۔ اور تم ملول کیون ہو۔ حمیدہ۔ صرف اسلئے کہ بہائی جان کی اسقدر طویل غیر حاضری۔ امان۔ اور ابا جان کو کسطرح گوارا ہوگی۔

حبیبہ۔ یہ تو کوئی بات نہین کہ دوسرون کے لئے انسان اپنے ارادون کو ملتوی کردے۔

حمیدہ۔ بھابی جان کیا والدین بہی دوسرون مین شامل ہین۔

حبیبہ۔ تم والدین ہی کو کہتی ہو مین تو اپنے ضمیر اور وجود کے علاوہ سب کو غیر سمجھتی ہون۔ بلکہ سچ پوچھو تو انسان کو کوئی یہہ دعویٰ کرنا بہی مشکل ہے۔ کہ ضمیر اُسکا ہے، بسا اوقات ہمارے اور ضمیر کے مابین بہی جنگ چہڑ جاتی ہے۔ ایسی حالت مین یا تو ہم ضمیر فروش بنجاتے ہین یا اس پر اپنا اقتدار قائم رکہکر دین و دنیا مین سرخروئی حاصل کرتے ہین۔ اب تو شاید تمہاری سمجھہ مین آگیا ہوگا کہ والدین بہی "غیرون" کی فہرست مین لکہے جانے کے قابل ہین۔

حمیدہ۔ بھاوج کی اس دلخراش تقریر کو اپنی فطری تاثرات کی بنا پر زیادہ نہ برداشت کر سکی اور آزردہ ہوکر بھاوج کے پاس سے اٹہہ کہڑی ہوئی۔ حسن جو اب تک خاموشی سے یہہ باتین سن رہا تہا حمیدہ کے دفعتاً اُٹہہ جانے سے دلگیر ہوا اور اس نے حبیبہ سے کہا! "تم نے حمیدہ کو فضول رنجیدہ کیا"۔

حبیبہ۔ اصول کی بات تہی۔ اسمین کوئی ناراض ہو جائے تو وہ جانے مین اسکی ذمہ دار نہین ہون —— حبیبہ یہہ کہکر کپڑے بدلنے چلی گئی۔ اور "حسن" اپنے کام مین مصروف ہوگیا۔

(۳)

موسم سرما کا شباب ہے۔ سردی زورون پر ہے۔ فضائے کائنات کا ہر ذی حیات شدت برودت کا مقابلہ کرتے کرتے پریشان ہوگیا ہے۔ غربا کے لئے تو یہ زمانہ پیام اذیت و کلفت کا حکم رکہتا ہے، مگر اُمراء جو اپنے لذائذ عیش و مسرت کی تکمیل کے لئے منتظر اس موسم کے منتظر رہتے ہین اپنی سامان امارت کی نمائش مین مصروف ہین"

حسن کی والدہ نے تمام گھر کے واسطے سردی کے گرم کپڑے تیار کرا دئے ہین۔ مگر حسن کی بیوی نے سب سے "جدا" اپنی طبیعت کے موافق غیر معمولی رقم صرف کرکے سیاہ رنگ کا ایک خوبصورت جسٹر تیار کرایا ہے جسکو وہ نہایت شوق سے پہنتی ہے مگر گھر کے تمام چھوٹے بڑے جو بالکل اسلامی اور مشرقی زندگی بسر کرنے کے عادی ہین جسوقت یہ جسٹر

حبیبہ کے بدن پر دیکھتے ہیں تو شرم و غیرت سے ان کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔

یہہ دسمبر سنہ ۱۹۱۹ء کی اُن تاریخون کا ذکر ہے جب حسن اپنی بیوی کے مشورے اور تائید سے لندن جانیکا ارادہ کر چکا تھا اور حسن اتفاق سے اسی مہینہ کے ابتدائی ایام میں ایک قریبی عزیز کی شادی کا زور شور سے انتظام ہو رہا تھا اور ۸ دسمبر شادی کے لئے مقرر بھی ہو گئی تھی۔ حسن کے والد تو پہلی ہی تاریخ کو شادی کے انتظامات میں شریک ہونے کی غرض سے آگرے چلے گئے تھے۔ اور حسن کی والدہ سے کہہ گئے تہے کہ میرے تار کا انتظار کرنا جسوقت تار پہونچے فوراً سب کو لیکر آگرے آجانا۔ چنانچہ ۵ دسمبر کو اُنہون نے حسن کے نام اس مضمون کا تار دیا کہ تم فوراً اپنی والدہ بہن بیوی کو لیکر آگرے پہونچو۔

حسن نے تار کھولکر پہلے خود پڑھا۔ پھر اپنی والدہ کو سنایا، اور کہا چلنے کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے "

بیٹا میری کیا رائے ہو سکتی ہے جب تمہارے والد بلاتے ہیں تو ضرور چلنا چاہئے۔ اگرچہ کپڑے پورے طور پر تیار نہین ہوئے۔ مگر اس کا خیال نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ تاریخ قریب آگئی ہے۔

حسن یہ صحیح ہے، لیکن مین اسی مہینہ کی ۲۵ تاریخ کو لندن جانیکا ارادہ کر چکا ہون۔ والد صاحب کو بھی آج تار سے اطلاع دیدونگا، اگر مین آپکے ساتھہ نہ چلون تو کیا کوئی حرج ہے؟

حسن کی والدہ یہہ سنکر حیران ہو گئین۔ انکی آنکھون مین آنسو بھر آئے۔ مگر وہ حسن کی عادت سے واقف تھین۔ اسلئے انہون نے ضروری باتین دریافت کرنے کے بعد صرف اتنا کہا کہ تم ہم سب کو آگرے پہونچا دو۔ کیونکہ ہمارا تنہا یا کسی غیر کے ساتھہ جانا نامناسب ہے وہان اپنے والد سے رائے لیکر جو جی مین آئے وہ کرنا۔ تمہارے خلاف کوئی کیا کہہ سکتا ہے۔

حسن۔ ہان۔ ۱۵ تک اگر مجھے واپس کر دیا جائے تو مین آگرے چل سکتا ہون۔ ابھی اتنا وقت ہے۔ اگر وہان لوگون نے زیادہ قیام کے لئے زور دیا تو مجھے ناگوار ہوگا اور خواہ مخواہ آپس مین بدمزگی ہوگی۔ اسکا خیال آپ ضرور رکھیگا۔

اسکے بعد حسن کی والدہ نے "حبیبہ" سے کہا کہ تم آج شام تک آگرہ چلنے کے لئے تیار ہو جاؤ"، مگر حبیبہ نے اس عذر کے ساتھہ صاف انکار کر دیا کہ "چونکہ میرے کلب کی تیسری سالگرہ انہین تاریخون مین منائی جانے والی ہے اور خود مین نے ہی اسکام کے لئے یہہ تاریخین مقرر کی ہین اسلئے میرا آگرے چلنا ناممکن ہے، آپ تشریف لیجائیے۔ مین تو ویسے ہی اس قسم کی تقریبون مین شریک ہونیکی عادی نہین ہون"۔

حسن کی والدہ کو "حبیبہ" کا یہ انکار بہت ناگوار ہوا لیکن اسموقعہ پر انہون نے کسی سے کچھہ نہ کہا اور خود حمیدہ اور حسن کے ہمراہ شام کی گاڑی سے آگرے روانہ ہو گئین۔

(۴)

شادی سے فارغ ہو کر سب لوگ اٹاوہ واپس آگئے ہین۔ حسین احمد صاحب نے حسن کو لندن جانے کے متعلق کوئی اجازت نہین دی ہے

مگر اِن کے جذبات غضب کافی طور پر بھڑک گئے ہیں۔ اور بیٹے بہو کی مطلق العنانی نے انکو رنج و غضب کی انتہائی منزل پر پہونچا دیا ہے۔

آج حسن کو بُلا کر حسین احمد نے اُس سے نہایت سخت گفتگو کی اور حسن کے سامنے اپنے دل کے تمام وہ زخم کھول کر رکھدئے جو حسن کی بیوی اور خود حسن کی خود سری سے اب تک پہونچ چکے تھے۔ زبان سے جو کچھ کہا جا سکتا تھا انہوں نے اپنی عادت کے خلاف آج کہہ ہی دیا۔ وہ پہلے سمجھ چکے تھے کہ آج اس قصے کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دینگے اور ایسی نافرمان اولاد سے بھی ہاتھ دھو بیٹھینگے۔

حسن نے باپ کی کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ دل کے بخارات دلمین لئے وہ اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر توقف کرنے کے بعد حسین احمد نے حسن کے نام یہ پرچہ لکھکر "حمیدہ" کے ہاتھ اُسے پہونچوا دیا۔

حسن۔ تمکو اور تمہاری بیوی کو اب مین ایک منٹ کے لئے بھی اپنے گھر مین نہیں دیکھنا چاہتا۔ مین اجازت دیتا ہون کہ بنک کی سرمایہ کو تم اپنے قبضہ مین لاکر جہان مزاج چاہے صرف کرو۔ مین کوئی تعرض نکرونگا نہ مجھکو اسکا حق ہے۔ حسین احمد۔

حسن نے خط پڑھا اور تھوڑی دیر غور کر کے بیوی سے کہا ایک گھنٹہ کے اندر اپنا تمام سامان میرے باہر والے مکان مین منتقل کرنے کا انتظام کر لو۔

حبیبہ نے چند ملازمون کے ذریعہ سے سامان بہت جلد باہر والی مکان مین رکھدیا اور حسن کے کہنے پر خود بھی وہان چلی گئی۔

(۵)

حسن۔ حسب قرارداد ۲۵ دسمبر کو لندن روانہ ہو چکا ہے۔ اور کل شام کو اُسکے خیریت سے لندن پہونچ جانے کا تار بھی حبیبہ کو وصول ہو گیا ہے۔

حبیبہ اب خود مختار ہے۔ گھر کی تنہا مالک ہے۔ اسکو نہ خسر کی تیز نگاہون کا خوف ہے نہ ساس کی مشفقانہ تنبیہات کا ڈر۔ تین عورتین اندر کا کام کرنے کے لئے اسکی خدمت مین رہتی ہین اور ایک ملازم باہر کی ضروریات کیواسطے۔

آج حبیبہ کو اسکی محبوب اور عرصہ کی چھوٹی ہوئی سہیلی "کنیزہ" کا تار کلکتہ سے آیا ہوا ملا ہے اُسنے حبیبہ کو اپنے اکلوتے بچے "سعید" کی ایک تقریب مین شریک ہونیکی دعوت دی ہے اور آخر جنوری تک اسکو طلب کیا ہے۔

اوّل تو کنیزہ کا تار پھر وہ بھی "سعید" کی خوشی کی اطلاع مین "حبیبہ" کے لئے معمولی بات نہ تھی، وہ سراپا شوق بنگئی اشتیاق بیحد کا اقتضا تو یہ تھا کہ حبیبہ کسی طرح پر لگا کر اُڑ جائے لیکن چونکہ کلکتہ جانے کے لئے کچھ تیاری کی بھی ضرورت تھی اسلئے اُسنے سرگرمی سے سفر کی تیاریان شروع کر دین، اُس نے کلب مین شریک ہونیوالی واقفکار لڑکیون سے کلکتہ کی موسمی اور ضروری حالات معلوم کر کے بہت جلد اپنا سامان سفر درست کر لیا۔

آخر وہ دن بھی آگیا جسکو حبیبہ نے اپنی روانگی کے لئے مقرر کیا تھا۔ اور وہ اپنی ماماؤن۔ ملازم کو مکان کی حفاظت و

نگہبانی کی ہدایت کر کے اسٹیشن پہونچ گئی۔ اسٹیشن سے اسنے حسن کو تار دیا کہ مین ایک ضرورت سے کلکتہ جارہی ہون، وہان سے مفصل خط لکھون گی۔ ــــ اور کلکتہ جانیوالی میل مین بیٹھکر مع اپنی ایک ملازمہ کے روانہ ہو گئی۔

"حبیبہ" کو اثنائے سفر مین تکلیف تو ضرور ہوئی لیکن کنیزہ سے ملنے کی خوشی مین وہ اس تکلیف کو فراخ حوصلگی سے برداشت کرتی ہوئی دوسرے روز کلکتہ اسٹیشن پر جا اتری ـــ وہ حیران ہو کر پلیٹ فارم کے سب حصون کو غور سے دیکھنے لگی۔ مگر دیر تک اسکو کوئی ایسی ہستی نظر نہ آئی جسے وہ اپنی خاموش اور مشتاق نگاہون سے تلاش کر رہی تھی۔ حبیبہ۔ اسی حالت مین ایک جگہہ بت بنی کھڑی تھی کہ اسکو پیچھے سے آکر کسی نے ہلایا اور وہ "پیاری کنیزہ" کہکر اس سے لپٹ گئی۔ کنیزہ نے جلدی مین خاص خاص باتین دریافت کین اور آدمیون سے سامان اٹھوا کر "حبیبہ" کو اپنی ساتھہ لیچلی۔ پلیٹ فارم کی باہر "کنیزہ" کے بھائی "رفیق" نے ایک عمدہ فٹن تیار کر رکھی تھی۔ کنیزہ نے پہلے اپنی بھائی کا حبیبہ سے تعارف کرایا پھر سب بیٹھکر گھر کی طرف چلدیے۔

(۶)

حسن کو لندن آئے ڈیرھ مہینہ گذر چکا ہے اور وہ "آکسفورڈ" مین اپنے ایک متعلم دوست کے پاس قیام پذیر ہے روزانہ صبح ۶ بجے ۶۹ میل کی مسافت طے کر کے "برٹش میوزیم" مین پہونچکر اپنی کتاب کی متعلق ضروری معلومات حاصل کرتا ہے۔ اور شام کو پھر "آکسفورڈ" واپس آجاتا ہے۔ آج اسکے سر مین درد تھا۔ اسلئے اسنے "میوزیم" جانا ملتوی کر دیا وہ آنکھین بند کئے پلنگ پر لیٹا رہا، ملازم نے آکر ایک تار اسکے ہاتھہ مین دیا۔ یہ تار حبیبہ کا تھا جو اسنے اسٹیشن اٹاوہ سے حسن کے نام دیا تھا۔ حسن نے تار پڑھا اور حبیبہ کے اسطرح کلکتہ جانے پر اسکو حیرانی سی ہو گئی۔ لیکن پھر اس نے خیال کیا کہ ابھی اس باب مین کوئی رائے قائم کرنا قبل از وقت ہے۔ کچھہ دنون مین خود حبیبہ ہی اپنے خط سے معاملہ صاف کر دیگی۔ اس خیال سے اُسے قدرے تسکین ہوئی۔ لیکن دل مین الجھن ضرور پیدا ہو گئی جو کسی صورت سے رفع ہونے ہی مین نہ آتی تھی۔ یہ دن گذار کر وہ پھر اپنے کام مین مشغول ہو گیا۔ اب اسکی کتاب بہت تھوڑی سی باقی رہ گئی تھی اور اسکا ارادہ تھا کہ اپریل تک ہندوستان واپس ہو جائے۔

حبیبہ کا تار آئے ہوئے کئی ہفتے گذر چکے ہین مگر خط جسکا اسنے وعدہ کیا تھا ابھی تک حسن کو نہیں ملا۔ حسن اس سے زیادہ پریشان ہو گیا۔ اس نے اسی پریشانی مین ہمت کر کے اپنی والد سے بذریعہ تار دریافت کیا کہ حبیبہ کلکتہ سے واپس آئی یا نہین۔ حسن کے والد نے تار کا جواب دیا کہ "حبیبہ" کے متعلق مین کچھہ بھی معلوم نہیں البتہ اتنا ضرور ہے کہ وہ اپنے گھر نہین۔ یہہ جواب پاکر حسن کی عجیب حالت ہو گئی۔ کتاب کا مکمل کرنا اسکے لئے دشوار ہو گیا اور وہ اسکو درمیان ہی مین چھوڑ کر ہندوستان آنے پر آمادہ ہو گیا، ہر چند اسکے احباب نے اس سے کہا کہ ابھی تھوڑا توقف کرو ہم سب ساتھہ ہی چلیں گے

مگر اس نے ایک نہ مانی اور فروری کے آخری دنوں میں لندن سے وطن کی جانب روانہ ہو گیا۔

(۷)

حبیبہ کو کلکتہ آئے قریب قریب ایک مہینہ ہو گیا۔ مگر اسکو یہاں کی پر لطف صحبتیں کچھ ایسی پسند آئی ہیں کہ وہ سب کچھ اپنے دل ودماغ سے محو کر چکی۔ نہ تو اسنے "حسن" کو اس طویل عرصہ میں کوئی خط لکھا نہ ایک سنٹ کیلئے "حسن" کی یاد نے اسکے ذہن میں گنجایش حاصل کی۔ اسکو یہاں سب سے زیادہ جو چیز پسند آئی ہے وہ کنیز کے بھائی "رفیق" کی دلکش صورت اور اسکی ساحرانہ تقریر اور معجز نما انداز تکلم ہے، وہ اپنا سارا دن اسی "صحیفہ حسن" کے مطالعہ میں صرف کر دیتی ہے مگر اسکی نگاہیں ہنوز تشنۂ دیدار ہی رہتی ہیں۔ رفیق بھی "حبیبہ" کی طرف معمول سے زیادہ متوجہ ہے اور دونوں میں بے تکلفی بھی اچھی طرح ہو گئی ہے۔

رفیق ایک یخبری خیال کا آدمی ہے، وہ جسقدر خوبصورت ہے اس سے زیادہ ذوق معصیت وجذبات بہیمیت کا پرستار۔ وہ ہمیشہ سے ایسی مجالس میں بیٹھنے کا عادی ہے جہاں تہذیب ومتانت کے مقابلہ میں بد تہذیبی و بے حیائی کا عنصر غالب ہو۔ اس نے کئی مرتبہ "حبیبہ" کو بھی اس قسم کی محفلوں میں شریک کیا۔ اول اول تو حبیبہ کو برا معلوم ہوا اور اس نے بارہا فیصلہ کیا کہ اب رفیق کے ہمراہ کسی جلسہ میں نہ جائیگی اور اگر وہ استدعا کرے گا تو سختی سے جواب دیگی۔ لیکن جب "رفیق" اپنے مخصوص اور سامعہ نواز لہجہ میں اس سے التجا کرتا۔ ایسی التجا جو "حبیبہ" کی نظر میں تمام کمالات موسیقی سے معمور ہوتی تو حبیبہ جلد ہی اپنا فیصلہ مسترد کر دیتی، اور "رفیق" کی ہلاکت آمیز التجا پر توجہ کرنا اسکے لئے ناگزیر ہو جاتا۔

"رفیق" چونکہ موسیقی میں قابل رشک مہارت رکھتا تھا اور اسنے رفتہ رفتہ حبیبہ کو بھی اپنی موسیقی پر مائل کر لیا تھا اس نے ایک بار نہیں بلکہ متعدد بار "حبیبہ" کو "رفیق" کے نغمہ دلنواز کو سننے کے شوق میں ایسی حیا سوز پارٹیوں میں شرکت کی کہ اگر غلبۂ محبت نے اسکے دل میں کچھ بھی احساس غیرت وحمیت باقی رکھا ہوتا تو وہ کبھی رفیق سے بات کرنا بھی گوارا نہ کرتی، لیکن عشق والفت کے بھڑکتے ہوئے شعلوں نے اس نوع کی تمام حسیات کو تودۂ خاکستر بنا دیا تھا اس لئے اب حبیبہ کو ان باتوں کا خیال بھی نہ ہوتا تھا۔

"حبیبہ" کی حیات معاشقہ کا یہ غیر متصل دور برابر بڑھتا جا رہا تھا۔ اسے "رفیق" کے ساتھ تنہائی میں فلسفہ "عشق وحسن" پر گفتگو کرنے کے متعدد موقعے حاصل ہو چکے تھے۔ یہاں تک کہ "کنیزہ" بھی اسکی اس حرکت پر نفرت وآزردگی کا اظہار کر چکی تھی، لیکن حبیبہ تو اب وہ حبیبہ ہی نہیں تھی جو ان باتوں سے کچھ متاثر ہو سکتی۔

جب "حبیبہ" کے نسوانی جذبات نے ردائے عصمت وعفت کو پارہ پارہ کر کے عریانی کی طرف بڑھنے کا اقدام کرنا چاہا تو "کنیزہ" نے وقت سے پہلے یا کم از کم وقت پر اسے محسوس کر لیا اور اسنے "حبیبہ" کو سمجھا کر آمادہ واپسی ہونے پر مجبور کر دیا۔

"حبیبہ" بھی میزبان کی اس ظاہری بد اخلاقی سے اثر پذیر ہوئی اور اسی روز رات کی گاڑی سے واپسی کا ارادہ کر لیا۔ "کنیزہ" نے موقعہ کو غنیمت سمجھکر نہایت خوشی سے اسکے جانیکا انتظام کر دیا۔ چنانچہ رات کے آٹھ بجے کی گاڑی سے وہ آمادہ کی

طرف روانہ ہوگئی۔

کنیزہ "حبیبہ کو رخصت کرکے جب گھر آئی اور اسنے رفیق کو وہاں نہ پایا تو بہت مضطرب ہوئی۔ اور جب واقعات نے اسکے اس گمان کو کہ "رفیق حبیبہ کے ہمراہ چلا گیا" یقین میں بدلدیا تو اسکے حیرت و ملال کی کوئی انتہا نہ رہی۔

(۸)

حسن پندرہ روز سے اٹاوہ میں مقیم ہے، حبیبہ کے نام کلکتہ کئی تار دئے جا چکے ہیں، خطوط تو تقریباً روزانہ ہی لکھے جاتے ہیں مگر ابتک کسی تار یا خط کا جواب موصول نہیں ہوا۔ دن پر دن اور ہفتوں پر ہفتے گذرتے جا رہے ہیں لیکن "حبیبہ" کے متعلق کوئی خبر معلوم نہیں ہوئی۔ بالآخر مجبور ہوکر ایک وفادار خادم کو کلکتہ بھیجا گیا۔ مگر پتہ صحیح معلوم نہ ہونے کی وجہ سے وہ بھی ناکام واپس آیا۔ اخبارات میں اشتہار دئے گئے مگر اس پر بھی کچھ پتہ نہ چلا۔

ایک مہینہ بعد انگریزی کے ایک اخبار میں "محسن" نے اس خبر کو انتہائی رنج و الم کیساتھ پڑھا کہ

"امرتسر کی ریلوے پولیس نے ایک نوجوان خوبصورت مرد اور ایک عورت کو گرفتار کیا ہے جو شراب کے نشہ میں بدمست تھے اور بعض خلاف قانون حرکات کے مرتکب۔ مرد کا نام رفیق، عورت کا حبیبہ ہے۔ مرد کلکتہ کا اور عورت اٹاوہ کی رہنے والی ہے۔ ان سب باتوں کا صحیح حال ان کے بکسوں اور خطوں کی تحریروں سے معلوم ہوا ہے۔ یہ دونوں تعلیم یافتہ ہیں اور شریف خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ بعد کی خبر ہے کہ ان کا مقدمہ مجسٹریٹ کے سامنے پیش ہوا اور عورت کو دو ماہ اور مرد کو چھ ماہ کی سزائے قید کا حکم سنایا گیا۔"

اس خبر کے پڑھتے ہی "حسن" پر ایک سکتہ طاری ہو گیا۔ اس کے دماغ میں تعطل و پراگندگی کے آثار نمایاں ہو گئے۔ اسکی رگوں میں شرافت و نجابت کا خون کھولنے لگا اور اس پر ایک مجنونانہ کیفیت مسلط ہوگئی۔ اس نے طپنچہ اٹھا کر اپنے آپ کو ہلاک کرنا چاہا مگر خیریت ہوئی کہ کمرہ بھرا ہوا تھا کارتوس نہ ملا۔ حسن کے والد کو اس کی اطلاع ہوئی تو ان کے تمام عہد و پیمان شراب الفت کے سخت تھپیڑوں سے لرزکر رہ گئے اور وہ فوراً حسن کے پاس پہونچکر اُسے سمجھانے لگے۔ حسن بے اختیار ہوکر باپ کے قدموں پر گر پڑا اور چیخ چیخ کر رونے لگا۔ بار بار اسکی زبان سے نکلتا تھا کہ یہ سب کچھ آپکی نافرمانی اور میری آزادی کا نتیجہ ہے۔

(۹)

اس واقعہ کو ڈیڑھ سال گذر گیا ہے۔ حسن "حبیبہ" کو طلاق دیکر اسکا مہر ادا کر چکا ہے۔ اور اب وہ "حمیدہ" ایسی غمخوار و مونس رفیقہ حیات کے ساتھ عیش و آرام سے زندگی بسر کر رہا ہے، حمیدہ غیر متوقع طور پر اپنی آرزو پوری ہونے کے باعث بے انتہا مسرور ہے اور اسکی عمر کا ہر لمحہ "حسن" کی خدمت و رضاجوئی کے اسباب کی تلاش میں گذرتا ہے، حسن کے والدین بھی خوش ہیں۔ حسن اپنی سابقہ حرکات پر بیحد شرمندہ ہے اور جب وہ اپنی گذشتہ زندگی کا تصور کرکے موجودہ دور حیات پر نظر کرتا ہے تو اسکا نفس اس پر بے انتہا ملامت کرتا ہے۔ جن لوگوں کے ذہن میں حسن کا اب سے تین سال پہلے کا مجسمہ ایک آزاد

تنوعاتِ بہار

(ڈاکٹر۔ محمود اعظم فہمی ترمذی)

ہنگامہ طلب جو تھین فضائین　　طوفان بہ کنار تھین ہوائین
اک بار گھٹا ہوئی نمایان　　پہلو مین لئے ہوئے گلستان
ہر قطرۂ آب گل بدامن　　ہر بوند کی کف مین روحِ گلشن
ہر موجِ ہوا بہار در بر　　اک عالمِ سبزہ زار در بر
سرچشمۂ جوئبار بردوش　　سرمایۂ آبشار بردوش
میخانۂ رنگ و بو بغل مین　　ہنگامۂ آرزو بغل مین
شورش سے فضا ہوئی ہم آغوش　　قلزم سے خلا ہوئی ہم آغوش

پھر جھوم کے وہ سحاب برسا　　اترا کے چمن شباب برسا
یون رحمت کردگار برسی　　پانی کے عوض بہار برسی
خود روحِ حیات آب بنکر　　ہستئ گل شراب بنکر
یا بھاپ کی شکل بنکے نکہت　　روئیدگئ چمن کی فطرت
بادل سے مگر برس رہی تھی　　مانند اثر برس رہی تھی
عالم مین ہوئی نمو کی بارش　　گلزار پہ آبرو کی بارش
عشرت برسی بجائے پانی　　گلشن پہ برس پڑی جوانی

مادۂ متحرک

اس دنیائے آب و گل مین بسنے والی تمام ذی عقل مخلوق جانتی ہے کہ اس فانی دنیا کے اندر، باہر اور اسکے چارون جانب مادہ ہی مادہ کی حکومت ہے مادہ کا وجود تین شکلون مین پایا جاتا ہے۔ یعنی ایک وہ جو ٹھوس ہو۔ دوسرا سیّال اور تیسرا بشکل گیس۔ مادہ کی بنیاد حقیقتاً ذرون پر ہے۔ اور ٹھوس اجسام مین ان ذرون کا قیام ایک عجیب قوت کی بناپر ہوتا ہے جسے قوت اتصال کے نام سے موسوم کرتے ہین اگر اس عجیب و غریب قوت کا وجود نہ ہو تو دنیا کی کوئی شے حتیٰ کہ دنیا کی متحرک مخلوق کا جسم بھی اپنی اصلی حالت پر قایم نہ رہے اور وہ ریزہ ریزہ ہوکر خاک مین ملجائے۔ سیال اشیاء مین بہ نسبت ٹھوس اشیاء کے قوتِ اتصال کم ہوتی ہے اسی وجہہ سے سیال اشیاء زیادہ متحرک ہوتی ہیں اور ان مین بہنے کی قابلیت پائی جاتی ہے۔ گیس کے ذرات مین بھی اس قوت کا وجود نہین ہوتا اور اسی لئے وہ ایک دوسرے کو خارج کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہین۔ مادہ کی مختلف اقسام کا علم ہمین اپنی حسیات کی پانچ شاخون کی بدولت حاصل ہوتا ہے چنانچہ بعض مادون کو ہم قوت باصرہ سے محسوس کرتے ہین۔ بعض کو لامسہ سے بعض کو ذائقہ سے بعض کو شامہ سے اور بعض کو سامعہ سے۔ مشاہدات کے انہین پانچ ذرائع کی بدولت ہم تمام مادونکا خواہ وہ ٹھوس ہون، سیال ہون یا گیس کی شکل مین علم حاصل کرتے ہین۔ ہر مادہ کے لئے ضروری ہے کہ اسکے وجود کیلئے گنجایش ہو یا اس مین وزن ہو یا مقابلہ کرنے کی قوت رکھتا ہو یا دوسرے مادہ کو حرکت مین لاسکتا ہو۔

ذرا فٹ بال کی فیلڈ پر نظر ڈالو۔ کھیل شروع ہونے سے پہلے گیند فیلڈ کے بیچ مین بے حس و حرکت پڑی ہوتی ہے۔ اگر اس سے کچھہ سروکار نہ رکھا جائے تو وہ مثل ایک جسم مردہ کے یون ہی پڑی رہیگی۔ کیونکہ اسمین حرکت کی اہلیت ہی نہین۔ بہر حال وہ اس وقت تک حرکت نہین کرتی جب تک کوئی بیرونی قوت اسپر اپنا عمل نہ کرے۔ یہ بیرونی قوت صرف ٹھوکر ہے جو اسے گول کی جانب متحرک کردیتی ہے اور بیرونی قوت کی دوسری ٹھوکر اسکی سمت کو دوسری جانب منتقل کردیتی ہے۔ غرض کھیلنے والے کے پاؤن مین ہی وہ مادہ ہے جو اس بیکس و بے چارہ گیند مین حرکت پیدا کردیتا ہے۔

لیکن گیند لڑھکتے لڑھکتے از خود رک کیون جاتی ہے؟ یہ رکاوٹ بھی ایک دوسری بیرونی قوت کی بناپر ہے جو مادہ کی ایک نئی شکل مین نمودار ہوتی ہے۔ متحرک گیند پر اسکا عمل اسکو روکنے اور ایک ہی جگہہ پر اسے قایم کردینے کی صورت مین ظاہر ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ مین یون کہہ سکتے ہو کہ گیند زمین کی ناہمواری کی باعث رک جاتی ہے۔ یہی گیند اگر برف کی سطح اور چکنی چادر پر لڑھکائی جاتی تو زیادہ فاصلہ تک لڑھک سکیگی۔ لیکن ایک خفیف سی ناہمواری بھی اسکے روکنے کے لئے کافی و وافی ہے مختصراً وہ خاص قوت جو فٹ بال مین حرکت پیدا کرتی ہے وہ درحقیقت کھیلنے والے کی قوت ہے۔ ازمنہ اولی کے وحشی قبائل کو بجز اپنی جسمانی قوت کے اور کسی قوت کا علم نہ تھا۔ ان کو اپنی قوت سے دیگر حیوانات کی قوت کو مغلوب کرنے مین خوب ملکہ حاصل تھا۔

لیکن اس دور ترقی و تہذیب میں اور بہت سی قوتوں کے وجود کا علم ہوا جن سے ہم طرح طرح کے کام لیتے ہیں
جسطرح ٹھوکر کی قوت گیند کو متحرک بناتی ہے یا اسکو حرکت سے روک دیتی ہے بعینہ دوسری قوتیں جملہ اجسام یا مادوں پر اپنی اثرات
ڈالتی ہیں لہذا ہم ان فطری قوتوں کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اب دوسری مثال لو۔ اگر گیند کو ہم ہاتھ میں لیکر چھوڑ دیں تو وہ نیچے
گر پڑیگی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آخر وہ زمین کی جانب کیوں گرتی ہے؟ اسلئے کہ خود زمین میں ایک قوت موجود ہے جسے کشش کے
نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ہر مادی شے اگر اسے بیرونی امداد نہ ملے تو لامحالہ زمین کیجانب گرتی ہے۔ کیونکہ زمین کی قوت کشش
اسے اپنی جانب کھینچتی ہے۔ اب تمہیں معلوم ہوا کہ کشش اور اتصال دونوں میں کھینچنے کی قوت موجود ہے لیکن کشش ایک
شے کو متحرک بناتی ہے اور اتصال اسکو حرکت کرنے سے باز رکھتا ہے۔

اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے ایک مثال اور سنو۔ بجائے گیند کے ایک کافی وزنی چیز تم ہاتھ میں لو گیند تم عرصہ تک ہاتھ میں
تھامے رہ سکتے ہو لیکن اس وزنی جسم کو تھوڑی ہی دیر ہاتھ میں رکھنے سے تمہیں اسکا بار محسوس ہوگا۔ واقعہ یہ ہے کہ زمین کی
کشش اسے اپنی جانب کھینچتی ہے اور تمہاری جسمانی قوت اس کشش کا مقابلہ کرتی ہے اگر وہ شے زیادہ وزنی ہے۔
تو زمین کی قوت کشش تمہاری جسمانی قوت پر جلد غالب آجائیگی۔ آخر یہ مقابلہ ختم ہو جائے گا وہ شے نیچے گر جائے گی
اسسے ظاہر ہوا کہ قوت کشش اپنا عمل تمام اجسام پر یکساں نہیں کرتی۔ زمین ہمہ اوقات اس قوت پر کم و بیش عامل رہتی ہے خواہ وہ
شے میز پر ہو یا رسی میں بندھی ہوئی۔ یا ہاتھوں میں ہو۔ پہلی صورت میں صرف میز ہی وہ چیز ہے جو زمین کی قوت کشش پر غالب آکر
اس شے کو گرنے سے محفوظ رکھتی ہے۔ دوسری صورت میں رسی۔ تیسری میں جسمانی قوت۔

اس تمام داستان سرائی سے یہ آٹھ نتائج مترتب ہوتے ہیں:۔

(۱) مادہ ہر اس مادی شے کا نام ہے جسکا وجود پایا جائے۔

(۲) تمام مادے ہم اپنی حسیات کی بنا پر معلوم کرسکتے ہیں۔

(۳) مادہ کے لئے گنجائش اور وزن کا ہونا لازمی ہے۔ اسمیں مقابلہ کی قوت ہوتی ہے اور وہ دوسرے مادہ کو حرکت میں بھی لاتا ہے۔

(۴) قوت اوس اثر کا نام ہے جو کسی جسم کو حرکت میں لاسکے اسکی سمت کو تبدیل کرسکے اور اسکو چلتے چلتے روک سکے۔

(۵) انسان اور دیگر حیوانات کی قوت کو قوت جسمانی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

(۶) اتصال اور کشش دونوں قوتیں ہیں۔ لیکن اتصال کا کام متحرک شے کو روکنا اور کشش کا کسی شے کو متحرک کرنا ہے۔

(۷) قوت کشش اشیاء کو بزور اپنی جانب کھینچتی ہے۔

(۸) وہ قوت جس سے قوت کشش کسی شے کو کھینچتی ہے وہی اسکا وزن ہے۔

شبیر مارہروی

(از سید عابد علی عابد بی اے ایل ایل بی مدیر ہزار داستان)

عشرت بہار کے دورِ زرنگار میں — بجلیاں تڑپ اٹھیں خاکِ رہگذار میں
پھول غرق ہو گئے نکہتِ تتار میں — موتیا مہک اُٹھا صحنِ لالہ زار میں
صحن لالہ زار میں موتیا مہک اُٹھا

(۲)

نزہت بہار کے کیف بے پناہ سے — دل کو اُنس ہو گیا عشرت سیاہ سے
مے برس برس پڑی مستیٔ نگاہ سے — نور سا جھلک اُٹھا ظلمتِ گناہ سے
ظلمتِ گناہ سے نور سا جھلک اُٹھا

(۳)

قافلہ عیاں ہوا کہکشاں کا دور سے — میں اسے مثال دوں کاروانِ حور سے
بارشِ ضیا ہوئی آبشارِ نور سے — آسمان چمک اٹھا حسن کے وفور سے
حسن کے وفور سے آسمان چمک اُٹھا

(۴)

دل سے محو ہو چکا غم خمار دوش کا — زمزمہ بلند ہے کیفِ ناؤ نوش کا
رنگ دیکھ دیکھ کر حسنِ گل فروش کا — آبلہ ٹپک اٹھا عشقِ گرم جوش کا
عشقِ گرم جوش کا آبلہ ٹپک اُٹھا
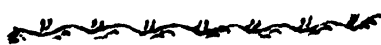
بیلا پھولے آدھی رات

(۱)

ایک لطف اندوز شام کو سرسوتی ایک شاندار خواب کی مانند محو نظارہ تھی۔ وہ ایک عظیم الشان دریا کی روانی کے مناظر سے مسرت اندوز ہو رہی تھی اس نے دیکھا کہ سارس کا ایک جوڑا اپنے پروں کو خمیدہ کئے ہوئے اور ملائے ہوئے بسیرے کے لئے نہائت تیزی سے اس تموج خیز و تلاطم پذیر دریا کی طرف اڑا چلا آرہا ہے اس نے ایک کشتی کو دیکھا جس پر تازہ رنگ و روغن ہوا تھا وہ دریا میں بہتی چلی جا رہی تھی۔ ایک طویل القامت۔ خوبصورت اور تنومند نوجوان جس کے جسم پر ایک شاندار لباس تھا اور اس لباس کے اوپر وہ ایک ہنہری سرخ رنگ کی عبا پہنے ہوئے تھا جو اس کے بدن پر بالکل چست تھی۔ کشتی میں بیٹھا ہوا یاسمن کے پھولوں کا ہار اس نوجوان لڑکی کے لئے بنا رہا تھا۔ جو اس کے کان میں ابھی ابھی کچھ سرگوشیاں کر رہی تھی۔ اس لڑکی کے سیاہ مشکین و معنبر دراز گیسو احتیاط سے معطر پھولوں سے ہلالی شکل میں گندھے ہوئے تھے۔ جن سے ایسے عطر کی لپٹیں آ رہی تھیں جیسے سبز دریائی کیتکی کے چمکدار پھول کی مہک ہوتی ہے اس کی آنکھوں میں محبت، زندگی اور مسرت جلوہ گر تھی وہ اپنی نرم۔ نازک اور منور انگلیوں سے ستار بجا رہی تھی۔ جس کے ہر سُر سے ایک راگ پیدا ہو رہا تھا جس کے مدوجزر سے سمندر مسحور ہوا جاتا تھا۔ اس راگ کی متموج کیفیت دریائی امواج کے ساتھ مل کر اس پرسکوت منظر کو جو شام نے پیدا کر دیا تھا۔ اسے پھر یاد آ گیا ایک مطمئن فردوسی انتشار کا پیام دے رہی تھی *

نوجوان نے اس کی مست کنان آنکھوں کی جانب دیکھا جس وقت کہ شفق نے ایک دلربا منظر پیدا کر رکھا تھا اس نے اپنی محبوبہ طناز کے عنبرین لب لعلین کو چوما۔ جیسے ایک مچھلی کودتے پھدکتے ہوئے پانی سے باہر نکل کر اپنے پیچھے ایک آتشین چمک و دمک پیدا کر جاتی ہے۔ کشتی جس کو جمیل سرسوتی بڑے شوق و شفقت سے بالا خانہ پر کھڑی دیکھ رہی تھی آہستہ آہستہ اس کی نگاہوں سے غائب ہوتی گئی لیکن وہ ابھی تک دریا کی رقص کنان امواج کے تماشے میں محو تھی۔ حتےٰ کہ وہ اپنے آخری خیال تک وہاں کھڑی رہی اس کے بچپن کا وہ خواب جس کی تعبیر کبھی پوری نہیں ہوئی تھی۔ منور ستاروں کی نورانیت نے پھر اس کے جذبات اور امنگوں میں زندگی پیدا کر دی۔ اس کے حسیات خفتہ میں ارتعاش پیدا ہوا۔ موت کے بے رحم ہاتھ نے اس کے اس زرین خواب کو پاش۔ پاش کر دیا۔ محبت کی کلی اس کے دل میں ابھی کھلنے بھی نہ پائی تھی کہ توڑ لی گئی *

(۲)

ایک ہندو بیوہ عورت کی زندگی ایک سخت مجاہدہ کی زندگی ہوتی ہے یہ ایک سنگدلانہ نفس کشی۔ تکلیف آزما صبر اور سخت رنج دہ زندگی ہوتی ہے زندگی کی مسرتیں بہت کم ۳۹ ان بیواؤں کے حصے میں آتی ہیں تمام مصائب اور کلفتیں

ان کا محاصرہ کئے ہوتی ہیں کسی منور شعاع کی ضیاپاشی کی اُن تک رسائی نہیں ہوتی۔ لیکن باوجود بیوگی کے ان تمام شدید حقائق نے سرسوتی کی رعنائیوں میں کسی قسم کے عیوب پیدا نہیں ہوئے تھے وہ باوجود خاندانی تشدد وظلم کے گنگا کا اشنان ناغہ نہیں کرتی تھی۔ اور روزمرہ مقدس شیوا دیوتا کے مندر میں پھول چڑھانے جاتی تھی نیز ہر صبح وہ وشیوایشور کے طلائی مندر میں جاتی تھی اس کے ایک ہاتھ میں ـــ سفید چمکدار تھال ہوتا تھا جس میں معطر صندل یاسمین پھول پھل۔ میوہ جات خوشبودار مصالحہ لوبان۔ عود۔ ذرا سا شہد۔ دودھ۔ دہی اور مکھن ایک چھوٹی سی طلائی ہنڈیا میں رکھا ہوا ایک مٹھی بھر چاول یہ سب چیزیں قرینے سے سجاتی۔ ایک مٹی کا دیا جو گھی سے بھرا ہوا ہوتا تھا۔ اس میں روئی کی بتی ڈالکر اس کو جلا کر ان اشیا کے بیچ میں رکھ کر لے جایا کرتی تھی۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں ایک گلاس جو گنگا کے مقدس پانی سے لبریز ہوتا تھا وہ مندر کے زینے کو بلا تکلف اپنی ان خوشنما کاکلوں سے صاف کرتی تھی جو زلفیں کسی وقت معنبر و معطر رہتی تھیں۔ لیکن اب وہ پراگندہ اور منتشر حالت میں تھیں اور کنگھی چوٹی سے ناآشنا ـــ وہ روزانہ تین آنکھوں والے دیوتا کے سامنے جاکر اپنے اشکہائے غم بہایا کرتی وہ شیوجی کے سامنے اپنے سریلے سروں سے نغمہ ریزی کرتی تھی ایک ایسی شیریں اور لطیف آواز کے سرور افزا نغمے جب ہوا میں بلند ہوتے تو مندر کی چار دیواری کے تمام پجاری مسحور ہو جاتے سب اس مغموم و مظلوم پجارن کی جانب محوِ حیرت ہو کر تعجب آمیز نگاہوں سے دیکھتے جس نے لوگوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرا لی تھی۔ ایسی پری جمال نازنین گھونگھٹ نکالے ہوئے جس پر خواب کی سی کیفیت طاری سی تھی۔ لیکن اکثر پجاری ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرنے لگتے کہ اس خاتون سے گذشتہ جنم میں کوئی ایسا گناہ سرزد ہوا ہے جس کی وجہ سے یہ ان مصائب و تکالیف۔ رنج و محن میں مبتلا ہوئی وہ اپنے فانی لاغرض وجود و ہستی سے بیزار اور موت کی طلبگار رہتی ✣

وہ دن کا بقیہ حصہ راماین پڑھنے میں صرف کرتی اور بڑی رات گئے تک پڑھتی رہتی جبکہ اس کی ہم سن لڑکیاں تبسم ریز خوشبودار پھولوں کے ہار اور گجرے بنا کر اپنے شوہروں۔ دلدادوں . . . . . کو پہناتیں اس کی رات گریۂ وزاری۔ آہ و فغاں۔ غیر مطمئن بے آرامی اپنے بستر پر ادھر اُدھر کروٹیں بدلتے ہوئے اس کے لئے سوہان روح بن جاتی اور اس کے لئے قیامت کا سامنا پیش کرتی اور وہ اکثر ان خاموش لرزاں ستاروں کی گنتی میں مصروف رہتی ۔

(۳)

شام کی پوجا کے بعد سرسوتی اپنے مکان کی چھت پر کٹہرے میں ایک دن کھڑی محو نظارہ تھی اور دریا ایک جذبات انگیز منظر پیش کر رہا تھا۔ مشہور مانک آرنیکا گھاٹ پر ایک مردہ جل رہا تھا آگ کے لرزش کناں شعلوں کا عکس دریا کی خاموش امواج پر پڑ رہا تھا۔ اس نے اس قدیم شہر کے مشہور مقامات۔ خانقاہوں۔ شوالوں اور مندروں کی جانب دیکھا۔ وشیوایشور کے مندر کا مقدس کلس دور سے نہایت درخشاں معلوم ہوتا تھا اس نے مندر کے بڑے ناقوس کی دل ہلا دینے والی صدا اپنے مکان کے احاطہ میں سنی اس نے دیکھا کہ ایک غریب اجنبی اپنا شام کا کھانا پکا رہا ہے لیکن جو کھانا پکانے کے ابتدائی

قواعد سے بھی بے خبر ہے اس نے اپنی اس لاعلمی کے باعث اپنی انگلیوں کے پورے تک جلالئے ہیں اور اس کے دال پکانیکا برتن چولھے پر سے اوندھا زمین پر گر پڑا اور آگ بھی بجھ گئی سیاربار آگ سلگانے کی کوشش میں پھونکوں کی وجہ سے اس کی آنکھیں دھوئیں سے سرخ ہوگئی تھیں اور اس کے چہرے پر یاس و نا امیدی برس رہی تھی اس آدمی کی جانب سرسوتی کو خاص دلچسپی پیدا ہوگئی سرسوتی نے اپنی ماں سے کہا کہ اس بے یار و مددگار اجنبی کو کچھ مٹھائی اور ایک گلاس برف کے پانی کا بھیج دیجئے *

وہ اب خود اپنے خیالات کی دنیا ہوگئی تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ اس خاموش کرب و اضطراب کی رات میں اپنے بستر پر اپنے بالاخانے کے برآمدے میں کروٹیں بدل رہی تھی مگر نیند اس سے کوسوں دور تھی۔ چاند کی منور شعاعیں چھت پر پڑ رہی تھیں دریا سے تازہ اور خوشگوار ہوا کے جھونکے آ رہے تھے۔ اس کا خیال پھر اجنبی کی جانب رجوع ہوا اس کے قلب حزین میں آہستہ گھر کرتا جا رہا تھا اس کے دل میں خود بخود اس اجنبی کا شوق و ذوق قایم ہو چلا تھا وہ اس کی قوت تخیلہ کا آماجگاہ بن گیا ان تخیلات نے اس کے جذبات و احساسات کو برانگیختہ کر دیا اور اسکی بے حس قوتوں میں ارتعاش و اہتزازی حرکت پیدا کردی *

(۴)

بیلے کے شگفتہ پھولوں کا ہار جس پر گلاب پاشی کی گئی تھی جن پھولوں کو سرسوتی شام کی پوجا کے وقت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مندر سے لائی تھی وہ ہار سرسوتی کے سینہ پر عطر بیزی کر رہا تھا اور یہی وجہ تھی کہ تھوڑی دیر کے لئے نیند نے سرسوتی کو اپنی آغوش راحت میں لے لیا تھا۔ لیکن آدھی رات کو جبکہ سرسوتی محو خواب تھی بیلے کے متبسم غنچوں کی چاند کی پُر تنویر شعاعوں نے بوسوں سے تواضع کی جبکہ وہ پھول ایک جنس لطیف کے سینہ کو معطر کئے ہوئے قہقہ زن ہو رہے تھے۔ سرسوتی کی نیند اچاٹ ہوگئی۔ اس کے دل و دماغ میں عجیب خیالات متلاطم تھے بیلے کے ابتسام آفرین غنچوں کی خوشبودار مہک نے اس کے خیالات میں مزید ہیجان پیدا کر دیا۔ جذبات نے ان اسباب کا رہین منت ہونا غیر ضروری خیال کیا۔ جن کی وجہ سے اب اس کی زندگی میں ایک جدید باب کا آغاز ہو رہا تھا۔ ایک کیلے کے پتے کی مانند اس میں لرزش پیدا ہوئی وہ سوچنے لگی کہ رات کو اس وقت میری ہم عمر و ہم سن لڑکیوں کی مسرت اندوزیوں کا کیا ٹھکانہ۔ وہ تو عیش و عشرت سے بغل گیر ہو رہی ہوں گی۔ اس نے بیلے کا ہار مسل دیا۔ پنکھڑی سے پنکھڑی جدا کردی اس مجروح و مضروب ہار کو اٹھا کر پھینکدیا اس کا دل اجنبی کے خیال میں اسقدر مستغرق ہوگیا کہ اس کی حرکت قلب تیز تر ہوگئی۔ اس نے خیال کیا کہ وہ ضرور محو خواب ہوگا۔ جبکہ وہ اپنے آپ کو مجبور کرکے اس پنکھے سے جھل رہا تھا جس کو میں نے اس کے پاس بھیجا تھا ستارے ایسے معلوم ہو رہے تھے کہ گویا عروس شب کی گردن میں موتی حمایل ہیں اس نے ارادہ کیا کہ اس اجنبی سیاح کو جو محو خواب و استراحت ہے ایک جھلک دیکھلوں تب یکایک ایک نغمے کی سریلی آواز اس کے کانوں تک پہنچی کہ کوئی آدمی اس سحر آگین چاندنی میں نغمہ ریزی کر رہا تھا۔ جو صدا اس گانیوالے کی دل کی گہرائیوں سے نکل رہی تھی وہ جادو بھری آواز تھی۔ نہایت شیریں اور مسحور کن ترانہ جس کو سرسوتی نے انتہائی دلچسپی اور توجہ سے سنا:-

بیلا پھولے آدھی رات گجرا کیکر گارے داروں

گانے کی اس دلربا صدا نے اس کو کچھ ایسا متاثر کیا کہ اس کی مسرت کا فراموش باب اور رومکین کی یاد تازہ ہوگئی گانیوالے نے بھی اس کو دلی سوز و ساز سے گایا تھا آدھی رات کا وقت تھا۔ چاندنی طلسم آفرین نورانیت نے ایک دلکش دل آویز منظر پیدا کر رکھا تھا یہ نظارہ اس وقت سے زیادہ دلفریب تھا جبکہ بلبل تاریکی سے نکلکر گریہ کناں گیت گاتی ہوئی آرہی ہو اس راگ کا ہر تار سرسوتی کے رگ و پے میں سرایت کر گیا وہ اپنے بستر سے اٹھی اور کھمبوں کی قطار کی طرف گئی لیکن بے سود آخر وہ اس نتیجہ پر پہنچی کہ اس کے اپنے گھر ہی میں کوئی شخص گا رہا ہے اور وہ وہی اجنبی تھا جو یہ تاثر انگیز نغمہ گا رہا تھا جس نغمے نے اس پر سحر و طلسم کا سا اثر کیا تھا لیکن بڑے بڑے آنسو شل شبنم اس کی آنکھوں سے ٹپک رہے تھے وہ دیوانہ وار نیچے دوڑ گئی۔

راجہ غلام احمد

مرگِ غلط کی فریاد

"ابھی زندہ ہے مضطر خاکِ پائے اہل میخانہ"

اندور کی ایک بے سرو پا اطلاع اور بھوپال میں سماعی خبروں کے یقین نے مولانا مضطر خیر آبادی (بارک اللہ فی عمرہٗ) کی غلط خبرِ مرگ درج کرنے پر مجھے مجبور کر دیا تھا۔ لیکن ان کے ایک نامۂ منظوم نے اس وحشت ناک خبر کی تردید کر دی جو میرے لئے اور ان تمام حضرات کے لئے جنہیں مضطر صاحب سے کوئی تعلق ہے۔ نشاط و مسرت کا ایک خوشگوار سبب ہے ٭

دنیا کی ایک عادتِ مستمرہ ہے کہ مشہور اور قابل لوگوں کی موت کی خبر اکثر قبل از وقت اُڑ جاتی ہے جو بعد میں غلط ثابت ہو کر ازدیادِ عمر کا باعث اور شہرتِ مزید کا سبب بنتی ہے۔ میں حضرت مضطر سے نادم ہوں کہ اندور سے آئے ہوئے خط پر اعتبار کر کے ان کے متعلق ایسی خبر شائع کر دی اس تکلیف دہ لیکن دلچسپ واقعہ سے کم از کم اتنا فائدہ مجھے ضرور پہنچا کہ حضرت مضطر کی چند حیات افروز سطریں "پیمانہ" کے لئے مل گئیں۔ بہر کیف میں دعا کرتا ہوں کہ ایسی وحشت آفرین خبروں سے پیمانہ کے صفحات ہمیشہ سادہ رہیں ٭

ساغر

سیہ مستانِ بابِ میکدہ میری بھی سُن جاؤ
کبھی مَیں بھی تو رہتا تھا شریکِ دورِ پیمانہ

مگر اس جنوری چھبیس ۲۶ میں بے موت موت آئی
بنا میں اپنی پیاری زندگی کا آپ افسانہ

چلا گلزارِ عالم سے تو پہونچا باغِ جنت میں
تصدق جس پہ ہے دنیائے فانی کا پریخانہ

مگر کافر ادا محبوب کوئی بھی نہیں دیکھا
فقط حوریں ہی حوریں تھیں بصد نازِ عروسانہ

حسینانِ جہاں کی یاد نے بے چین کر ڈالا
وہ شکلیں ہی نہ تھیں جنت میں دل تھا جنکا دیوانہ

یہ حالت دیکھ کر میرا تو جی گھبرا گیا فوراً
خدا سے لیلیا پھر واپسی کا میں نے پروانہ

گیا تھا جنوری میں، مارچ میں واپس چلا آیا
مہاراجہ کی خدمت میں دمِ ترخیصِ شاہانہ

شہیدِ ناز مرتے کیا ہیں اس دنیائے فانی میں
پھر آ کر کھٹکھٹائی خیر سے زنجیرِ مےخانہ

یہ حضرت کون سے محبوب ہیں اندور میں ایسے
جنہوں نے بے مرے مارا مجھے با نازِ مستانہ

وفاتِ میگسارِ عشق کی جھوٹی خبر دے کر
میانِ میکدہ پھیلا دیا اک جوشِ رندانہ

اگر کچھ فائدہ ان کو مرے مرنے سے ہوتا ہو
تو مَیں مرنے کو بھی تیار ہوں باشانِ مردانہ

ذرا اسمِ گرامی ان کا مجکو بھی بتا دیجے،
کہ اس اندور میں وہ کون سے ہیں صاحبِ خانہ

ہوائیں جھوٹ کی جو باندھکر خبریں اُڑاتے ہیں
بھرے گھر کے بجھاتے ہیں چراغِ طاقِ کاشانہ

سپاس خاص ان کا مَیں ادا کرنے کو جاؤنگا
جنہوں نے اپنے ہاتھوں سج دیا میرا عزا خانہ

انہیں بھی بس کہ اکدن گلشنِ فانی سے اٹھنا ہے
بتا دونگا انہیں میں راہ و رسمِ ملکِ بیگانہ

ثوابِ فاتحہ جو اس سے پہلے مجکو پہونچا ہے
کچھ اس میں سے انہیں دونگا بطورِ رسمِ نذرانہ

گدائے میکدہ ملتی ہے تو تنہا نہیں پیتے
چلا آتا ہے مدت سے یہ دستورِ قدیمانہ

دوبارہ اب اگر جانا ہوا اللہ کے گھر تک۔
تو کہدونگا کہ چلیئے آپ بھی بارسمِ یارانہ

سفر میں ایک سے دو ہوں تو رستا خوب کٹتا ہے
اکیلا ٹھوکریں کھانے کو کیوں جاؤں نہیں دیوانہ

جو راضی ہوگئے ہمراہ چلنے کو تو اچھا ہے،
نجائیں گے تو کہدونگا کہ دھر دو میرا ہرجانہ

سنا اے حضرتِ سیماب یہ دنیا کی حالت ہے
جو چاہے جسکی نسبت منہ سے کہدے بے حجابانہ

خدا کے واسطے تردید کیجے، میرے مرنے کی
مَیں زندہ ہوں ابھی مصروفِ دیدِ روئے جانانہ

تجلی کی جھلک مہمان ہے آنکھوں کے پردے میں
نہیں دیکھا ابھی تک مَیں نے تربت کا سیہ خانہ

مرے احباب سارے صورتِ سیماب مضطر ہیں
انہیں ایسی خبر دیجے کہ جھوٹا ہے یہ افسانہ

عزاداروں کے آنسو پونچھیے دامانِ فرحت سے
مرے ماتم میں شامل کیجیے شانِ کریمانہ

گلابی رنگ کی مے سے فقط اتنا ہی لکھدیجئے
ابھی زندہ ہے مضطر خاکِ پائے اہلِ میخانہ

خان بہادر اعتبار الملک
مضطر رضوی الوارثی خیرآبادی

فطرت کی ضد

(مسلسل)

منظور اور ناشط اپنی قوتِ مشاہدہ پر اعتبار متانت کرتے ہوئے سیدھے اس کمرہ تک پہنچ گئے جہاں رائنس اپنی پوری تجلی رعنائیوں میں غرق فضلے انتظار میں کچھ امید پرور تصویریں بنا اور بگاڑ رہی تھی۔ رائنس نے دور سے دونوں کو دیکھا اور کوند کر ایک پردہ میں چھپ گئی دونوں نو وارد رائنس کے تصویر کدہ میں دوسری رنگین تصویروں کی طرح کرسی نشین ہوئے اور دونگاہوں نے دو لمحوں میں تمام صورت کدہ کا جائزہ لے لیا ابھی تبصرۂ نگاہ نامکمل تھا اور ادراک میں خیال نے الفاظ کی صورت اختیار نہیں کی تھی کہ رائنس تبسم زیرلب کے ساتھ پردہ سے نکلی اور ایک مستور تبسم سے دونوں کو دیکھا اور خاموش کھڑی ہو گئی +

منظور:۔ اگر میرا خیال غلط نہیں ہے تو اس جمیل کاشانے کی مالکہ آپ ہی ہیں +

رائنس:۔ جی نہیں مالک تو آپ ہی ہیں میں آپکی خادمہ ہوں +

ناشط:۔ خوب آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ حق قائم کرنے کے لئے

منظور:۔ (دخل دیکر) قیام حقوق کے لئے طرائق و قواعد و شرائط و قرائن کی ضرورت نہیں ہوتی انسان نے انسانیت کے حقوق اپنی ذات کے لئے بغیر کسی قرینے کے قائم کر لئے ہیں۔ اسی طرح تمام حقوق قائم کئے جا سکتے ہیں وسائل اور شرائط کی مہملیت صرف ایک اعتبار ہے +

ناشط:۔ یعنی ۔۔۔ (رائنس سے) معاف کیجئے آپ کرسی لے لیجئے اور ذرا منظور صاحب کی منطق سنئے، رائنس نے تبسم کے ساتھ جنبش کی اور وہ اپنے جسم کو نمایاں لیکن متین خم دے کر بیٹھ گئی +

منظور:۔ یعنی ایک عورت ایک مرد سے تعلقاتِ زن و شوئی قائم کرنا چاہتی ہے بس اس ارادے کے الفاظ میں آتے ہی یہ حق قائم ہو جاتا ہے کیا تم یورپین اقوام کی مراسمِ تزویج سے ناواقف ہو؟

ناشط:۔ لیکن اس کے لئے لوازم اور اسباب بھی تو مشروط ہیں +

منظور:۔ سب لغو بدعتیں ہیں بدعتیں عرب کا سب سے بڑا پیغمبر ایک عورت سے شادی کرتا ہے ارادہ ایک لمحہ میں عملی صورت اختیار کر لیتا ہے جس کے بعد صرف اعلان کر دینا کافی سمجھا جاتا ہے +

ناشط:۔ پھر یہ ہماری نکاح خوانی کیا چیز ہے؟

منظور:۔ صرف ارادہ کو عمل میں لانے اور ایجاب و قبول کا اعلان کرنے کا نام "نکاح" ہے یعنی اگر الفاظ منضبط کے علاوہ کسی اور زبان میں بھی ایجاب و قبول ہو تو "نکاح" درست ہو گا +

ناشط:۔ خیر مگر یہ میں کیونکر سمجھ سکتا ہوں کہ مس رائنس میری خادمہ ہیں وہ تو آپ نے ایک سوال کیا تھا جس کا جواب مس رائنس نے شاعرانہ دیا ورنہ یہاں خادم اور مخدوم کا ذکر ہی کیا تھا +

منظور:۔ جی نہیں ان کا فقرہ تو اتنا محکم المعنی نہ تھا مگر آپ کے قیام حقوق والے فقرے نے اسے اتنی اہمیت دیدی +

رائنس:۔ میں معافی چاہتی ہوں کہ میری زبان سے ایسا لفظ کیوں نکل گیا جو آپ لوگوں کے لئے بحث و گفتگو کا ذریعہ بن گیا +

منظور:۔ نہیں رائنس گفتگو تو کسی نہ کسی موضوع پر ہوتی ہی سلسلہ

کلام شروع کرنے کے لئے یہ تمہید بھی کچھ بری تو رہی نہیں ؟

رائنس:۔ خوب ۔

ناشط:۔ کہئے آپ کا مزاج کیسا ہے ۔

منظور:۔ یہ بھی ایک رسمی اور بے معنی تمہید گفتگو ہے۔ ظاہر ہے کہ مزاج اچھا نہ ہوتا تو آپ کی ہم نشینی بھی گوارا نہ ہوتی اس کے علاوہ مزاج اک جوہر ہے جو عناصر کے امتزاجِ معتدل سے پیدا ہوتا ہے وہ خراب ہو تو زندگی خراب ہو جائے اس کی خرابی اور صحت کا حکیمانہ استمزاج غیر ضروری نہیں تو کیا ہے ۔

ناشط (بگڑ کر) آپ کے لئے تو دنیا کی ہر بات رسمی اور مہمل ہے میرے خیال میں آپ کا یہاں آنا بھی بے معنی ہے ۔

منظور:۔ آپ بگڑ کر میرے خیالات کی تصحیح (اگر وہ غلط ہیں) نہیں کر سکتے یہاں آنا کسی نوع سے بے معنی نہیں ہو سکتا مگر یہاں بیٹھ کر عوام کی رسموں کا مظاہرہ کم از کم میرے نقطۂ نظر سے بے معنی ضرور ہے ۔

منظور مسکرایا اور اس نے کہا: مس رائنس ہمارے یہاں آنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم سب سے پہلے آپ کے عالمِ تصویر کی سیر کریں ۔

رائنس کچھ بولنا چاہتی تھی ۔

ناشط:۔ ذرا سمجھ کر گفتگو کیجیگا ورنہ یہیں سے کوئی بحث پیدا ہو جائیگی ۔

رائنس:۔ کیا عرض کروں مجھے تو کچھ بولنے کی جسارت ہی نہیں ہوتی میرا گھر آپ کا گھر ہے جس چیز کو جی چاہے دیکھئے کوئی تصویر بے حجاب نہیں ہے یہ کہہ کر اس نے کرسی چھوڑ دی ناشط اور منظور رائنس کی بنائی ہوئی تصویریں بغور دیکھنے لگے منظور رائنس کی اس تصویر کے پاس کھڑا ہو گیا جو اس نے اپنی محرومی کے مظاہرہ کے لئے کھینچی تھی اور ناشط ذرا آگے بڑھکر اور تصویریں دیکھنے لگا۔

منظور:۔ یہ آپ نے اپنی تصویر کو اس عالم میں کیوں دکھایا ہے یہ تو آپ نے دانستہ زیادتی کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا موقلم بالکل آپ کے اختیار میں ہے ۔

رائنس:۔ شاید۔ مگر میں نے تو ایک عالمِ محسوس کا صحیح مظاہرہ کیا ہے غالباً میں کامیاب ہو گئی ہوں ۔

منظور:۔ ناکامیابی کی تصویر اور اس کامیابی کے ساتھ

رائنس:۔ آپ میری تخیل کے دھندلے خطوط روشن کیئے دیتے ہیں ۔

منظور:۔ کیا اس کے برعکس بھی آپ نے کوئی تصویر کھینچی ہے

رائنس:۔ آہ وہ عالم مجھے میسر نہ ہوا میں تو اس عالم کی تصویر کبھی صفحۂ خیال پر بھی نہ بنا سکی اس نے یہ کہا اور وہ اداس ہو گئی منظور دیر تک اُسی تصویر کو دیکھا کیا ناشط اتنی دیر میں تمام کمرہ کا طواف کر چکا تھا اور اب وہ ایک نقاب پوش مرقع کے سامنے کھڑا تھا اس نے اجازت لینے کے لہجہ میں آواز سے کہا "اس مرقع کی نقاب پوشی میں کوئی راز تو نہیں ہے ؟

رائنس اپنے خیالات سے دفعتاً چونکی اور ناشط کی طرف دوڑتے ہوئے اس نے کہا "ٹھریئے ٹھریئے کون سا مرقع"؟

وہ ناشط کے برابر کھڑی ہو گئی اس کی دزدیدہ نگاہوں نے منظور کو بھی وہیں کھینچ لیا اور اب یہ تینوں ایک نقاب پوش مرقع کے سامنے کھڑے تھے ۔

ناشط:۔ کیا میں اس مرقع سے نقاب اٹھا سکتا ہوں ۔

منظور:۔ آخر اس میں کیا ہے جس کے دیکھنے کی ناشط تمہیں اسقدر جلدی ہے ۔

ناشط:۔ واہ اگر یہ معلوم ہو جاتا تو پھر دیکھنے کی ضرورت ہی کیا تھی ؟

رائنس: راس کا نہ معلوم ہونا ہی اچھا ہے!

منظور: رائنس تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہر تاریکی ایک دن روشن ہو جانیوالی ہے اور ہر راز ایک دن افسانہ بن جانے والا ہے۔ تم ایک پوشیدگی کو قایم رکھنے کی آرزومند ہو اور یہ آرزو ہی اُسے نمایاں کرنے کا ذریعہ ہے۔

رائنس: نہیں منظور دیکھو میرے ہاتھ کانپ رہے ہیں۔ میری نبض میں سرعت پیدا ہو گئی ہے اور میرا تمام جسم لرز رہا ہے رہنے دو اس راز کو بدستور رہنے دو اور اس کے پاس سے ہٹ جاؤ۔

ناشط کی جبلی ضد کی فطرت متجلی ہو گئی اس نے کہا۔

رائنس: میں یہ مرقع ضرور دیکھوں گا دیکھوں گا ضرور دیکھوں گا

منظور: ناشط تم ایک اخلاقی جرم کے مرتکب ہوگے گو مجرم بننے کے لئے میرا دل بھی مصر ہے لیکن میں عورت کے نازک دل کو توڑنا عظیم گناہ خیال کرتا ہوں۔

وہ مڑا اور اس نے رائنس کی طرف مطمئن لہجے میں کہا اچھا اسکے حالات کچھ زبان سے بیان کیجئے۔

رائنس: زبان تو زبان دل بھی نہیں بتا سکتا کہ اس میں کیا ہے؟ آہ یہ مرقع یہاں کیوں رہ گیا۔

ناشط: صرف ہماری نگاہوں کو دعوتِ تماشا دینے کے لئے۔

رائنس: نہیں نہیں میں برباد ہو جاؤنگی۔ مجھے تباہ نہ کرو مجھے جانے دو آہ!۔

منظور: رائنس رائنس!! یہ کیا حال ہے تم اسقدر پریشان کیوں ہو!! اچھا چلو ہم اس کے دیکھنے کے لئے اصرار نہیں کرتے۔

ناشط: میں سمجھ نہیں سکتا کہ آخر یہ کیا راز ہے؟

رائنس نے آہستہ سے سر اٹھایا اور ناشط کی طرف آنسو بھری آنکھوں سے دیکھا گویا وہ اس طور سے ناشط کو جواب دے رہی تھی اس سے کہہ رہی تھی کہ وہ اس کے فقرہ کے مفہوم کو سمجھ گئی ہے۔ اس نے ناشط کو گہری نگاہِ غمگین سے دیکھا اور ایک ہلکی چیخ کے ساتھ کہا "دیکھ لے دیکھ لے او نا آشنائے محبت میری رسوائی اور نیازمندی کی تصویر دیکھ لے"۔ آہ ظالم تو بڑا بے رحم ہے تو نے ہاں تو نے مجھے لوٹ لیا"۔

اس کے تاثرات امنڈ آئے اور وہ ناشط کے قدموں پر گر پڑی رائنس ناشط کے قدموں پر گری تو ناشط گھبرا گیا اور اس کا دوسرا ہاتھ تصویر پر اس طرح پڑا کہ پردہ خود بخود اٹھ گیا رائنس نے ناشط کے پاؤں بہت زور سے پکڑ لئے تھے۔ وہ برابر رو رہی تھی ناشط کی نگاہیں بے نقاب تصویر پر تھیں اور منظور بھی اسی طلسم نقش و نگار میں کھویا ہوا تھا ناشط کا دل محسوس کر رہا تھا کہ ایک نوجوانی اس کے پاؤں کو اپنے آنسوؤں سے بھگو رہی ہے۔ اور ناشط کی نگاہیں مرقع میں دیکھ رہی تھیں کہ رائنس پریشان اس کے قدموں پر سجدہ ریز ہے۔ منظور حیران تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے اور ناشط تو بالکل کھویا گیا تھا اُسے کچھ معلوم نہ تھا کہ وہ دنیا میں ہے یا کسی اور عالم کی سیر کر رہا ہے وہ چاہتا تھا کہ اپنے پاؤں رائنس کی آغوشِ دست سے کھینچ لے مگر وہ اپنی تمام قوتوں کو کمزور محسوس کر رہا تھا اس کی پنڈلیوں کا خون منجمد ہو گیا تھا اس کے پاؤں شل ہو گئے تھے اتنے شل کہ ناشط انہیں کسی طرف ہٹا بھی نہیں سکتا تھا منظور کبھی مرقع کو دیکھتا تھا اور کبھی اس کی نگاہ ناشط کی طرف دیکھ کر مسکراتی تھی اور کبھی وہ رائنس کی وجدانی کیفیات پر تبصرہ کرتا تھا۔ ۴ منٹ تک یہ عالم خاموشی اور سراسیگی کے ساتھ کمرہ میں ایک فسانہ پیدا کرتا رہا جس کے بعد منظور کیسر جوش سریع بن کر رائنس کی طرف بڑھا اور اس نے ایک نازک کوشش سے رائنس کو ناشط کے پاؤں سے اٹھا لیا لیکن رائنس

کی قنادگی نے پھر سے زمین پر گرا دیا ناشط متحیّر اور مبہوت موجودہ واقعات پر غور کر رہا تھا اسے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ایک نئی دنیا میں محبت کرنے کے لئے مجبور کیا جا رہا ہے۔ اور اس کا دل بے اختیار چاہتا تھا کہ یا تو وہ ایک جست میں حیرت کدہ رائنس کو چھوڑ دے یا رائنس کو اپنی آغوشِ محبت میں جذب ہو جانے کی اجازت دیدے اس کے تحیّر میں اس درجہ میدگی تھی کہ وہ اپنے مضطر احساس کو کسی مرکز پر نہ لا سکتا تھا۔

دوسرے دن کی صبح فطرت کی ضد کے اختتام کی آئینہ دار تھی رائنس کی محبت کامیاب اور ناشط کا نظریہ غلط ہو چکا تھا ناشط اس کی نوازش کے لئے مجبور تھا اور اس کے دل کی ہر دھڑکن میں ایک نئے باب کا اضافہ ہو رہا تھا۔

منظور جو ناشط کی زندگی تمام تر حسیات کو گہری لطافت کے ساتھ محسوس کر رہا تھا اس کے شانوں پر زور دے کر بولا۔

ناشط محبت ایک عجیب نعمت ہے جہاں سے بھی حاصل ہو جائے رائنس تم سے محبت کرتی ہے اس کی بدصورتی پر نہ جاؤ۔

اس کا التفات فطری ہے اور چونکہ فطرت کی ہر چیز اپنی ضد کی طرف مائل ہے۔ اِس لئے تمہیں رائنس سے محبّت کرنی پڑیگی۔

سورج کی محبت افروز کرنیں نمایاں ہوئیں۔ ناشط کے جذبات میں اک حرکت ہوئی وہ گھبرا کر اٹھا اس کے ہاتھ کانپتے ہوئے پھیل گئے رائنس جو بہت پہلے سے اپنے سکر لئے ہوئے آنسو ناشط کی عجیب پیشانی پر نچھاور کر رہی تھی اپنی جگہ سے ہلی۔ اور اپنی محبت کی نفاست کے ساتھ اسکی آغوش میں جذب ہو گئی۔ کرنوں میں اہتزاز پیدا ہوا اہتزاز کی موجوں میں کیوپڈ ابھرا اور اس نے یہ خطبۂ معصوم پڑھا:۔

محبت حُسن کی محتاج نہیں حُسن محبت کا بھکاری ہے محبت کی آغوش میں حُسن آسودہ نصیب ہے۔ اور کنارِ حسن محبت تباہ۔ شام تلاشِ صبح میں آوارہ ہے صبح جستجوئے شام میں خون تمنّا بر خسار ہے۔ تاروں کو سورج کے دیکھنے کا ارمان اور سورج کو چاند کی لطافتیں لوٹنے کی تمنّا ہے۔

فطرت کی ہر چیز اپنی ضد کیطرف مائل ہے اور یہی فطرت کی ضد ہے

ساغر نظامی

اربابِ ذوق

"پیمانہ" کی توسیع اشاعت میں حصّہ لیکر ہمیں ممنون فرمائیں اور اپنے احباب میں اس کا ذکر فرما کے انہیں خریدار ہونے پر آمادہ کریں۔ اگر آپ نے اس ادبی آرگن کی اشاعت بڑھانے میں کوشش کی تو پیمانہ آپ کی علمی و ادبی خدمات زیادہ وسعت کے ساتھ انجام دے سکیگا +

ناظم قصر الادب۔ دفتر پیمانہ کّی دروازہ لاہور

شبِ سیاہ

آخرِ سرما کی یہ پہلی اندھیری رات ہے
ایک اک ذرے پہ طاری عالمِ ظلمات ہے

جس طرف دیکھو عجب اندھیرے ہے چھایا ہوا
پھر رہا ہے بادلوں میں چاند گھبرایا ہوا
لیلیٔ شب نے بچھا رکھے ہیں یوں زلفوں کے جال
ہو گیا ہے طائرِ انوار کو اڑنا محال
ذرہ ذرہ پردۂ تاریک میں روپوش ہے
قطرہ قطرہ تیرگیٔ شب سے ہم آغوش ہے
گوشے گوشے پر زمیں کے مردنی سی چھا گئی
ہر طرف کالی گھٹا تاریکیاں برسا گئی
رہ گئی چھپکر سیاہی میں فضا کی روشنی
آنکھ کے پردوں میں بیٹھی ہے نظر سمٹی ہوئی
کسطرف دیکھیں کہاں جائیں کدھر ڈھونڈا کریں
رہنما ہی جب نہیں کوئی نگاہیں کیا کریں
گو سیاہی نے بڑھا دی ہے چراغوں کی ضیا
ہر قدم پر بھول جاتا ہے مسافر راستا
کس قدر گہرے گھنے بادل امنڈ کر آئے ہیں
دامنوں میں خوف کے طوفان بھر بھر لائے ہیں
رعد کی آواز سنتے ہیں جو بچے شیر خوار
پہلوئے مادر میں چھپ جاتے ہیں ڈر کر بار بار
تیز نم آلود جھونکوں میں ہوائے سرد کے
کچھ عجب نغمے ہیں طوفاں خیز اور بھیگے ہوئے
دیکھتی ہیں جب پریشاں حالیٔ اہلِ جہاں
ہنستے ہنستے لوٹ جاتی ہیں زمیں پر بجلیاں
بڑھ چلا ہے اسقدر موجِ ہوا کا ارتعاش
کانپتی آتی ہے گھنٹوں کی صدائے دلخراش
پھر چمک کر سردیوں کی یہ برودت گستری
لیکے آئی ہے زمستاں کا پیام آخری
ماتمی پوشاک ہے پہنے ہوئے ساری فضا
سرد آہیں بھر رہی ہے چار سو ٹھنڈی ہوا

گرمیوں کا دورِ دورہ عنقریب آنے کو ہے
موسمِ سرما سنبھالا لیکے مٹ جانے کو ہے

(ظہیر رضوی ایم اے (علیگ)

ڈرامہ

انسان

(سلسلے کی دسویں قسط)

اثر:- ساغر نظامی سیمابی (علیگ)

تیسرا دور ——————— پہلا منظر

نمرود کا مینار کبریائی

(نمرود اپنے مصاحب خاص حیابانی کے ساتھ ملاحظۂ مینار کے لئے آتا ہے جلو میں دوسرے درباری بھی ادب و احترام کا مظاہرہ کرتے ہوئے صف بستہ استادہ نظر آتے ہیں۔)

نمرود- واقف مستقبل حیابانی، تو نے سچ کہا جب تک دنیا کا وہ ذہنی خدا جو آسمانوں کے پردے میں چھپا ہوا اپنی ناکارہ قوتوں کا مظاہرہ کر رہا ہے اور جس کے رعب ربانیت سے دنیا کے کمزور انسان صبح سے شام تک لرزہ براندام رہتے ہیں ہلاک اور تباہ نہ کر دیا جائیگا دنیا پر میری کبریائی مسلّم نہ ہوگی۔

حیابانی- اے خالدین کے طاقتور خدا- اور اے بندگان مجبور کے مسلّمہ معبود میں نے اپنے علم و کمال سے جو پیشین گوئی کل کی ہے وہ حرف بحرف پوری ہو کر رہیگی- یہ آہنی زہر آلود تیر کمان پر چڑھا اور اپنے عرش پر چڑھ جا ئیں اس وقت جبکہ شمس برج اسد میں ہو اور تیرے جلال کا طالع شرف قوس اختیار کرے کمان کو اپنے پر زور بازوؤں سے کھینچے اور تیر کو اذن پرواز دے خدا اپنی قوتوں کے خون میں لتھڑا ہوا زمین پر آگرے گا- اور دنیا اس کے جبروت باطل سے آزاد ہو جائے گی۔

نمرود- دنیا کی وسعتوں میں فوراً اعلان کر دو کہ نمرود دنیا کو آسمانی حکومت و عقیدت کے استبداد سے رہا کرنے کے لئے تیر بکف و کمان بردوش اپنے عرش پر جا رہا ہے- سایۂ مینار میں دنیا جمع ہو اور میرے کارنامۂ جنگ کو اپنی بیدار

آنکھوں سے دیکھے اور تماشائے انجام کے بعد میرے مبارک اور مضبوط قدموں کو اپنی سجدہ گاہ بنالے۔

(قرنا پھونکا جاتا ہے اور ایک مجمع کثیر
مینار کے ارد گرد جمع ہو جاتا ہے)

حیا بانی: برکت ہو تجھ پر اے صاحب ملک عظمت، کہ تیرے شہزور بازوؤں میں خون کبریائی موجیں لے رہا ہے اور تیرے شاندار چہرہ سے تیری کامیابی کی شعاعیں چاروں طرف بکھر رہی ہیں۔ مینار پر صرف خرام ہو تیر و کمان کو حرکت دے اور اپنی ہمہ گیر خداوندی قوتوں کا دنیا کے سامنے مظاہرہ کردے۔

(نمرود ہزاروں نازشوں اور نخوت
نمائیوں کے ساتھ مینار پر چڑھ جاتا
ہے۔ اور آخری منزل پر جا کر کھڑا
ہو جاتا ہے)

نمرود۔ حیا بانی میرا جلال اور میری عظمتیں مجھے مجبور کر رہی ہیں کہ میں اسی سامانِ ہلاکت کے ساتھ بام فلک پر چڑھ جاؤں حدودِ نگاہ سے آگے بڑھ جاؤں۔ میری جرأت مجھے اُچھالے دیتی ہے اور میری کامیابیاں مجھے عالمِ بالا کی طرف کھینچتی ہیں۔ میری مساعی میں ایک پرواز میرے ارادوں میں ایک عروج اور میرے عزائم میں ایک پھیلاؤ پیدا ہو گیا ہے او دنیا کو چھپ چھپ کر ڈرانے والے باطل خدا آ اپنے حریف کے سامنے آ۔ اور اگر مقابلہ کی قوت نہیں ہے تو اپنا عرش چھوڑ دے اور اپنی شکست فاش کا اعلان کر۔

حیا بانی۔ رو کے ہوئے اے الوہیت کے سمند راپنی متواج قوتوں کے زجر و مد کو رو کے ہوئے! ایسا نہ ہو کہ تیرے حقیقی جبر و قہر اور سچے سرکشی کے طوفانِ عظیم میں دُنیا کی کمزور وادیاں اور وادیوں کے ناتوان قبیلے غرق ہو جائیں۔ اور دنیا کو کہیں پناہ لینے کا ٹھکانہ نہ ملے۔ ہاں پھینکدے اپنے تیرِ فلک دوز کو اور ہلاک کر ڈال اُس پردہ نشین خدا کو جس نے کائنات پر زبردستی قبضہ کر لیا ہے۔

(نمرود تیر چلاتا ہے)

نمرود۔ لے میرا وار سنبھال۔

حیا بانی۔ برکت برکت، رحمت رحمت اے اپنے تخت خداوندی کے تنہا مالک، اب وہ خدائی کیا سنبھل سکتی ہے جسے صرف تیری خاموشی اور لاپرواہی نے سنبھال رکھا تھا۔ خمخانۂ آذری کے تمام بُت تیری معبودیت کے اعتراف میں ساکت کھڑے ہیں ہوائیں بند ہو گئی ہیں۔ زمین ٹھہر گئی ہے۔ اور ذرّہ ذرّہ تیرے تیر کی مراجعت کا انتظار کر رہا ہے۔

(تیر خون آلود واپس آتا ہے اور مجمع

(عام میں گرتا ہے مجمع سے ایک شور
مبارکباد برپا ہوتا ہے اور سب سجدہ
میں گرجاتے ہیں نمرود مینار سے نیچے
آتا ہے)

نمرود۔ دنیا والو میرے ناسمجھ بندو، دیکھ لو۔ اچھی طرح دیکھ لو اپنے مصنوعی خدا کا نتیجہ اور آسمانی خود پرستیوں کا مآل۔ کیا اب بھی تم میری خدائی اور کبریائی پر ایمان نہ لاؤ گے؟ کیا اب بھی تم میرے قدموں کو اپنی سجدہ گاہ نہ بناؤ گے؟

(لوگ سر جھکاتے ہیں اور پھر سجدہ میں گر پڑتے ہیں)

حیابانی۔ تیری بادشاہی مسلّم۔ تیری خدائی مدلّل۔ اور تیری قوتیں ناقابلِ مقابلہ ہیں۔ اپنے عرش برتن کر بیٹھ جا اور تو دیکھیگا کہ دنیا تیری جلوہ گاہ کے طواف میں اپنی جانیں کس طرح نثار کرتی ہے۔

(راہب آتا ہے)

نمرود۔ کون ضدی خداپرست تصورات اور ذہنیات کا پاگل پرستار۔ کیا تو نے اپنے خدا کا انجام دیکھا؟

راہب۔ میرا خدا آغاز و انجام سے مبرّا، اور ابتدا و انتہا سے معرّا ہے۔ وہ خدا تھا، خدا ہے اور خدا رہے گا۔

نمرود۔ بس رہنے دیگا بس رہ چکا۔ کیا اس تیر میں بھرے ہوئے خون سے تیرے خیالی خدا کی بو نہیں آئی۔

راہب۔ تیر خون اور بو، یہ سب تیری، تیری پراگندہ دنیا کی گندہ اور مردار چیزیں ہیں جن کی رسائی خدائے قدوس کی بارگاہِ اقدس تک ہو نہیں سکتی۔

نمرود۔ جھوٹ اور اتنا کھلا ہوا۔ تردید اور اسقدر غلط، اگر تیر آسمان پر نہیں پہونچا تو کیا اس میں تیرا خون آلودہ ہے؟

راہب۔ اثیر کے نیچے خلائے بعید میں اکثر پرندے پرواز کرتے ہیں کیا ان میں سے کسی کا ہدف بن جانا ناممکنات سے ہے۔

حیابانی۔ او ذلیل خداپرست شیطان ایک جھوٹے خدا کے دعویدار، طیور کا ہدف ہونا ممکن سہی، مگر تیر کا ایک سمت پرواز کرکے پھر وہیں گرنا جہاں سے وہ چھوڑا گیا تھا اور کسی طائر کا اس میں پیکان در وزنہ ہونا کیا شہنشاہ نمرود کی کبریائی کا ناقابلِ تردید ثبوت نہیں ہے۔

راہب۔ ہرگز نہیں او خوشامدی، رمّال کبھی نہیں، بلکہ اشیاء عموماً اپنی اسی سطح ہوائی پر واپس آتی ہیں جس پران کا صعود ہوتا ہے اس لئے کہ زمین کی کشش اسی خلائے عارضی میں ہو کر اوپر جانے والی چیزوں کا تعاقب کرتی ہے جو صعود سے ہواؤں میں پیدا ہو جاتی ہے تیر کی قوتِ تصادم اپنے ہدف کو کسی اور جانب بھی مائلِ افتاد کر سکتی ہے۔ مگر تیری اور تیرے بہک سے اڑجانے والے خدا کی سمجھ میں یہ مسئلہ نہیں آسکتا۔

نمرود۔ تجھے یہاں بحث و تمحیص کے لئے کس نے بلایا ہے۔

راہب۔ اس نے جو واقعات و حادثات کی عارضی مسرتوں کو باقی اور غیر فانی سمجھتا ہے۔

نمرود۔ یعنی۔

راہب۔ یعنی تو نے اور تیری الحاد خوئی نے۔

حیابانی۔ خاموش ہوجا او بدزبان۔ ورنہ یہی تیر، جو تیرے خدا کو ہلاک کرکے آیا ہے تجھے بھی ہمیشہ کے لئے خاموش کردیگا۔

(تیرانداز راہب کے چاروں طرف کمانیں کھینچکر کھڑے ہوجاتے ہیں۔

راہب۔ میں زندگی کو فانی جانتا ہوں۔ دنیا کو فانی سمجھتا ہوں۔ اور تجھے خوش خبری دیتا ہوں کہ عنقریب خدا اپنے زندہ اور غیر فانی ہونے کا ثبوت دے گا، اور نمرود کے ساتھ تیری یہ تمام نمرود سازیاں خاک میں ملکر رہ جائیں گی۔

حیابانی۔ فنا، قضا، موت، زندگی کی تکان کا نتیجہ ہے، کہ انسان جب کارزار عالم میں مسرت و مصائب کے متواتر عمل سے تھک جاتا ہے تو آسودگی و آرام اس کے لئے لازمی ہو جاتا ہے۔ ہر شخص اپنے کام سے فارغ ہوکر خاموش ہوجانے والا ہے۔ مگر او خدانا شناس، اس سے پہلے کہ زندگی اپنی تکان میں خود گم ہوجائے تو کس طرح اسے ختم کرسکتا ہے۔

راہب۔ جس طرح ابھی تو نے میری زندگی ختم کرنے کا اعلان کیا تھا، اور جس طرح میں تیرے حکم سے اس وقت تیروں کی نوکوں پر حرکت کر رہا ہوں۔

حیابانی۔ یہ خدا کا حکم ہے، نمرود کی خدائی ہے۔ اگر تو اب بھی نمرود پر ایمان لائے تو تیری جان بخشی ہوسکتی ہے۔

راہب۔ میری جان میرے خدا کے اختیار میں ہے، اور اسی کے ہاتھ میں تمام عالم ارواح و اجسام ہے۔

نمرود۔ بالکل غلط۔

(لوگوں میں یکایک بےچینی اور گھبراہٹ پیدا ہوتی ہے، مچھروں کا لشکر نمرود پرستوں کو پریشان کرتے کرتے ہلاک کردیتا ہے۔ ایک عجیب عالم انتشار و پریشانی ہے، سب بھاگ رہے ہیں۔ مگر راہب مسکرا رہا ہے)

نمرود۔ حیابانی یہ کیا معاملہ ہے۔

حیابانی۔ میں زائچہ کھینچ کر بتا سکتا ہوں۔

راہب۔ لعنت ہے اس خدا پر اور نفرین ہے اس خدائی پر۔ خدا کو اپنی خدائی کے معاملات بھی معلوم نہیں۔

(حیابانی بھی مچھروں کا شکار ہوجاتا ہے)

بے وقوف نجومی اب زائچہ کھینچ اور بتا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔

(نمرود بھاگتا ہے)

کہاں جاتا ہے او مصنوعی خدا اب اپنی قوتوں اور عظمتوں کو بلا قہر الٰہی کا مقابلہ کر او رجس تیر سے تو نے اپنے خیال کے مطابق دنیا کے خالق کو ہلاک کر دیا ہے اس سے کم از کم ایک مچھر ہی مار کر دکھا دے۔ او خدا تو سچا ہے تیرے آثار صادق ہیں، اور تیری خدائی لازوال ہے۔

(فضا میں غائب ہو جاتا ہے)

(باقی)

تیرے رباب کی حقیقت

(۱)
یہ نغمۂ سکون شکن یہ رُوح دوز زمزمہ　　یہ عنبر آفرینِ نوا یہ دل فروز زمزمہ
یہ اک عروج وارتقا اٹھان میں سرود کی　　یہ ترجمانیٔ فسون زبان میں سرود کی
یہ تیری مطمئن ادا　　یہ تیرا خود ہی جھومنا
یہ حُسنِ سحر ماجرا　　یہ خلوتِ نشاط زا
یہ زیر و بم سے زمزموں کا گونجنا رباب میں　　نئے نئے یہ رنگ پھوٹنا ترے شباب میں

(۲)
فضائے رنگ و بو میں مستیوں کی یہ تراوشیں　　ہوائے آرزو میں کیف و رنگ کی نمائشیں
یہ ایک ایک زمزمہ شراب میں ڈھلا ہوا،　　یہ ہر ترانۂ جوان شباب میں ڈھلا ہوا،
اداؤں میں حجاب کی　　مہک گلابِ ناب کی
یہ شوخیاں رباب کی　　کرن سے ماہتاب کی
یہ ہاتھ کی صباحتوں میں قوتیں پناہ کی!　　یہ انگلیوں کی جنبشوں میں گردشیں نگاہ کی

(۳)
مگر ابھی جہانِ ہوش اس سے بے نیاز ہے　　یہ کیا طلسم ہے جو پردہ دار راز ساز ہے
کھلی نہیں ہیں تجھ پہ خود حقیقتیں رباب کی　　کہ پردہ پردہ میں یہ چھیڑ ہے ترے شباب کی
اٹھان میں کشادگی　　گراؤ میں فتادگی
کشادگی جمال کی　　فتادگی جلال کی
جمال اور جلال زمزموں میں تیرے ساز کے　　ترے شباب نے لٹائے ہیں اثر گداز کے

(۴)
رباب میں ترا شباب ہے تکلّم آفرین　　مگر ہو مطلب آشنا مجالِ سامعہ نہیں
ترنّم لطیف تیرے حسن پُرنوا کے ساتھ　　نگاہ سنتی ہے مگر حواس سامعہ کے ساتھ
رباب کی ہر اک صدا　　ہے تیری ہی کوئی ادا
جو ہو کے لمس آشنا　　ہے دل گداز و کیف زا
تو چھیڑ دے جسے بھی اپنی دستِ مست ساز سے　　اسی طرح وہ بول اٹھے ترے فسونِ ناز سے

ساغر نظامی

شمیم کے لئے

(از جناب سید عابد علی عابد بی اے ایل ایل بی۔ مدیر ہزار داستان)

سید عابد علی عابد بی اے ایل ایل بی کے معیار فسانہ نگاری سے جو لوگ واقف ہیں وہ اس خصوص میں ضرور میرے ہم خیال ہونگے کہ انکے طبع زاد اور ترجمہ کئے ہوئے فسانوں میں معاشرت اور ناہمواری قطعاً نہیں ہوتی بلکہ اسلوب تحریر سے نگارش کی اکملیت ٹپکتی ہے وہ فسانے جو عابد صاحب نے انگریزی سے ترجمہ کئے ہیں اُن میں لطیفہ تو صرف وہی ہے جہاں مشرقیت کا رنگ نمایاں ہو گیا ہے حقیقتاً وہ اس عالم میں جو کچھ لکھتے ہیں ایسے ترجمے کی شان نہیں رکھتی بلکہ ایک طبع زاد فسانہ معلوم ہوتا ہے یہ فسانہ مائیکل آرلین کی کتاب These Charming People (کلاوینیر) کے رنگین و رنگ آمیز تاثرات سے پر ہے۔ مائیکل آرلین کی خصوصیات نگارش میں یہ خصوصیت نہایت ممتاز ہے کہ ہر فطری اور غیر فطری چیز کی تشبیہ مناظر فطرت سے دیتا ہے اور استعاروں میں عجیب و غریب حقیقی کنائے پیدا کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ عابد صاحب نے بھی اس فسانے میں اکثر موقعوں پر ترجمہ کی شان دکھا دی ہے اور اسا نہ ہے کہ اپنی فطرت نگاری اور سریع الذہنی کا بہترین ثبوت دیا ہے۔ مثلاً یہ ٹکڑا :۔

"وہ رفیعہ جس کی آنکھیں آسمان کی طرح نیلگوں تھیں جس کا چہرہ آرزو کی طرح رنگین اور زر نگار تھا" جس کے بالوں میں غیر مطیع گھونگر موجود تھے ایسے گھونگر جن میں بہار کی راتیں اُلجھی ہوئی معلوم ہوتی تھیں اور جو موسیقی کی تانوں کی طرح بکھرے ہوئے تھے۔

اس سے بھی زیادہ دلچسپ استعارے اور کنائے افسانے کے اس حصہ میں علوئے نگارش کا پتہ دیتے ہیں :۔

"وہ شمیم جو لطافت کے اعتبار سے غالب کا ایک شعر تھی جس کی آنکھیں سیاہ مخمل کی طرح "درخشندہ" تھیں ایسی آنکھیں جن میں تبسم ستاروں کی جھلملاہٹ کی طرح، جھلکتا تھا کیوپڈ کی اس سرخ کمان میں سے جسے شمیم کا لب کہا جاتا تھا" . . . . وہ شمیم . . . . جس کا وقار رفتار خرام ابر کی مثال تھا" اور جس کا لباس ایک ایسی آوارہ سی خوشبو میں غرق رہتا تھا گویا خود نکہتوں نے اس کے گرد "اپنے عطر افشاں پیراہن لپیٹ رکھے ہیں"۔

ادب اردو کے لئے ایسے افسانے سرمایۂ نازش اور باعث افتخار ہیں۔ اور میں عابد صاحب کو ان کی اس کامیاب طرز تحریر پر نوید مسرت پیش کرتا ہوں۔

ایڈیٹر

(۱)

رشید ایک عرصے سے ہوٹل میں سنگ مرمر کی گول خوبصورت میز پر دونوں کہنیاں ٹیکے ہوئے ۔ ۔ ۔ اس بلوریں جام کی طرف دیکھ رہا تھا جو شراب کے رنگ و بو کو محصور کئے ہوئے اسکے سامنے بجلی کی روشنی میں دمک رہا تھا۔

وہ ایک جانکاہ وحشت خیال میں مبتلا تھا۔ اور اس احساس کو عشرت عارضی کے اس سرور تاثر میں فنا کرنا چاہتا تھا۔ جو بلوریں جاموں سے نکلکر کام و دہن کو سیراب کرتا ہے۔ لیکن خیالات کے ہمہ گیر اثرات اسقدر جلد فنا پذیر ہونے والے نہ تھے اور تسلسل تخیل سے مجبور ہو کر اس نے ابھی تک شراب کے گلاس کو چھوا تک بھی نہ تھا۔

یکایک چونک کر اس نے گلاس اٹھا کر دو گھونٹ بھرے۔ اور پھر کھڑکی میں سے شیشے کے ان قطار در قطار چراغوں کی طرف دیکھا جو مختلف اطراف و جوانب میں جلتے ہوئے۔ اس طرح معلوم ہوتے تھے گویا سمندر کی سطح پر بڑے بڑے شب تاب جگنو تیر رہے ہیں۔ ایسے جگنو جو تیتریوں کی مملکت میں پیدا ہوئے ہوں اور پھر قوس قزح کے سے رنگ لیکر زمین پر اتر آئے ہوں۔

دور کئی ایک بلند عمارتیں۔ جو بجلی سے روشن تھیں۔ اس طرح نظر آرہی تھیں۔ گویا شام بہار کے ورق پر کسی حسین و جمیل نازنین کے دستی پنکھے کی تصویر کھینچی گئی ہے۔ جو نیلم اور لعل سے مزین ہو۔

رشید ۔ ۔ ۔ آج خلاف معمول اپنی زندگی کے گذشتہ واقعات پر غور کر رہا تھا یا شاید غور کرنا زیادہ سنجیدہ خیال کیا جائے۔ یوں کہنا چاہئے کہ گذشتہ واقعات کو اپنے ذہن میں دہرا رہا تھا۔

اسجگہ ماہرین طنزیات کہہ سکتے ہیں کہ مختصر افسانوں میں ہمیشہ ہیرو کسی شام بہار کی نکہت آفرین شادابیوں سے متاثر ہو کر ہی گذشتہ تسلسل حیات پر غور کیا کرتے ہیں۔ لیکن میں جواب دوں گا کہ اکثر اوقات حقیقی زندگی میں بھی اس طرح ہوتا ہے۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ سچ ہمیشہ افسانے سے زیادہ حیرت انگیز ہوتا ہے اسی لئے افسانہ نویس کو جھوٹ بولنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے نہیں تو کیا اگر وہ سچ کہدے تو آپ اس کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں؟

سب سے پہلے تاثرات جو کسی رنگین جذبہ سے لبریز ہوں۔ رفیعہ کے ساتھ کھیلنے اور پڑھنے کے تھے ان تمام کتابوں کو پڑھنے کے جن کے مطالعہ کے بعد ہمیں صرف یہ تاثر ہوتا ہے کہ ہم زندگی کے منزل اور اپنی حدود ذہنیت کے متعلق غیر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اس بے معنی اور با معنی سی دوستی کے (اگر یہ باطل نما حقیقت کسی طرح درست ہو سکتی ہے) جو اس کے اور رفیعہ کے درمیان محبت کی ایک طلائی مملکت کی بنیادیں رکھ رہی تھی۔

لیکن یہ تاثرات بہت جلد ان کیفیات میں فنا ہو کر رہ گئے جو جوانی سے مخصوص تھیں۔ اور اب وہ تصور میں رفیعہ کو اس عمر میں دیکھ سکتا تھا۔ جس کے متعلق شاعروں نے غزلیں لکھی ہیں۔ وہ رفیعہ جسکی آنکھیں آسمان کی طرح نیلگوں ہیں جس کا چہرہ آرزو کی طرح رنگین اور زرنگار تھا جس کے بالوں میں غیر مسطح گھونگر موجود تھے۔ ایسے گھونگر جن میں بہار کی راتیں الجھی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ اور جو موسیقی کی تانوں کی طرح لہریں لیتے تھے۔

اس وقت وہ دونوں رومانیت میں سرشار تھے۔ وہ رومانیت نہیں جس کے ذریعہ عشق کا دیوتا دل میں داخل ہو کر جسمانی مسرت کی ترغیب دیتا ہے۔ بلکہ وہ رومانیت جو روح کے تاروں کو چھیڑ کر سرمدی نغموں کو بیدار کرتی ہے۔ اس قسم کی رومانیت جس کے لئے صلیبی لڑائیاں لڑی گئی ہیں۔ جس کے لئے انقلاب

فرانس میں عورتوں نے جان دی، جس کے لئے عرب میں قبیلے
کٹ مرے جسکی وجہ سے ہندوستان تمدن کا گہوارہ مشہور ہوا۔
ان دونوں کو اس وقت معلوم نہ تھا کہ جبر کائنات انسان پر
حاوی ہے انہیں معلوم نہ تھا کہ ایک خاص وقت ایسا آتا ہے۔
جب زندگی کی دیوی اپنے بے پناہ ہاتھ سے عاشق کے لئے
ایک طرف جانے کا اشارہ کرتی ہے اور محبوب کے لئے دوسری
طرف رشید کو وہ دن جب اس نے رفیعہ کے ہاتھ میں ایک
ہیرے کی انگوٹھی پہنائی تھی اسیطرح یاد تھا جسطرح مجرم کو
اپنی قید کا پہلا دن یاد ہوتا ہے ۔

رشید کا ایک مخصوص انداز گفتگو تھا اور اس کی طبیعت
میں عشرت پرستی اس طرح راسخ تھی۔ کہ اس کی غیر موجودگی میں
جب کسی جگہ اس کا نام لیا جاتا تو یوں محسوس ہوتا گویا مسرت اور
موسیقی کا ایک سایہ گفتگو پر سے گذر گیا مبہم اور ایک طرح سے
روشن بالکل سایہ کی طرح ۔

اس دن اس نے اپنے خاص انداز میں باتیں کرتے ہوئے،
اور رفیعہ کے ہاتھ میں ایک ہیرے کی انگوٹھی پہناتے ہوئے کہا:
رفیعہ - میں تم سے اسقدر پیار کرتا ہوں کہ تمہارے بغیر میری
زندگی دوزخ ہے - میں تم سے اسقدر پیار کرتا ہوں کہ تمہارے
ساتھ میری زندگی دوزخ ہے ۔

پیاری، یاد رکھو۔ زندگی کے چار قانون ہیں -

پہلے قانون کو مذہبی قانون کہتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ پھول سے
بہت محبت نہیں کرنی چاہئے کہ پھول فنا پذیر ہے - یعنی ہر فنا
پذیر شے سے دل لگانا مہمل ہے ۔

دوسرے قانون کو معاشری قانون کہتے ہیں - وہ یہ ہے کہ
ہر باعزت شخص ہمیشہ دو عورتوں کو محبوب بناتا ہے اور ہمیشہ
اپنی عزت کی قسم کھاتا ہے کہ اس کا محبوب ایک ہی ہے -

تیسرا قانون علم النفس کا قانون ہے۔ وہ یہ ہے کہ جمیل
مرد کبھی مکمل عاشق نہیں بن سکتے ۔

چوتھا قانون اس انگوٹھی سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ انگوٹھی جو میں
تمہارے ہاتھ میں پہنا رہا ہوں - وہ یہ ہے کہ عین جس طرح انگوٹھی
تمہارے ہاتھ میں ڈھیلی ہے - مگر کوشش کی جائے تو گرنے
سے بچائی جا سکتی ہے - اسی طرح تمہاری فطرت گناہ کی تہ
میں گرنے کی طرف مائل ہے - لیکن وقت پر کوشش کرنے سے
بچائی جا سکتی ہے"

اور وہ ہنس پڑا تھا -

اسے یاد تھا کہ رفیعہ نے آنکھ میں آنسو بھر کے جواب دیا تھا "
پیارے، تم شبہ کرتے ہو میں تم سے محبت کی زنجیروں میں اسی طرح
بندھی ہوئی ہوں جسطرح کسی عورت کی کلائی چاندی کی
زنجیروں سے کسی ستارے سے باندھ دی جائے ۔"

اس واقعہ کے دو سال بعد انہیں اسی جبر کائنات کے ماتحت
جدا ہونا پڑا جو ہر انسان پر حاوی ہے - ان کی شادی ناممکن قرار
دیدی گئی رشید ۶ سال ہندوستان سے باہر پھرتا رہا - اور جب
واپس آیا تو ایران کی ایک عورت بیوی بنکر اس کے ہمراہ تھی تھوڑے
عرصے کے بعد اس نے رفیعہ کو پورے چھ سال کے بعد دیکھا اور
اسے یوں معلوم ہوا گویا اس کا دل پگھلا جا رہا ہے - اسے معلوم
تھا کہ رفیعہ آرزو کی طرح غیر محدود اور وسیع تھی - وہ اس وقت
تک ایک عورت تھی - جب تک اس کے بدن کا کوئی حصہ آپ سے
نہ چھوئے - جب تک اس کی نگاہوں کی بجلیاں آپ پر نہ گریں،
جب اس کے بدن کا کوئی حصہ آپ کو چھو جاتا تو وہ عورت ہی رہتی
لیکن آپ موم ہو جاتے ۔

ایک ماہ کے بعد اسے معلوم ہوا کہ رفیعہ بیمار ہے۔ اُسے رفیعہ کے
پیغام آئے لیکن اس نے جانا مناسب خیال نہیں کیا۔ آج رفیعہ
کا ڈاکٹر خود اس کے مکان پر آیا تھا اور یہ بات اچھی طرح اس کے
ذہن نشین کر گیا تھا۔ اگر وہ رفیعہ سے نہ ملیگا۔ تو اس کی زندگی
ختم ہو جائیگی ؎

وہ اس وقت بیٹھا ہوا۔ اسی مسئلے پر غور کر رہا تھا۔ ایک
شریف آدمی کی طرح غور کر رہا تھا لیکن وہ کسی ایسے نتیجے پر نہ
پہنچ سکا جس پر معمولی دل و دماغ کا شریف آدمی پہنچ جاتا ہے۔ شریف
آدمی پہلے کسی عورت کو اپنی محبت کی آگ میں جلا دیتا ہے۔ اور
وہ عورت اس کے کانوں پر اپنے شیریں اعترافِ محبت کی
موسیقی کی مہر۔ اور اس کے لبوں پر اپنے تازہ کار بوسوں کی مہر
لگا کر کائنات میں آوارہ چھوڑ دیتی ہے۔ پھر وہ شریف آدمی اپنی
محبوب کو چھوڑ کر کسی شریف گھرانے میں شادی کر لیتا ہے۔ اور
بعد ازاں محبوب کے بدلے اپنی بیوی کے حقوق کا خیال
کر کے کبھی اس سے ملنے نہیں جاتا۔ اس بے رحمی کو شریف آدمیوں
میں پاسِ عزت کہا جاتا ہے ؎

(۲)

رشید کا خیال رفیعہ کی موجودہ حالتِ بیوگی کی پرداخت
میں مصروف تھا کہ آزاد کمرے میں موجود ہوا۔ مصنف کو اس بات
کا احساس ہے۔ کہ کمرے میں موجود ہوا۔ نحوی اعتبار سے
شاید غلط ہو لیکن ان الفاظ کے علاوہ مصنف کو آزاد کے داخلے
کو بیان کرنے کے لئے۔ کوئی اور مناسب لفظ نہیں ملتے۔ درحقیقت
آزاد کمرے میں داخل نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ موجود ہو جایا کرتا تھا
چپ چاپ اور اچانک۔ اچانک اور چپ چاپ ۔

وہ رفیعہ کا بھائی تھا۔ اور اس کے چہرے پر چند ایک ایسے
متفکرانہ نقوش تھے۔ جو بوڑھوں کو یا حسینوں کو زیب
دیتے ہیں اس طرح کے نقوش۔ گویا وہ کسی سوچ میں
مستغرق رہتا ہے۔ بات کرتے وقت اکثر اوقات آسمان
کی طرف دیکھا کرتا۔ اور کوئی ضروری نہ تھا کہ اس کی گفتگو
کے فقرے آپس میں مربوط ہوں۔ سردیاں ہوں یا گرمیاں
وہ سن پروف کے ایک فراک کوٹ میں ملبوس نظر آتا۔ اس
بات کے متعلق اس کے دوستوں کا خیال ہے کہ وہ بے
پرواہ ہے۔ اور چند ایک کوتاہ بین دشمنوں کی حاسدانہ رائے
ہے کہ اس کے پاس کوٹ ہی ایک ہے۔ اگر کبھی آپ رسمی روایات
محبت کے ماتحت اس سے کہتے "تم بڑے گدھے ہو جی سردیوں
میں یہ کوٹ"

تو اس کے چہرے پر متفکرانہ نقوش اور زیادہ گہرے ہو جاتے
وہ کسی خیال میں مستغرق ہو جاتا گویا وہ سوچ رہا ہے کہ آپ
کے اس فقرے کے جو ادق الفاظ اور مغلق تراکیب سے مملو
معلوم ہوتا ہے کیا معنی ہیں۔ پھر جب آہستہ آہستہ اس کا ذہن
آپ کے مندرجہ بالا فقرے کے معنی سے ہم آغوش ہو جاتا۔ تو وہ
کہتا۔ "کوٹ۔ کوٹ سے آپ کا کیا مطلب ہے۔ جی توبہ۔ ذرا
محض زندہ ہونے کی حالت تنزل کا خیال تو کیجئے۔ کہنے لگے
کوٹ"۔

اور بغیر آپ کو سلام کئے رخصت ہو جاتا۔

آزاد رشید کو جانتا تھا بہت اچھی طرح جانتا تھا لیکن ان دونوں
کی ملاقات ان دوستوں کی سی نہیں تھی۔ جو چھ چھ سال کے طویل
عرصے کے بعد ملے ہوں۔ بلکہ اُن آشناؤں کی سی تھی جو کل ہی گھنٹوں
بیٹھے باتیں کرتے رہے ہوں۔

آزاد نے کہا۔ "تم نے شادی کر لی ۔

پھر گویا وہ یہ سوال کر کے بھول ہی گیا ہے۔ اُس نے کہا "مَیں
کہتا ہوں ہمارے ناول نویسوں کو کیا ہو گیا ہے بعض دفعہ
ایسی لغو جزئیات کا بیان کرنے لگتے ہیں۔ کہ یہ شبہ پیدا ہو جاتا
ہے۔ گویا کسی بتدی کی کوئی نظم پڑھی جا رہی ہے۔

اس کے بعد گویا ادب حاضرہ کے متعلق شکایات سے
خالی الذہن ہو کر اور رشید کے جواب کا انتظار کئے بغیر کہنے لگا۔
"رفیعہ بیمار ہے۔ تم شاید کبھی کبھی عیادت کو جایا کرتے ہو۔ لیکن
جاؤ تو میری طرف سے بھی مزاج پرسی کر لینا۔

رشید اس طرح کی غیر مسلسل گفتگو سن کر پریشان نہ ہوا
وہ بھی آزاد کو جانتا تھا بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ یہ شاید
اسی کا خیال تھا۔ کہ آزاد کی موت چپ چاپ اور اچانک
ہو گی اچانک اور چپ چاپ۔

"کل ڈاکٹر حسام الدین جو رفیعہ کا علاج کر رہے ہیں میرے
ہاں آئے تھے۔ تمہیں بھی تو اس نے بلا بھیجا ہے۔"
آزاد کے چہرے پر تردد کے نقوش پھر گہرے ہو گئے۔ پھر
وہ ہنسا۔"

مجھے۔ بے شرم رفیعہ۔ بے شرم"
رشید کو معلوم تھا کہ یہ دونوں بہن بھائی توام پیدا ہوئے
تھے۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ جسقدر قرب ان دونوں کی پیدائش
کے وقت ان دونوں میں موجود تھا اسی قدر بعد دشمنی
کے پیرائے میں مُدت سے اُن کے درمیان حائل تھا۔ لیکن
اس کا خیال تھا کہ شاید رفیعہ کی بیماری کے متعلق سن کر
آزاد نرم ہو جائے۔ رشید نے پوچھا
"کیا تم نہیں جاؤ گے"
"میں جاتا ہوں" اور آزاد بغیر سلام کئے اٹھ کر چلا گیا۔

آزاد کے چلے جانے کے بعد، دو شریف آدمی اس کی میز کے
قریب آبیٹھے:۔
ایک بولا "جانتے ہو یہ کون تھا۔"
دوسرے نے مصنوعی اشتیاق سے جواب دیا "کون"
"یہ آزاد تھا 'عصمت' کا مصنف"
"وہی ناول 'عصمت' نا جس میں ہیرو ایک نہایت راستباز
اور پاک خیال انسان ہے جو ایک حسین و جمیل پانزدہ سالہ نازنین
سے شادی کر لیتا ہے اور بعد ازاں بیوی کی گذشتہ سیاہ کاری
کے واقعات سن کے عصمت خیال کے لئے۔ خودکشی کر لیتا ہے"
"بے شک یہ تو ٹھیک ہے لیکن میں تمہیں ایک راز کی بات
بتاؤں درحقیقت آزاد نے یہ قصہ رفیعہ اور اس کے خاوند
کے حالات کے بیان میں لکھا ہے۔ رفیعہ کا خاوند آزاد کا نہایت
گہرا دوست تھا۔ دوست کیا تھا۔ آزاد کے لئے اس کی ذات
اُن تمام صفات کا مجموعہ تھی جو اسکے ذہن میں ایک مکمل انسان
کے لئے ضروری ہیں۔ آزاد کا خیال تھا کہ خلاقِ گناہ نے اپنی
معمولی تخلیق سے علیحدہ ہو کر صرف ایک دفعہ نیکی اور خلق کو انسانی
صورت میں متشکل کر دیا تھا۔ تمہیں معلوم ہے نا کہ رفیعہ کے خاوند نے
خودکشی کر لی تھی۔"
رشید چپ چاپ بیٹھا سنتا رہا۔

(۳)

اس شام کے بعد ضمنی واقعات سے مُصنف کو کوئی تعلق نہیں
وہ صرف اتنا بیان کرنا چاہتا ہے کہ اس کے بعد رشید انہیں
دلگداز اور روح پرور شعلوں کے لپیٹ میں آ گیا۔ جنہیں
عشق کہتے ہیں رفیعہ کے ایک دفعہ ملنے کے بعد پھر اس سے
دور رہنا ناممکن تھا۔ لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں

اور رسوائی رفعیہ اور رشید کو اپنے دوش پر اٹھائے اڑائے لئے پھری سب ان کا عشق عشق نہ تھا۔ ایک روشن گناہ تھا۔ کیونکہ عشق اس وقت عشق ہے جب تک گمنامی کے پردوں میں مستور ہے۔ اس کے بعد رسوائی کی ایک کیفیت ہے ÷

اس دور میں جو حالت رشید کی بیوی شمیم کی تھی اسے کون بیان کرے گا وہ شمیم جو لطافت کے اعتبار سے غالب کا ایک شعر تھی جس کی آنکھیں سیاہ مخمل کی طرح درخشندہ تھیں ایسی آنکھیں جن میں تبسم ستاروں کی جھلملاہٹ کی طرح جھلکتا تھا۔ کیوپڈ کی اس سرخ کمان میں سے جسے شمیم کے لب کہا جاتا تھا۔ اس کے دانتوں کی شفاف آبداری اس طرح روشن تھی جس طرح لعل میں ترشے ہوئے ہیرے کا پیوند ہو۔ وہ ہیرے کا پیوند جو سورج کی روشنی میں ہزاروں پہلوؤں سے منعکس ہو رہا ہو۔ اس دور میں وہ غمگین اور بہت ہی غمگین تھی۔ اور تبسم کی جگہ سیاہ پتلیوں میں ایک جانگداز اندوہ کا احساس سو رہا تھا۔ لیکن اس طرح سو رہا تھا۔ کہ ذرا چھیڑنے پر گرم گرم آنسوؤں کی صورت میں بیدار ہو جاتا تھا۔ وہ شمیم جس کی گفتگو کی موسیقی سے الفاظ و معانی کی مملکت میں نشاط کی موجیں پیدا ہوتی تھیں جس کا رفتار خرام ابر کی مثال تھا اور جس کا لباس ایک ایسی آوارہ سی خوشبو میں غرق رہتا تھا گویا خود نکہتوں نے اس کے گرد اپنے عطر افشاں پیراہن لپیٹ رکھے ہیں ÷

ایک دن رشید سے مل کر جاتے وقت آزاد نے شمیم کا اشک آلود چہرہ اتفاقاً کھڑکی میں سے جھانکتے ہوئے دیکھا اور اسے یوں محسوس ہوا گویا مصیبت چپ چاپ اور اچانک اچانک اور چپ چاپ اس کی زندگی میں داخل ہو گئی ہے۔ اسے شمیم کا اشک آلود چہرہ اپنی نگاہوں کے سامنے ہر وقت فضا میں تیرتا ہوا نظر آتا تھا اس اشک آلود چہرے کا خیال کر کے وہ پاگل سا ہو گیا وہ چاہتا تھا کہ اس چہرے کو مسکراتا ہوا دیکھے جو غم کے احساسات میں غرق ہو کر بھی اس قدر نشاط افروز تھا اور آزاد کیوپڈ کی اس سرخ کمان پر جسے شمیم کے لب کہا جاتا تھا تبسم کو رقصاں دیکھنے کے لئے مارا گیا چپ چاپ اور اچانک مارا گیا اچانک اور چپ چاپ کیونکہ اس واقعہ کے ایک ہفتے کے بعد اخبارات نے یہ خبر شائع کی۔

"کل ایک نہایت افسوسناک حادثہ وقوع پذیر ہوا مسٹر آزاد بی اے (ناظرین کو یاد ہو گا کہ وہ مشہور ناول عصمت کے مصنف تھے) نے اپنی ہمشیرہ رفیعہ کو گولی مار کر ہلاک کر دیا اور بعد ازاں خود ایک کوئیں میں ڈوب کر مر گئے۔ دونوں لاشیں اسوقت پولیس کے ہسپتال میں رکھی ہیں۔ کل ہم اس دلگداز واقعہ کے متعلق پوری تفصیلات شائع کریں گے ÷"

اور رشید کے گھر شمیم کی محبت کی دیوی محبت کی تقدیر پر ہنس رہی تھی۔

میں چاند دیکھوں گا!

اثر

ساغر نظامی

کروں اے ہم نفس نظارۂ بزمِ فلک کیونکر
کہ فرصت ہی نہیں ہے جیبِ غم سے سر اٹھانے کی

در و دیوار جب سے مٹ گئے اٹھتی نہیں نظریں
اک افتادہ زمیں سی رہ گئی ہے عیش خانے کی

طلوعِ ماہ و شرقِ مہر دو جاری فسانے ہیں
بکھر کر روز ملجاتی ہیں کڑیاں ہر فسانے کی

زمیں کا منظرِ تاریک بینائی بھی لے ڈوبا
تماشائے فلک کیونکر کریں آنکھیں زمانے کی

نظر پر کیا اثر ہو دلفریبیٔ مناظر کا
مرے ہونٹوں میں اب ہمت کہاں ہے مسکرانے کی

زمیں میں قوتیں اپنی نظر کی جذب کرنے دے
کہ اک دن لوٹنی ہیں وسعتیں اس کارخانے کی

عقیدت کی بلندی پر نئی دنیا بناؤں گا
کہ سجدوں میں اٹھا لایا ہوں خاک اک آستانے کی

وہ دنیا آسمان جس پر نہ ہو اور چاند ہوں لاکھوں
جنہیں قسمت نہ ہو عادت نکل کر ڈوب جانے کی

چمن ہوں وہ چمن جن میں خزاں آتے ہوئے لرزے
ارم بن بن کے جھومیں جن میں شاخیں آشیانے کی

جہاں تنظیم ہی تنظیم ہو تفریق کے بدلے
ضرورت ہی نہ ہو قانونِ قومیت بنانے کی

جہاں ہر سانس میں بوئے بقائے جاودانی ہو
جہاں باقی نہ ہوں یہ کاوشیں مٹنے مٹانے کی

نقوشِ عجز و پامالی کو جس دن ماند دیکھوں گا
تو پھر اے ہم نشیں میں سر اٹھا کر چاند دیکھوں گا

معیار

(یعنی موجودہ رسائل پر نقد و نظر)

نوید صوبۂ بہار کو بنگال کی ہمسائگی نے اردو کی پرورش سے ایک حد تک محروم کر دیا ہے لیکن جب اردو کی درخشانیاں اپنی عالمگیر قوت و مقبولیت کے سہارے ملک کے ہر گوشہ میں گنجائشیں پیدا کر رہی ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ صوبۂ بہار تک ان کی کرنیں نہ پہنچیں نوید صوبۂ بہار کا ایک ادبی رسالہ ہے جسے مولوی عبدالباری صاحب ساقی کی فاضلانہ اور مدبرانہ ادارت حاصل ہے رسالہ کی ترتیب و تدوین سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب ساقی خصوصیات ادارت سے بخوبی آگاہ ہیں علمی و ادبی مضامین ٹھوس نظمیں تاریخی و سیاسی انکشافات یہ سب ایسی باتیں ہیں جنہیں دیکھ کر نوید کا مستقبل بہت زیادہ روشن نظر آتا ہے اور نوید کی رفتار ترقی بہت ہی امید افزا ہو جاتی ہے ۱۹۲۵ء میں نوید کی حالت بُری نہ تھی لیکن کتابت و طباعت کی نفاستیں اس میں آج سے پہلے اس درجہ درخشاں نہ تھیں۔ فروری اور مارچ ۱۹۲۶ء کا نوید اپنی نفاستِ کتابت اور پاکیزگی طباعت کے لحاظ سے بھی نہایت عالی اور روشن ہے۔ ٹائیٹل کا جمال اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایک پرستش گاہ ہے جسے ذوقِ سلیم سجدہ کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے ؛

مضامین کی حیثیت سے نوید ایک بلند معیار رسالہ ہے۔ فروری اور مارچ میں (میری نظم کے علاوہ) جتنے مضامین ہیں سب بلند و لطیف مفید اور کار آمد ہیں لیکن نوید کا وہ عنصر جو حقیقتاً اپنی ہستی کو ممتاز بناتا ہے "علم السیاسیات" کے تراجم ہیں میں ہی نہیں، غالباً ہر شخص اس بات کو مفید خیال کرتا ہے کہ اردو کے خزانہ کو علمی اور بالکل ٹھوس علمی کتابوں کے ترجموں سے مالا مال کیا جائے۔ مولوی عبدالباری صاحب ساقی کو میں مبارکباد دیتا ہوں، کہ وہ اس خدمت کو انجام دے کر اردو کو بہت ممنون فرما رہے ہیں ؛

صوبۂ بہار کے اس واحد ادبی رسالہ کو ترقی دینے کے لئے ہر صوبہ کے اہلِ علم و صاحب ذوق حضرات کو کشادہ دلی اور فراخ حوصلگی سے کام لینا چاہئے۔ پیمانے کی مصروفیتوں نے گو مجھے بے حد مصروف کر لیا ہے لیکن نوید کے علمی و ادبی وقار عظمت اور فاضلانہ جاذبیت نے مجھ سے عہد لے لیا ہے کہ میں ہمیشہ اپنی خدمات مولانا ساقی کے سامنے پیش کرتا رہوں۔ اسلئے مجھے اپنے معزز احباب سے بھی امید ہے کہ وہ نوید کی طرف اپنی توجہات کو ہر نوعیت سے مبذول رکھیں گے ؛

*

ہزار داستان لاہور (پنجاب) ایک موقت الشیوع رسالہ ہے جس کی آٹھویں جلد کا دوسرا نمبر اس وقت میرے سامنے ہے پہلے ہزار داستان کے آنریری ایڈیٹر مولانا حکیم احمد شجاع (رئیس لاہور) تھے اور غالباً وہی اس کے مالک بھی تھے مگر اب یہ رسالہ "انجمن ارباب علم پنجاب" کا ایک ماہوار آرگن ہو گیا ہے جس کے مدیر اعزازی میرے کرم دوست سید عابد علی عابد بی اے ایل ایل بی وکیل اور

مدیر سید علی حسین قریشی بی۔اے (آنرز) ہیں۔ انجمن ارباب علم پنجاب لاہور کی ایک ممتاز انجمن ہے جس کے صدر خان بہادر شیخ عبد القادر بی۔اے بیرسٹر ایٹ لا اور سکریٹری بلیغ الملک مولانا تاجور نجیب آبادی ہیں۔ یہ انجمن اپنی علمی و ادبی ترقیوں میں ہر لمحہ ایک نیا قدم آگے رکھنے میں کامیاب ہو رہی ہے۔ اور اس کے اراکین نشر علم و ادب میں بہت گہری دلچسپی لے رہے ہیں۔ ایک ایسی انجمن کا آرگن یقینی ایک کامیاب آرگن اور مشعل شاہراہ کہا جاسکتا ہے ؞

ہزار داستان کا ادبی معیار نہایت نفیس متناسب اور لطیف ہے۔ اور اسکی ممتاز خدمت فسانہ نگاری کی اشاعت ہے۔ ہزار داستان میں اکثر فسانے ایسے شائع ہوتے ہیں جن کی بنا پر بہت زور سے کہا جاسکتا ہے کہ ہزار داستان کے صفحات ہندوستان کو روشنی کے ساتھ یہ بتاتے ہیں کہ فسانہ، فسانہ نگاری اور اصول فسانہ نگاری کیا ہیں۔ ہزار داستان کے افسانوں کے مطالعہ سے بیک نظر معلوم ہو جاتا ہے کہ ہندوستان افسانہ نگاری کی کونسی منزل پر ہے۔ ہزار داستان میں ملک کے اکثر مشہور شعراء کا کلام بھی شائع ہوتا ہے نظموں میں رنگ جدید قائم رکھا جاتا ہے۔ لیکن قدیم طرز کا کلام موزوں شائع کرنے میں بھی تامل نہیں ہوتا۔ ہزار داستان ایک حد تک بیرونی مضمون نویسوں کی نازبرداری سے بے نیاز ہے اسلئے کہ ہزار داستان کے اسٹاف میں خود اچھے اچھے لکھنے والے موجود ہیں۔ اور میں تو ہزار داستان کو بعض اعتبارات سے کائنات ادب کی ایک نہ ڈھلنے والی چاندنی رات سمجھتا ہوں جس کی ٹھنڈی مگر ناطق فضائیں اکثر میری دماغی کاوشوں کو پیام آسودگی دیتی رہتی ہیں۔ اور جس کے بے حد روشن صفحات پر اکثر "شام تاریک" کی دوشیزہ کلیاں مشام نظر کو معطر اور جذبات فطری کو نکہت بار بنا دیتی ہیں ؞

نیرنگ خیال

نیرنگ خیال کی تبریک عید۔ اور مشاعرہ جموں کی صلح طرازی یہ دونوں برکتیں فضائے تعلقات میں اس وقت نازل ہوئیں جبکہ فروری کا پیمانہ شائع ہوچکا تھا۔ اور جس کی اشاعت کا مجھے بے حد افسوس ہے۔ بہر حال افسوس یا خوشی کے ساتھ اگر کسی ناگوار سلسلہ کا اختتام ہو جائے تو اسے ایک ایسے زمانہ میں غنیمت سمجھنا چاہئے جبکہ دنیا یکسر پرخاش اور ہمہ تن فسا بنی ہوئی ہے جہاں خلوص و محبت کے عنصر سپرد خاک کئے جاچکے ہیں۔ اور جس کے غرض پرست افراد میں محبت کے تیر کھانے کی گوارائی قطعاً باقی نہیں رہی ہے۔ "نیرنگ خیال" نے "عید نمبر عید" سے چند روز قبل شائع کر کے اپنی مستعدی محنت کوشش اور توجہ کا پورا ثبوت دیا ہے دو مہینے کے بعد یہ ایک رسالہ شائع ہوا ہے اس لئے اس کا حجم ۱۳۶ صفحات اشتہارات کے علاوہ ہے اس میں ۲۰ مختلف تصویریں ہیں۔ جن میں ساقی کی رنگین تصویر میرے لئے جتنی بادہ آفرین اور خلاق کیف ہے شاید ہی کسی کے لئے ہو فہرست مضامین پورے دو صفحے میں آئی ہے۔ موضوع عید پر نثر مضمون تو صرف دو تین ہیں مگر نظمیں متعدد ہیں۔ ایک مشاعرہ کا انتخاب ہے ۶ غزلیں ہیں ۲۔ ۷ کارٹون ہیں۔ فسانے ہیں۔ ایک ایک صفحہ کی ۶ کہانیاں ہیں۔ اور سب کے بعد معارف تہذیب النسوان۔ جامعہ ہمایوں ہیل۔ قوس و قزح زمانہ الناظر اکبر، مرقع اور پیمانے کے انتخابات ہیں۔

لاہور کے ایک ادبی مبصر نے اپنی رائے میرے سامنے ان الفاظ میں ظاہر کی کہ عید نمبر میں کمزور مضامین زیادہ ہیں تصویریں انگریزی اخباروں سے لی ہیں۔ اور ترتیب میں کوئی خاص تنظیم و انضباط نہیں ہے۔ مگر میں نے نہائیت زور کے ساتھ ان سے عرض کیا کہ دو سال اس سے زیادہ اور کیا پیش کر سکتے ہیں۔ آج اگر اس عید نمبر کی پذیرائی کشادہ دلی سے پبلک میں ہو جائے تو سال آئندہ جو عید نمبر نکلیگا وہ یقیناً اس سے بہتر اور بلند ہوگا۔ لیکن ہمارے ملک میں نقص نکالنے والے زیادہ اور ہمت افزائی کرنے والے بہت کم ہیں ؞

بہرحال معززمدیر نیرنگِ خیال کی یہ ادبی سرگرمیاں قابلِ مبارکباد ہیں ضرورت ہے کہ ملک کی بیداریاں ان مساعی کا پُرجوش خیرمقدم کریں تاکہ ملک کے ایسے ہونہار رسالوں کو مزید ترقیوں کا آسان موقع مل سکے ؁

تجلّی

دنیا میں بعض دماغ ایسے بھی ہیں جو سب سے الگ ہوکر اپنے لئے ایک بالکل نیارا ہی بنالیتے ہیں اور اپنی یکہ رانی و تنہا روی پر اتراتے ہوئے دوسروں کو ہونٹوں اور آنکھوں کے کناروں سے دیکھتے ہوئے گذرے چلے جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں میں یہ پندار ہوتا ہے کہ ہم ملک و قوم کے ایسے افراد میں سے ہیں جن کو خدا نے مافوق الفطرت دماغی، اخلاقی، اور قومی جذبات سے سرفراز فرمایا ہے اس لئے انہیں اپنے ما یفعل اور ما یقول میں ایک عجیب آمیز ندرت و وقار نظر آتا ہے۔ انہیں افراد میں سے میرے مکرم مولانا ظہور احمد وحشی شاہجہانپوری بھی ہیں۔ جو پہلے "دین و دنیا" کے ایڈیٹر تھے۔ اور اب "تجلّی" کے دامنوں میں پناہ لئے بیٹھے ہیں۔ تجلّی کے مضامین اہلِ ملک کے لئے مفید اور کارآمد ہوتے ہیں لیکن نہ اتنے جتنا کہ قابل مدیر انہیں سمجھتے ہیں۔ یا سمجھانا چاہتے ہیں۔ موضوعاتِ معمولی میں کوئی موضوع ایسا نہیں ہوتا جو لوگوں کے دماغوں میں نہ گونج چکا ہو اور کوئی رائے ایسی نہیں ہوتی جو نتیجتاً اُن موضوعات پر غور کرنے کے بعد ہر شخص قایم نہ کرسکے۔

دوسروں پر پھبتیاں اڑانا دوسروں کی تضحیک و تذلیل اور تردید و تجیص اس رسالے کا اصولِ خصوصی ہے۔ اور ساتھ ہی اپنے منہ سے اپنی تعریف کرنا بھی اس کی ایک تجلّی مختصر ہے ؁

"تجلّی" کی خصوصیات گنواتے ہوئے فاضل مدیر کا دعویٰ ہے کہ تجلّی میں لفظی آتش بازی نہیں ہوتی میں بھی اسے تسلیم کرتا ہوں اور اس دعویٰ کی دلیل پیش کرتا ہوں کہ جو مضامین بچوں کی زبان میں یا بازاری اور دوکانداری زبان میں لکھے جائیں گے اُن میں ادبی و اصطلاحی الفاظ یا نئی ترکیبیں لانے کی ضرورت بھی کیا ہے خصوصاً جبکہ اس کا لکھنے والا نئی ترکیبوں اور اچھے الفاظ سے دلچسپی نہ رکھتا ہو یا ناواقف ہو۔ ادبی رسالوں کو اردو کا خزانہ پُر کرنے کی فکر ہے اسلئے وہ جدید علمی و ادبی اصطلاحات وضع کرنے کے لئے مجبور ہیں آپ صرف دوکانداری کرنا چاہتے ہیں اس لئے ایسی زبان لکھنا آپ کا فرض ہے۔ جو کم علم گاہک کی سمجھ میں آسکے ؁

انہیں خصوصیات میں سے ایک خصوصیت تجلّی کی یہ بتائی گئی ہے کہ صرف اس کے مالک و ایڈیٹر کی شخصیت ایک ہے یہ بات کس قدر کوتاہ نظری اور عدم واقفیت پر محمول ہے حالانکہ نگار معارف مرقع صلائے عام پیمانہ سوئیدہ ہمایون وغیرہ متعدد رسالے ایسے ہیں جنکے مالک خود اپنے رسایل کے مدیر ہیں کیا اس کا علم تجلّی کی اس خصوصیت کے لئے جراحت منفعل نہیں ہے؟

پانچویں خصوصیت اس سے زیادہ مجروح ہے ———— رسالہ زیرِ تنقید میں پورے ۱۰ صفحات پر صرف تجلّی بکڈپو کے اشتہارات ہیں۔ مولانا یہ عریاں تر سفید جھوٹ ایک ایسے شخص کے لئے کہاں تک قابلِ سرزنش ہے جو اپنی ہستی کو ایک مصلحِ قوم اور مہذبِ اخلاق کی حیثیت سے ملک کے سامنے پیش کرنے کا دعویدار ہو ؁

تجلّی کی بہترین خصوصیت یہ ہوسکتی ہے۔ کہ وہ ایک شخصی رائے کے ماتحت اصلاحی مضامین کا رسالہ ہے اور بس یہ پھر بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اس جمہوریت پسند زمانہ میں یہ شخصی رائے قوم و ملک کے حق میں مفید ثابت ہوسکتی ہے یا نہیں ؟

اسوۂ حسنہ مرحوم اور رسالہ دین دنیا" کی روشوں کو ذرا ترقی دے کر اور پھیلا کر اس رسالے کے نصب العین میں شریک کر دیا گیا ہے جو نہ کوئی نئی شاہراہ ہے نہ کوئی نئی سبیل الرشاد ہے ۔صرف وہ شہرت جو "دین دنیا" کے سرِ صفحہ پر نام لکھے جانے سے صاحبِ تجلی نے حاصل کر لی ہے "تجلی" کی پذیرائی میں کچھ کام کر رہی ہے ❊

صاحبِ تجلی کا ایک دعویٰ معیار پر لانے کے قابل اور ہے فرماتے ہیں ۔ "آپ رسالۂ تجلی میں ایک سطر اور ایک شعر بھی ایسا نہ پائینگے جو اعلیٰ ادبی مذاق اور زبان کے بلند معیار سے گرا ہوا ہو" لیکن اسی رسالے کے صفحہ ۴۳ پر "معلوماتِ دہلی" کے تحت میں فرماتے ہیں "اور وہ معلومات ہو گی" سبحان اللہ کیا معیارِ زبان ہے ۔ دوسرے کالم کی یہ سطریں ملاحظہ ہوں ۔"لاہور کے ایک موقر معاصر نے ایک مضمون کی سرخی قلمبند کی ہے "مینڈھوں والا چودھری" مضمون کیا اک افسانہ ہے معاصر مذکور قوم کی جانب سے مستحق مبارکباد ہے کہ کاتب نے یہ سرخی لکھتے وقت کسی (سلیبل) کو آگے پیچھے نہ کر دیا اور لفظی ٹکڑوں کو ٹھیک ٹھیک لکھا ورنہ ادبی دنیا میں ایک ہلچل پیدا ہو جاتی" فاضل مدیرِ تجلی کا ذہن اس عنوان کو دیکھتے ہی جس متبذل اور رکیک کنایہ کی طرف منتقل ہو گیا ۔ وہ اعلیٰ ادبی مذاق کی ایک ادنیٰ مثال ہے

ہر انسان ناقص اور محدود الفہم ہے ۔ اور اس کلیہ سے قرنِ ماضی کی طرح آج بھی کوئی مستثنیٰ نہیں اس لئے اپنے نقائص پر پردہ ڈالنے کے لئے دوسروں کی عیب کشائی کرنا گویا دوسروں کی خاموشی سے فائدہ اٹھانا ہے ۔ اردو اپنی ترقی و عروج کے ابتدائی نہیں تو وسطی مراحل طے کر رہی ہے ۔ راستے میں پھول کلنٹے ۔ موتی پتھر جو کچھ اسے ملتا ہے یہ اپنی گود میں رکھ لیتی ہے کوئی رسالہ ایسا نہیں جو رطب و یابس سے پاک ہو سب میں کچھ خوبیاں اور سب میں کچھ نقص ضرور ملیں گے لیکن یہ زمانہ ان نقائص پر تنقید کرنے کا نہیں ہے ۔ بلکہ سلامت روی سے گذر جانے کا ہے ۔ تنقید وہ نسلیں کریں گی جو ہمارے بعد ہماری جگہ لیں گی زیادہ اچھا یہ ہے کہ اگر کسی میں کوئی نقص ہو تو اُسے زبانی ہدایت کر دی جائے یا بالواسطہ سمجھا دیا جائے اور اگر کوئی ایسا نقص ہو جس سے قوم کے کسی طبقے یا فرداً فرداً افرادِ قوم کو یا ملک کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اُس پر تنقید بھی نامناسب نہیں ۔ لیکن تنقید محض عیب جوئی تک ہی محدود و منحصر نہ ہو ۔ بلکہ معائب و محاسن دونوں پر مشتمل ہو یہ ایک صحیح طریقہ ہے جو اتحادِ معاصرین کے لئے ضروری ہے ۔ ورنہ اس کے برعکس زبان سب کے منہ میں اور قلم سب کے ہاتھ میں ہے ❊

میں تجلی پر یہ مطول بحث کبھی نہ کرتا ۔ لیکن مجھے صرف یہ بتانا مقصود تھا کہ انسان کامل بننے کی کوشش کرنا بدعت سیئہ اور ہوسِ خام ہے انسان انسان ہی بنا رہے تو اچھا ہے فرشتہ بننے کی کوشش میں اپنی حد سے گذر جانا ہلاکت و فنا میں اپنی ہستی کو جھونک دینا ہے ❊

ساغر نظامی

پیمانہ

مارچ ۱۹۲۶ء

خلاصۃ الباب

پہلو نشینِ تاج

(ستی النسا خانم)

(اثر: مولانا علم الدین سالک بی۔ اے)

مازندران ایران کا ایک مشہور و معروف علاقہ ہے۔ اس علاقہ میں آمل ایک عجیب و غریب شہر ہے۔ یہ بلبلوں کی وجہ سے خاص طور پر مشہور عالم ہے۔ یہاں ایک خاندان اپنی علمیت۔ قابلیت۔ اور طبابت کی بنا پر خاص شہرت رکھتا تھا۔ اس کی شہرت اس قدر عام تھی کہ ایرانی و ہندوستانی امراء اور عمائدین سلطنت اس خاندان سے نسبت پیدا کرنا اپنے لئے باعث صد نازش و افتخار سمجھتے تھے۔

ستی النساء اسی خاندان کی چشم و چراغ تھی۔ وہ آمل میں پیدا ہوئی اور وہیں نشو و نما پائی۔ طالب آملی ملک الشعرائے دربار جہانگیری اسکا چھوٹا بھائی تھا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ستی النساء نے قرآن کریم حفظ کیا۔ پھر امورات خانہ داری میں دسترس حاصل کی۔ اور جب وہ سن رشد کو پہنچی تو علم طب کے اکتساب کا شوق اس کے دل میں پیدا ہوا۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں وہ اس فن دقیق میں ماہر ہوگئی۔

ستی النساء کی شادی حکیم نصیرائے کاشی سے ہوئی۔ یہ حکیم رکنائے مسیح کا سگا بھائی تھا۔ حکیم رکنائے کاشی ایک زبردست شاعر اور فاضل ادیب تھا۔ تاریخ ادبیات ایران میں وہ اس لحاظ سے امتیازی حیثیت رکھتا ہے کہ میرزا محمد علی صائب تبریزی اس کے دامن علم و فضل میں پرورش پاکر دربار صفویہ کا ملک الشعراء منتخب ہوا تھا۔ صائب کی نکتہ آفرینیاں اور فلسفہ آمیزیاں حکیم موصوف ہی کی نکتہ طرازیوں کا نتیجہ ہیں۔

ستی النساء اپنے بھائی کو دل و جان سے عزیز رکھتی تھی۔ اور طالب بھی اس کی عزت و تکریم والدہ سے بڑھکر کرتا تھا۔ جب طالب نے اہل وطن کی ناقدری سے تنگ آکر ہندوستان کا رخ کیا تو ستی النساء اس کی یاد میں ماہئ بے آب کی طرح تڑپتی تھی۔ اور ہر وقت دعائیں مانگتی تھی کہ کہیں سے اس کا پتہ چلے۔ مگر طالب کی بدبختی اسے قندھار۔ ملتان۔ لاہور۔ دہلی اور آگرہ میں لئے لئے پھرتی تھی۔ وہ ایک درگاہ سے دوسری درگاہ کا رخ کرتا تھا۔ مگر کچھ نہ کچھ واقعات اس قسم کے پیش آجاتے کہ وہ ایک مقام پر قرار گیر نہ ہو سکتا تھا۔ آخر کار چودہ برس کی دریوزہ گری اور آوارگی کے بعد وہ دربار جہانگیری کا ملک الشعراء مقرر ہوا۔ چنانچہ جہانگیر چودہ سن جلوس کے واقعات میں اس کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے۔

"دریں تاریخ (ششم بہمن ماہ الٰہی) طالب آملی بخطاب

ملک الشعرا خلعتِ امتیاز پوشید۔ اصل او از آمل است"[1]

ستی النساء کے لئے یہ بات ناممکن تھی کہ وہ طالب کا پتہ بہم پہنچائے کیونکہ وہ اس وقت تک گوشہ گمنامی میں مقیم تھا۔ ملک الشعراء

[1] توزک جہانگیری صفحہ ۲۸۶

ہوتے ہی اس کا چرچا عام ہونا شروع ہوا۔ چنانچہ ستی النساء کو بھی اس کی اطلاع ملی۔ وہ سراپا شوق بن کر اپنے خاوند کی معیت میں ایران سے آگرہ آئی۔ اس سفر کی غایت فقط بھائی کی ملاقات تھی۔ مگر قسمت کی برگشتگی ملاحظہ ہو کر جب وہ سفر کی کٹھن منزلیں طے کرنے کے بعد منزل مقصود پر پہنچی تو طالب اپنے ولی نعمت اور آقائے نامدار کے ساتھ دورہ میں تھا۔ ہمشیرہ کی آمد کی خبر کسی نے اسے بھی جا سنائی۔ دیرینہ آتش اشتیاق بھڑک اٹھی۔ فوراً مندرجہ ذیل قطعہ لکھا جہانگیر کے حضور میں پیش کیا۔ اور طالب رخصت ہوا۔

صاحبا ذرہ پرور اعرشے[۵۱] بزبان سخن دراست، مرا،
پیر ہمشیرہ است غم خوارم کہ باو مہر مادراست مرا
چاردہ سالہ بلکہ بیش گذشت از نظر دور منظراست مرا
دور گشتم زخدمتش بہ عراق دیں گنہ جرم اکبراست مرا
او نیا ور دتاب دوریٔ من کہ بہ مادر برابر است مرا
آمدینک بہ آگرہ وز شوق دل طپاں چوں کبوتراست مرا
می کند دل برائے او آہنگ چہ کنم شوق رہبر است مرا
گر شود رخصت زیارت او بہ جہانے برابر است مرا

جہانگیر نے زادراہ دیکر طالب کو آگرہ بھیج دیا۔ دونوں بھائی بہن ملے۔ دکھ درد کی کہانیاں سنائی گئیں۔ ستی النساء خوش تھی کہ چودہ برس کا بچھڑا ہوا بھائی اسے مل گیا ہے۔ مگر اسکی یہ مسرت و نشاط اور بہجت و انبساط زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ کیونکہ قضا کے زبردست ہاتھ نے اس کے سر کا تاج زبردستی اس سے چھین لیا۔ اس کا سہاگ رنڈاپے سے بدل گیا۔ اور اس سے تھوڑے ہی عرصہ بعد ۱۰۳۶ھ میں اس کا پیارا بھائی عین عالم شباب میں اس سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا۔[۵۲]

صرصر حوادث کی ان صبر آزما اور حوصلہ شکن تیز و تند آندھیوں سے اس کا عیش و آرام بالکل منغص ہو گیا۔ اب اسے اس امر کی ضرورت پیش آئی کہ وہ اپنی قوت لا یموت کے لئے کسی درگاہ کی آستاں بوسی کرے۔ چنانچہ اس نے ارجمند بانو بیگم الملقب بہ ممتاز محل عرف تاج بی بی کے آستان فلک نشان کا رخ کیا۔ بیگم نے اسکی لیاقت و کیاست اور سلیقہ شعاری دیکھ کر اسے اپنی پیش خدمتوں میں ملازم رکھ لیا۔ چونکہ وہ نہایت قابل۔ لائق۔ فاضل اور خوش گفتار و خوش الحان تھی اور ان سب سے بڑھکر امورات خانہ داری اور سلیقہ شعاری میں بے مثل و بے عدیل تھی اس لئے وہ قرابت اور تقرب کے تمام مدارج طے کرتی ہوئی تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی مدارالمہام بن گئی۔ ستی النساء نے اپنے فرائض منصبی اس خوش اسلوبی اور دیانتداری سے ادا کئے کہ بیگم نے مہرداری کی معزز خدمت اس کے سپرد کر دی۔ انہیں ایام میں اس امر کی ضرورت پیش آئی کہ جہاں آرا کی تربیت کے لئے کوئی فاضلہ مقرر کی جائے۔ سب کی نظر انتخاب ستی النساء پر پڑی۔ ع

---

[۵۱] کلیات طالب آملی [۵۲] میخانہ عبدالنبی۔

پسلی پھڑک اٹھی نظر انتخاب کی۔

چنانچہ یہ خدمت بھی اسی کے سپرد ہوئی۔

صاحب مآثر الامرا[1] کا بیان ہے کہ شاہی محلوں کی خیرات بھی اسی کے ذریعہ تقسیم ہوا کرتی تھی۔ وہ اس طرح کہ جب وہ کسی فلاکت زدہ بیوہ کی داستان کلفت یا کسی غریب دوشیزہ کی خبر مصیبت سنتی تو وہ اس امر کی اطلاع ممتاز محل کو پہنچاتی بیگم صاحبہ اس تمام واقعہ کی خبر بادشاہ سلامت کے گوش گذار کرتیں بس پھر کیا تھا ستی النساء کی اطلاع بیگم صاحبہ کی سفارش اور بادشاہ کی فیاضی سے مصیبت زدہ جہان کا ادبار اقبال سے بدل جاتا۔

۱۶۳۱ء میں جب ممتاز محل فوت ہوئی تو محلات شاہی کا انتظام ستی النسا کے سپرد ہوا۔ گو برائے نام ان تمام امورات کی منصرم جہاں آرا بیگم تھی مگر در پردہ تمام انتظامات ستی النساء کے صلاح و مشورہ سے ہی روپذیر ہوتے تھے۔ علاوہ ازیں شاہزادگان کی شادیاں اور سالگرہ کے جشن بھی اسی کے اہتمام سے رونق گیر ہوتے تھے۔

ستی النساء کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اس نے طالب آملی کی دونوں لڑکیوں کو اپنی اولاد کی طرح پالا۔ اور انہیں تعلیم و تربیت سے آراستہ کر کے ان کی شادیاں کیں بڑی لڑکی کی شادی تو عاقل خان سے ہوئی اور چھوٹی کی حکیم ضیاء الدین المخاطب بہ رحمت خان بن حکیم قطبہ سے یہ نصیرائے کاشی کا برادر زادہ تھا اور ستی النساء کے ایماء پر ہندوستان آیا تھا اور اسی کے اثر اور رسوخ سے دربار شاہجہانی میں باریاب ہوا تھا۔ چھوٹی لڑکی کو وہ دل و جان سے چاہتی تھی۔ اس لئے جب ۱۰ جنوری ۱۶۴۷ء کو وہ تکلیف زچگی سے بمقام لاہور فوت ہوئی تو ستی النساء کے دل پر غم و الم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور وہ اس کے غم میں ماتم نشین ہوئی شاہجہان کو جب اس امر کی اطلاع ملی تو وہ اپنی دختر بلند اختر (جہاں آرا بیگم) کی معیت میں اس کے مکان پر عزاداری کے لئے گیا اور اسے تسلی و تشفی دیکر اپنے ساتھ محل شاہی میں لے آیا۔ دوسرے روز بادشاہ شکار کھیلنے کے لئے چلا گیا ستی النسا اپنے گھر آئی۔ کھانا پکایا۔ اور شام کی نماز پڑھ کر قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول ہو گئی۔ کوئی آٹھ بجے ہوں گے کہ وہ یکایک چلا اٹھی "میرے[2] گلے میں خراش ہو رہی ہے اور دم گھٹا جاتا ہے" اسی وقت حکیم مسیح الزمان طلب کیا گیا۔ اور ساتھ ہی اس کا داماد ضیاء الدین بھی آپہنچا جب[3] وہ اس کے کمرہ میں داخل ہوئے تو وہ تعظیم کے لئے جھکی۔ اور ابھی وہ سیدھی ہو ہی رہی تھی کہ غش کھا کر گر پڑی حکیم صاحب نے نبض پر ہاتھ رکھا تو معلوم ہوا کہ نبض بدستور چل رہی ہے اتنے عرصہ میں حکیم ضیاء الدین غشی دور کرنے کی دوا تیار کر لایا۔ مگر اب یہ بالکل لاحاصل تھی کیونکہ اس کے دل کی حرکت بند ہو چکی تھی۔ یہ واقعہ بیس سن جلوس مطابق ۱۰۵۶ھ بمقام لاہور روپذیر ہوا۔

چوبیس جنوری ۱۶۴۷ء کو یہ اطلاع شاہجہان کو شکار گاہ میں ملی۔ اس نے پسماندگان کے نام تعزیت نامہ لکھا اور دس

---

[1] مآثر الامرا جلد دوم) [2] نفسم تنگی می کند و حالے خود را متغیر مے بینم (بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۶۱۳)

[3] پس از آمدن حکیم بہ تعظیم او فرود آورد و ہمی کہ سر بر داشت بہ پہلو افتاد و چوں نبض ہنوز حرکت داشت تا دو گھڑی حکیم و رحمت خان۔ (ضیاء الدین) بگمان غشی در پئے مداوا آمد و مد بعد از سکون نبض ظاہر شد کہ از یں جہاں در گذشت (بادشاہ نامہ جلد دوم) صفحہ ۶۱۳)

ہزار روپیہ اس کی تجہیز و تکفین کے لیے عطا کیا۔ اور حکم دیا کہ اس کی لاش کو امانت کے طور پر کسی محفوظ مقام پر سپرد خاک کیا جائے۔
چنانچہ دربار شاہجہانی کا فاضل مؤرخ ملا عبدالحمید لاہوری ان واقعات کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے۔

بیست و ہفتم ذی الحج ۱۰۵۶ھ در اثنائے آنکہ اورنگ آرائے جہاں بانی در سمت باغ فیض بخش نشاط اندوز نخچیر بودند بعرض اقدس رسید کہ عصمت نقاب عفت مآب ستی النساء خانم بسفر آخرت رخت ہستی بر بست مظہر رحمت الٰہی و منشائے رافت نامتناہی از استماع ایں سانحہ تاسف نمودہ حکم فرمودند کہ ملا علاء الملک میر سامان کہ در شہر بود دہ ہزار روپیہ از خزانۂ عامرہ برائے تجہیز و تکفین آں مغفورہ دادہ سرانجام کارہائے ناگزیر ایں امر ناگزراں نیکو نمودہ ہمراہ چندے از بندہ ہائے درگاہ با حکیم مسیح الزمان و عاقل خان و رحمت خان در رسانیدن آں نقاب گزین عدم بمنزل نخستیں، رفیق باشند او بطریق امانت سپردہ آمد[۵۱]

شاہجہان کے حکم سے روضۂ تاج محل کے مغرب کی جانب جلو خانہ کے متصل تیس ہزار روپیہ کی لاگت سے ایک نہایت، عالیشان مقبرہ ایک سال سے کچھ اوپر عرصہ میں بن کر تیار ہوا[۵۲] اور ستی النساء خانم کی لاش لاہور سے آگرہ میں منتقل کی گئی۔ قبر کے اخراجات کے لیے ایک گاؤں عطا ہوا جس کے محاصل تین ہزار روپیہ سالانہ تھے[۵۳]

ملا عبدالحمید لاہوری پادشاہ نامہ میں خانم موصوفہ کے اخلاق و عادات کا تذکرہ کرتا ہوا لکھتا ہے[۵۴]

واز کاروانی و شیوہ زبانی و شناسائے آداب بندگی و رسوم خانہ داری و آشنائی بفن طب و طرق معالجات در پیش گاہ تقرب صدر نشین فردوس المعلےٰ حضرت مہد علیا ممتاز الزمانی کار خود از جمیع خواتم قدیمہ گزرانیدہ ——— از علم قرأت آگاہ بود و کلام الٰہی نیکو تلاوت مے کرد و سواد فارسی نامہ ہائے نظم و نثر چنانچہ باید داشت"

---

۵۱ پادشاہ نامہ جلد دوم ص ۶۲۸-۹ ۔ ۵۲ پادشاہ نامہ جلد دوم ص ۶۲۹ +
۵۳ پادشاہ نامہ جلد دوم ص ۶۲۹ ۔ ۵۴ ایضاً ص ۶۲۹ +

جُرمِ ہُو

اے ظلمتِ شامِ جنون وجہ پریشانی نہ پوچھ
اے پرتوِ سوزِ درون تمہید حیرانی نہ پوچھ

اے یاس و حرمان کے الم میں کشتۂ جذبات ہوں
کیا پوچھتا ہے درد دل افسردہ سامانی نہ پوچھ

واماندۂ صحرا ہوں میں منزل سے کوسوں دور ہوں
بھڑکی ہوئی ہرنی ہوں میں میری گماں جاتی نہ پوچھ

جب درد دل افزوں ہوا آہیں دہواں بنکر اٹھیں
بڑھنے لگا سوزِ جگر شعلہ بدامانی نہ پوچھ

میں اک حجابِ درد ہوں کیا پوچھنا مژگان نم
ہوں خوگرِ مشقِ الم اشکوں کی ارزانی نہ پوچھ

"ہو" "ہو" میں ڈوبی ہے فضا دنیا سے جی گھبرا گیا
اب کیا بتاؤں حال دل میری پریشانی نہ پوچھ

کردے غزالہ آہ کو صرفِ مذاقِ آرزو
پھر کھو گئی میں ہوش سے "ہو ہو" کی جولانی نہ پوچھ

میمونہ غزال

برگ گل

برگِ گل! اے آئینہ دارِ رخِ زیبائے حسن
اے حجابِ دلفریبِ محمل لیلائے حسن

اے لبِ رنگینِ تو صبحِ بہارِ گلستان
اے کہ بر شوخیِؑ تو رقصدِ ہزارِ گلستان

اے کہ تو پردہ نشین قصرِ رنگین بہار
اے خم عنبر فشانِ زلفِ مشکین بہار

رازدارِ بزمِ گل اے محرمِ حسنِ بہار
غنچہ ہائے باغِ رضوان تیری نزہت پر نثار

ہو نہ ہو شاید دلِ خون گشتۂ بلبل ہے تو
کوئی تیغِ آبدار و خون چکانِ گل ہے، تو

اک ورق افسانۂ خونین کا ہے بلبل کے تو
کیا گلابی ہو گیا ہے اشک سے دل دل کے تو

برگِ گل! تجھکو خبر ہے حسن کے انجام کی؟
کیا تجھے پروا نہیں ہے اپنی صبح و شام کی

ہنس نہ اتنا اپنے حسن دلربا کو دیکھکر
خون آخر روئے گا شام قضا کو دیکھ کر

جسم نازک سوکھ کر نذرِ خزاں ہو جائے گا
رازِ حسنِ چند روزہ پھر عیاں ہو جائیگا

آرسی سمجھا ہے نادان قطرۂ شبنم کو تو
آئینہ سمجھا ہے اپنے دیدۂ پرنم، کو، تو،

میں چمن میں ہوں سراپا سوز و سازِ آرزو
اور تیری زندگانی بے گدازِ آرزو"

سلطانہ اقبال

میری نئی دُنیا

جب سے میری شادی ہوئی ہے مَیں محسوس کر رہی ہوں کہ ایک بالکل نئی دنیا میری نگاہوں کے سامنے ہے۔ اور وہ تمام سامان بدل چکے ہیں جو شادی سے پہلے میری مسرت کا سبب تھے۔ مجھے میکہ میں کسی قسم کی تکلیف نہ تھی مگر والدین کی نگرانی ان کا ادب ان کا احترام اور ان کے حکموں کی تعمیل میں میرا ہر سانس مصروف تھا۔ صبح سے شام تک مَیں ایک پاؤں سارے گھر میں پھرتی رہتی تھی اور تمام خانگی کاموں کی ذمہ داری گویا میرے ہی کاندھوں پر تھی ؂

مَیں اپنی بہنوں اور اپنے بھائیوں میں سب سے بڑی ہوں۔ اس لئے ان سب کی تربیت بھی میرے ہی سپرد تھی۔ مَیں ان کاموں کی انجام دہی میں نہایت مستعدی سے مصروف رہتی۔ کیونکہ مَیں جانتی تھی وہ میرا گھر ہے اور مجھے اپنی عمر کے لحاظ سے سب سے زیادہ کام کرنے اور اپنی بزرگ ماں کو آرام دینے کی ضرورت ہے ؂

شادی کے بعد مجھے ایک بالکل نئے گھر میں آنا پڑا ہے۔ یہاں کے رکھ رکھاؤ انتظامات قاعدے۔ طریقے غرضیکہ تمام باتیں بدلی ہوئی ہیں۔ میری طبیعت یہاں بالکل نہیں لگتی۔ دن بھر خاموش رہتی ہوں ؂

کل میری ایک سہیلی ملنے آئی تھی۔ میری طبیعت اُس سے ملکر بہت خوش ہوئی۔ مَیں خوب روئی اور اسے الگ کمرہ میں لے جاکر اپنی اس نئی زندگی کی مصیبتیں اس کے سامنے رونے لگی۔ وہ بہت ہنسی۔ اور میری داستانِ غم سننے کے بعد اس نے کہا ؂

"رشیدہ! تم بے وقوف ہو ہر لڑکی کو اپنا میکہ اس عمر میں چھوڑ دینا پڑتا ہے اور خسرال میں تمام عمر زندگی بسر کرنی پڑتی ہے۔ مگر مَیں تم سے کہتی ہوں کہ تم اپنے شوہر کے گھر کو بھی اپنے لئے میکہ سے زیادہ بہشت بنا سکتی ہو اور یہاں بھی تمہیں وہ آزادی اور مسرت حاصل ہو سکتی ہے"؂

اُس نے میرے بال سنوارتے ہوئے نہایت خوشگوار لہجے میں اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے کہا:۔

"تم سمجھتی ہو کہ تمہارے خاموش اور سُست رہنے سے تمہاری ساس یا شوہر پر کوئی اچھا اثر پڑیگا اور وہ تمہاری تکلیفِ احساس سے اثر لیکر تمہیں میکے بھیج دیں گی۔ یہ بالکل غلط خیال ہے۔ تم جتنی پریشان رہو گی اتنی ہی تمہاری تکلیفیں زیادہ ہوتی چلی جائیں گی۔ دُلھن! اب اپنا اصولِ زندگی بدل ڈالو۔ صبح سے شام تک اُسی مستعدی اور خوشی سے یہاں بھی گھر کے کام کرو جیسے تم اپنے میکہ میں شریک کار رہتی تھیں شام ہو جانے کے بعد اپنے شوہر کے حقوق کو دماغ میں اور اس کی محبت کو دل میں بیدار کرو۔ جب وہ تمہارے خلوت خانے میں داخل ہو ایک خوبصورت تبسم سے اس کا استقبال کرو۔ اس کا مزاج پوچھو۔ جو بات کرو مسکرا کر۔ جو کچھ کہو مسرور ہو کر۔ جب تک وہ تمہارے پاس رہے تم اپنے اخلاق اور طاعت سے مسحور کرنے کی کوشش کرو۔ اس کے حکموں کی تعمیل میں اپنا لہو پسینہ ایک کردو۔

اور سمجھو کہ نہیں بلکہ یقین کر لو کہ وہ تمہارا حقیقی مالک ہے اور تم اس کی زندگی کو خوشگوار یا غیر خوش گوار بنانے کی ذمہ دار ہو۔"

میرا چہرہ ذرا شگفتہ دیکھا تو اس نے پان بنا کر خود بھی کھایا مجھے بھی دیا۔ اور پاندان بند کرتے ہوئے ایک کامیاب بلند آواز سے اس نے سلسلۂ گفتگو پھر شروع کر دیا۔

"بیشک تمہاری ساس تمہاری ماں نہیں ہیں لیکن جب تم اپنی ماں کی طرح ان کی خدمت کرو گی ان کا کہنا مانو گی اور ان کے کاموں میں ایک سعادت مند بیٹی کی طرح دن بھر مدد دو گی تو وہ ماں سے زیادہ تم پر مہربان ہو جائیں گی مطلب تو انہیں یہ شکایت ہے کہ دلھن دن بھر سر جھکائے بیٹھی رہتی ہیں نہ کچھ کہتی ہیں نہ سنتی ہیں" مگر پھر وہ ہی تمہاری تعریف کرنے لگیں گی اور اگر خدانخواستہ تمہیں ذرا بھی ملول دیکھینگی تو بے چین ہو جائیں گی۔ رشیدہ تم کل سے اپنے اصولِ زندگی بدل کر تو دیکھو۔ گھر کے تمام کام اپنے ہاتھ میں لے لو۔ اور ساس سے کہہ دو کہ بس" اب آپ آرام فرمائیں یہ کنیز تمام کام انجام دیگی" ملازمہ عورتوں سے سلیقہ اور بردباری کے ساتھ کام لو۔ اس گھر کو اپنا گھر سمجھو۔ اور سوچو کہ اب تو یہیں مرنا جینا ہے پھر دیکھنا یہی سسرال تمہارے لئے جنت بن جائے گی اور تم میکہ کا نام بھی نہ لو گی"

یہ دن بھر سست پڑا رہنا۔ کوئی کام نہ کرنا منہ سے نہ بولنا بیماروں کی سی صورت بنائے رہنا۔ شوہر کی طرف ملتفت نہ ہونا سسرال کو دشمن کا گھر سمجھنا۔ میکہ کی محبت کو دل میں پرورش کرنا دیدہ و دانستہ شوہر کے گھر کو اپنے لئے دوزخ بناتا ہے۔ اپنے گھر میں تم خود مختار تھیں۔ گر یہاں خود مختار ہو سکتی ہو۔ اپنے گھر میں تمہیں ایک بیٹی کی طرح رہنا پڑتا تھا مگر یہاں عروس بن کر زندگی گذار سکتی ہو یہاں تمہارے لئے حقیقی مسرتوں کے سامان زیادہ ہیں جو وہاں کسی طرح نصیب نہ ہو سکتے تھے۔ یہ تمہارے شوہر کا گھر ہے۔ وہ تمہیں دل میں جگہ دے کر اپنی زندگی کا پھول بنانا چاہتا ہے تم کیوں مرجھائی جاتی ہو۔ اچھا کھاؤ اچھا پہنو مسرور رہو اور دوسروں کو مسرور رہنے کا موقع دو"

میری سہیلی نے یہ باتیں کچھ اس طرح کیں کہ میرے دل میں اثر ہونے لگا میں نے دیکھا کہ دل میں ایک نیا جذبہ پیدا ہونے لگا ہے وہ آنکھیں دلیں اور تھیں جو کھلنے لگی ہیں مجھے اپنے گردو جانب اطمینان سکون خوشی آزادی اور عیش کے سامان نظر آنے لگے۔ اور خواہ مخواہ میں سمجھنے لگی کہ میں تو ایک ملکہ ہوں ایک سلطانہ ہوں ایک عروس ہوں، گھر کی چیزیں مجھے سجدہ کرتی ہوئی نظر آنے لگیں۔

میں ایک موج کی طرح اٹھی اور مسکراتی ہوئی اپنی خوشدامن کے پاس پہنچی۔ انہیں سلام کیا اور مسکرا کر کہا "اماں جان سہیلا آئی ہیں آپ کو سلام کہتی ہیں میں چاہتی ہوں کہ شام کے کھانے پر انہیں مدعو کر دوں، آپ اجازت دیدیں۔

پچھلے مہینے میں پہلا دن تھا کہ میں نے اپنی ساس سے اتنی باتیں کیں انہوں نے مجھے اٹھ کر گلے لگا لیا میری بلائیں لیں دعائیں دیں اور کہنے لگیں "بیٹی تمہارا گھر ہے مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر ان کا حرج نہ ہو تو دو چار دس پانچ روز رہیں تو اچھا ہے تمہارا جی تو بہلیگا" مجھے اس جواب سے ایسی خوشی ہوئی کہ سیروں خون جسم میں بڑھ گیا۔ میں فوراً سہیلا کے پاس آئی اور میں نے اسے گلے لگا کر عہد کیا کہ اب میں کبھی میکہ کو سسرال پر ترجیح نہ دوں گی۔ پیاری سہیلا! تم نے مجھے زندگی کی نجات اور حقیقی خوشی کا راستہ بتا دیا میں تمام عمر تمہاری ممنون رہونگی

سہیلا نے مجھے دعا دی اور ہنس پڑی۔ اس دن سے میں نے اپنے اصول بدل ڈالے۔ اب میں نہایت خوش ہوں۔ اپنے شوہر کے گھر کی ملکہ ہوں اور اس کی کنیز۔ انکا گھر میرے لئے فردوس ہے اور میں ایک سکونِ مجسم حور کی طرح اسے اور زیادہ قابل مسرت بنانا چاہتی ہوں۔

رشید خاتون

معلومات

پیمانہ

مارچ سنہ ۱۹۲۶ء

خلاصۃ الباب :

(۱) مصر کی قدیم مورتیں اور عبادت گاہیں
(۲) قدیم مصری عمارات کے تصویر دار حروف
(۳) مصری لاٹین
(۴) مصر کے دو جنبی بت

تصاویر

(۱) عبادت خانہ ادفو (مصر) کی پیشگاہ کا ایک حصّہ
(۲) مصر کی ایک مرمت شدہ عبادت گاہ کا اندرونی حصّہ
(۳) مصر کے شہر ڈینڈیرا کا عبادت خانہ

ایڈیٹر

تاریخی معلومات

مصر کی قدیم مورتیں اور عبادت گاہیں

(مسلسل)

اس صحن سے ملی ہوئی ایک پیشگاہ ہے جو ۷۵ فیٹ چوڑی اور ایک سو گیارہ فیٹ طویل ہے اس پیشگاہ میں ۲۴ ستون ہیں جو آٹھ آٹھ کے حساب سے قطاروں میں تقسیم ہیں۔ ادفو (مصر) میں سہ گوشہ دیوار اور پیشگاہ کے درمیان صرف ایک صحن ہے جس کے طول میں ۱۲-۱۲ ستون ہیں۔ ان ستونوں کے اوپر عمارت کی دیوار تک پتھر کا سائبان ہے جو ۲۷ فیٹ بلند ہے لیکن اس مقام کے حالات ابتری اور دیسی باشندوں کی جھونپڑیوں کی وجہ سے سیاحین کو معلوم نہیں ہو سکتے بہرکیف ادفو میں جو پیشگاہ ہے اس کی تصویر ناظرین کی دلچسپی کے لئے اس صفحے پر ثبت کی جاتی ہے +
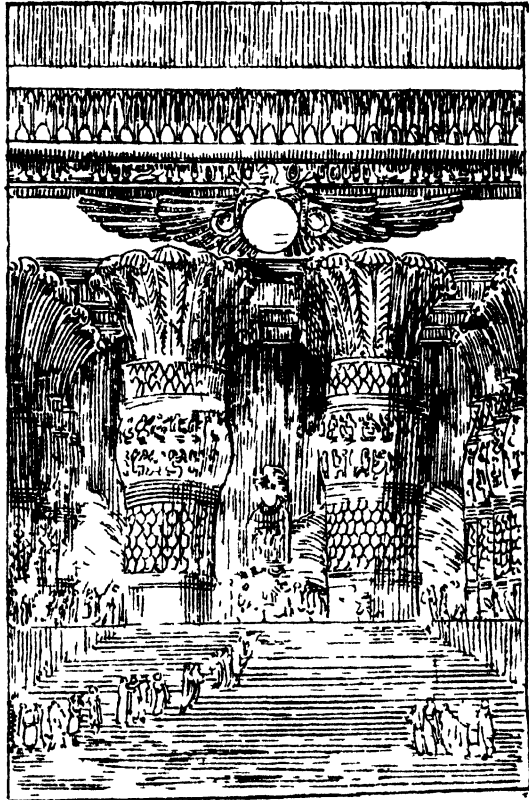
عبادت خانہ ادفو (مصر) کی پیشگاہ کا ایک حصہ

عبادت خانہ ادفو (مصر) کی پیشگاہ کا ایک حصہ

اس پیشگاہ میں "ضلع کے معبود" کی پرستش ہوتی تھی مصریوں کی بنائی ہوئی پیشگاہیں متعدد ستونوں کی قطاروں پر مشتمل ہیں جو عمارت کے حصۂ پیشین کے دائیں بائیں قائم کئے گئے ہیں۔ ہر قطار میں ۱۶یا ۱۸ ستون ہیں جو دو دو تین تین قطاروں میں تقسیم ہیں۔

ان پتھر کے ستونوں کے دیکھنے سے پہلے تو یہ خیال ہوتا تھا کہ یہ محض آرائش کی وجہ سے بنائے گئے ہیں لیکن پھر معلوم ہوا کہ مصر میں لکڑی کے اتنے موٹے لٹھے جو عمارات میں ستونوں کی جگہ قائم کئے جاسکتے کم ملتے تھے۔ دوسرے یہ کہ ایک عمارت کے صدیوں تک قائم رکھنے کے لئے بڑے مستحکم اجزائے تعمیری کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مصریوں کا نقطۂ نگاہ ہمیشہ مستحکم رہا اور یہ حقیقت انکی بنائی ہوئی عمارتوں سے بہت زیادہ واضح ہوتی ہے۔ مشہور مصری عمارتوں میں چھت تک بڑے بڑے پتھروں سے بنائی جاتی تھی۔ چھتوں کی بناوٹ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مصری عمارتوں میں مستحکم ستونوں کی سخت ضرورت تھی۔

مصری عمارات کے ستون صورت، انداز اور بالائی زیبائش میں متفرق ہوتے تھے۔ بعض گول چو پہل اور بعض اٹھ پہل تھے۔ اکثر ستونوں کی جڑوں میں پیالے نہیں دیئے جاتے تھے اور بنیاد جب قائم کی جاتی سادہ اور مربع قائم کی جاتی ستونوں کے بالائی حصوں یا چوٹیوں میں بڑا تفاوت ہوتا۔ اکثر ایک عمارت میں تمام ستونوں کی نوعیت مختلف ہوتی تھی بعض ستونوں پر صرف سادہ چوکیاں اور بعض پر گلدان نما چوکیاں ہوتی تھیں۔ جن پر تصویر دار حرف کندہ ہوتے تھے۔

ولکنسن مصر کے قدیم شہر تھیبس کے متعلق لکھتا ہے۔ کہ "ٹین ٹیرا جس کے اصلی معنی" اتھر کا مسکن" ہے بظاہر اتھر دیوی کے نام سے مشہور ہوا اور وہاں کا بڑا عبادت خانہ اُس دیوی کے نام پر مخصوص کیا گیا۔ صرف اس لئے کہ وہاں اس کی بڑی پرستش ہوتی تھی۔ دوسرے طیبیریوس قیصر کے ایک یونانی کتبہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

طیبیریوس کے زمانہ سلطنت میں ایک عالی شان پیشگاہ کا اضافہ اس قدیم عمارت میں کیا گیا اس عبادت گاہ کی تعمیر سے قبل مصریوں کی سنگتراشی اور نقاشی مدت سے مائل بہ زوال تھی اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس زمانے کی دیواریں اور عمارتیں زیبائش کی کمی اور بے ترتیب تصویر دار حروف کی زیادتی کی وجہ سے کم حیثیت معلوم ہوتی ہیں تاہم اپنے زمانے سے قبل کی عمارتوں سے عالیشان ہیں۔ یہ پیشگاہیں بطالمی شاہان مصر اور قیصران روم کے عہد میں بنائی گئی ہیں۔

ڈینڈیرہ (مصر) کے عبادت خانے کے لئے بھی ولکنسن کا یہ بیان صحیح مانا جاسکتا ہے کیونکہ وہ زیادہ مسلّم ہونے کی وجہ سے مصر کی قدیم عمارتوں میں زیادہ قابل لحاظ ہے اس کے ستون بھاری اور عجیب صورت کے ہیں۔ اس کے دالان خوبصورت اور متناسب ہیں پیشگاہ کی چھت پر "منطقۃ البروج" کی اشکال کھچی ہوئی ہیں۔ جن کی بابت محققین میں زبردست مباحثے ہوچکے ہیں۔ لیکن یونانی کتبوں اور قیصروں کے باتصویر ناموں کے مشاہدہ سے جو اندرونی و بیرونی دیواروں پر کندہ ہیں یہ تحقیق ہوا ہے کہ اس عمارت کو تعمیر ہوئے ۱۹سو برس سے زیادہ گذر چکے ہیں +
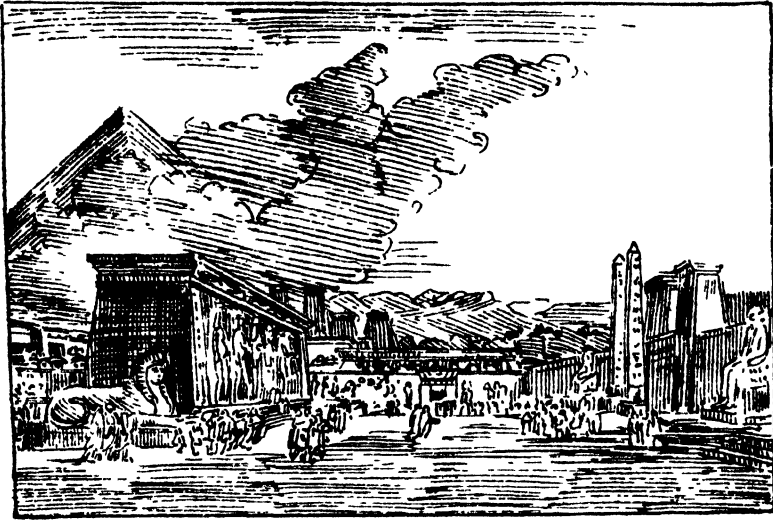
مصر کی ایک مرمت شدہ عبادت گاہ کا اندرونی حصہ

اس عبادت خانے کے اندر دائیں بائیں دو بڑے بت ایک احاطے کا پھاٹک لاٹین سہ گوشہ دیواریں اور چند بت ہیں۔ یہ عمارت بہت سی کوٹھریوں پر مشتمل ہے جن میں سے شاید بعض کاہنوں اور پرستاروں کے لئے تھیں عبادت خانے کے پیچھے ایک پوشیدہ بتکدہ ہوتا تھا جس میں سب سے زیادہ متبرک بت رکھا جاتا تھا۔ جہاں صرف بادشاہ اور کاہن جا سکتے تھے پرستشگاہ کے چاروں طرف احاطے تھے جو عوام کے کام آتے تھے۔

جب ہم قدیم مصری عبادت خانوں کی شان۔ خوبصورتی نقاشی اور سنگتراشی پر غور کرتے ہیں تو بیک وقت احساس ہوتا ہے کہ ان کے باطل مذہب میں کچھ اچھی باتیں بھی شامل تھیں لیکن غور کے بعد یہ احساس فوراً تباہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مصریوں کی بت پرستی میں درپردہ خونریزیاں ہوتی تھیں اور وہ انسانوں کی قربانیاں بھی اس ضمن میں جائز خیال کرتے تھے۔ ان کے مذہب کے اثرات لوگوں میں غلامی وحشت اور جہالت پیدا کرتے تھے۔ انسانوں کا جاہل رہنا ان کے مذہب کی رو سے گویا فرض تھا۔ کاہنوں میں کوئی روحانیت نہ تھی بلکہ وہ اپنے مکر و فریب سے بادشاہوں اور امیروں کی دولت کو اپنا کرنا چاہتے تھے۔ اور اپنے اس خیال میں نہایت آسانی سے کامیاب ہو جاتے تھے۔

قدیم مصری عمارات کے تصویردار حروف

مصر کی اکثر عمارات پر انسان وغیرہ کی اشکال کثرت سے تراشی گئی ہیں دیکھنے والے ان کی تعمیر کو محض ضرورتِ آرائش پر مبنی کرتے ہیں لیکن حقیقتاً وہ ایک قسم کے تصویردار نوشتے ہیں جن کے ذریعہ مصری اپنی آرائے کا اظہار اور اپنا تذکرہ کرتے تھے جیسے کہ آج حروف کے ذریعہ ہم اپنی ہر بات کا اظہار کر سکتے

ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ہر قوم کو اس کا شوق رہا ہے کہ وہ اپنی معاشرت اپنی طرز حیات اور اپنے عظیم معرکوں کو کسی طرح آیندہ نسلوں تک پہونچا دے لیکن اکثر قوموں کا یہ مغرور ارادہ کہ بنی آدم کی قدیم تر روایات کی خبر زبانی پہونچائی جائے انتشار انسانیت کا باعث ہوا ہے۔ خبروں کے محفوظ رکھنے کے لئے ایک قسم کا سادہ نظام تجویز ہوا جس کے ذریعہ احوال منتقل ہوتے تھے۔ طویل زمانے کے بعد ایک نظام اور بنا یعنی احوال اور مطلب کی تصویریں پایدار اشیاء پر تراشی جانے لگیں۔ قرون وسطیٰ میں ایسی تدابیر سمجھ لینا نہایت آسان تھا۔ لیکن اب کہ زمانے منقلب ہو چکے ہیں ہم قدیم انسانوں کے مبہم اشارے کیونکر سمجھ سکتے ہیں۔ تاہم موجودہ دماغی ارتقاء نے قیاس سے بڑے بڑے کام لئے اور آخر کھوج لگا ہی لیا معلوم کر ہی لیا۔ کہ یہ تصویریں حروف کی حیثیت سے کیا معنی رکھتی ہیں۔ مثلاً

ایک تیر کی تصویر لڑائی کا نشان ہو سکتی ہے اور جس شہر سے لڑائی ہو وہاں کے کسی خاص پھول کے نقش سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ لڑائی اس شہر سے ہوئی تھی ؂

لیکن مصریوں نے ان تمام باتوں سے پرواز کر کے بڑے بڑے نقشے والے حروف ایجاد کئے یوروپین محققین نے بڑی کوششوں اور جانفشانیوں کے بعد ہدایت نامے لکھے جن کے ذریعے سیاح قدیم مصری عمارتوں کے اکثر کتبے اور اکثر تصویریں پڑھ سکتے ہیں۔ اور معلوم کر سکتے ہیں کہ انسان کی تخلیق شکلوں نے مصوری اور نقاشی سے تحریر اور نگارش کا کیونکر کام لیا ؂

مصری لاٹیں

دریائے نیل کے کنارے سب سے خوشنما اور خوبصورت عمارتیں ہیں شاید وہ آرایش کے لئے تعمیر کی گئی ہوں لیکن یہ خیال بھی صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ بادشاہوں کے اعمال و اخلاق کے اظہار کے لئے بنائی گئی تھیں۔ ان مصور حروف کے معنی موجودہ زمانے کے فاضلوں نے معلوم کئے ہیں اور اس علم سے ہمارا دوسرا خیال مستند ہوتا ہے ؂

یہ لاٹیں اکثر دو دو تعمیر ہوتی تھیں۔ اور عبادت خانوں کے دائیں بائیں کھڑی کی جاتی تھیں بعض لاٹیں ۶۰-۷۰ اسی اسی فیٹ بلند ہوتی تھیں اور ہر لاٹ کسی چٹان میں سے مسلم بنائی جاتی تھی۔ رلکیسر (شہر) کی لاٹوں کے چاروں پہلو تصویر دار حروف سے منقش ہیں جو نہایت زیبائش کے ساتھ کھدے ہوئے ہیں ؂

مصر کے دوجنسی بُت

مصر کی دوجنسی مورتیں یعنی نصف انسانی اور نصف حیوانی مورتوں کا تذکرہ بھی بے حد دلچسپ ہے یہ مورتیں اس طریقے سے تیار کی جاتی تھیں کہ آدھا جسم عورت کا اور آدھا شیر کا بنایا جاتا تھا تاہم ان عجیب تراش کی مورتوں کی ترکیب میں کوئی خاص قاعدہ معلوم نہیں ہوتا۔ کرناک کے عبادت خانے والی دوجنسی مورتوں میں مینڈھے کا سر ہے۔ اور لندن کے عجائب خانے میں بھی ایک مورت ہے جس کا سر باز کا سا ہے۔ راسا ایسمبول کی عبادت گاہ سے نکالکر بیلزونی نے لندن بھیجا تھا ؂

ان مورتوں کے دیکھنے سے صرف دو اندازے ہوتے ہیں (۱) یہ کہ یہ محض عبادت خانے کی زیبائش اور آرائش میں اضافے کرنے کے لئے بنائی جاتی تھیں (۲) یہ کہ مصریوں کے دیوتاؤں کی ہیبت اور جلال کا اظہار مقصود ہوتا تھا۔ دریائے نیل کے دونوں کناروں پر عموماً

دیوتا (جسکی شکل مینڈھے کی سی تھی) پوجا جاتا تھا جہاں سکندر پرستش کا خواہشمند ہو کر گیا تھا +

مصر کے شہر ڈینڈیرا کا عبادت خانہ

مصر کے فرازی حصے میں ایک شہر ڈینڈیرا واقع ہے جس کا عبادت خانہ مصر کے کُل قدیم کھنڈروں میں زیادہ مسلّم اور بے حد وقیع خیال کیا جاتا ہے +

ڈینڈیرا تھیبس کے شمال میں ۱۰ کوس کے فاصلے پر ایک مزروعہ میدان میں ہے جو دریائے نیل کے دونوں کناروں پر پھیلا ہوا ہے میدان کے ہر طرف پہاڑ ہیں۔ اس شہر کا رقبہ سوا کوس ہے یہ قدیم عمارتوں کے ٹیلوں کھنڈروں پر کچھ پختہ اور کچھ خام اینٹوں سے بنا ہوا ہے۔ یہ مشہور عمارت صحرائے لبیا کی عین سرحد پر واقع ہے اور یہاں کے اکثر مقامات ریت کے نیچے دب گئے ہیں۔ جو نظر آتے ہیں وہ اسد رجہ عالی شان اور خوبصورت ہیں جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر کے قدیم باشندے دولت والے اقبال مند اور علم و ہنر کے ماہر تھے +

ڈینڈیرا کے عبادت خانے کی بنیاد ایک چبوترہ پر رکھی گئی ہے جو میدان کی سطح سے ۱۵ فیٹ بلند ہے۔ عبادت خانہ اور متعلقہ صحنوں کے چاروں طرف کی دیواریں بیحد پختہ اینٹوں کی ہیں۔ جن کی لمبائی ہزار فیٹ چوڑائی ۱۵ فیٹ اور اونچائی ۳۵ فیٹ ہے۔ دربان کے لئے ایک چھوٹا چوکور مکان بنا ہے اور ایک تراشے ہوئے پتھر کا جمیل و جلیل پھاٹک لگا ہوا ہے جس پر کثرت سے تصویر دار حرف کندہ ہیں پھاٹک سے داخل ہو کر اور ایک روضہ سے گزر کر جس کے دونوں طرف دو جنسی مورتیں ہیں عبادت خانے تک پہنچتے ہیں اس عبادت خانے کی وضع

بے حد شاندار اور خوش منظر ہے۔ پیشگاہ پر خوبصورت کارنس ہے جس کے نیچے ۶ چوکور ستون ہیں اور ان کے پہلے اسیس (ایک مصری معبود) کے سر کی بڑی بڑی سنگین تصویریں ہیں ۲۴ مدور ستون چار چار قطاروں میں بنائے گئے ہیں جن پر کل عمارت کی چھت قائم ہے ان ستونوں کے پائے چوپہل ہیں۔ اور ہر پہلو میں ایک عبادت خانے کی تصویر کندہ ہے جسکی پیشگاہ کے نیچے کسی معبود کی صورت نظر آتی ہے ستونوں کی اونچائی ۴۶ فیٹ ہے اور ان سب پر تصویری حروف گہرائی کے ساتھ کندہ ہیں۔

عبادت خانے کی اندرونی دیواریں اسیس اور دوسرے معبودوں کی اشکال سے آراستہ ہیں چھت کے قطعی درمیان میں قدیم مصریوں کے مذہب کی رو سے نہایت آرائش کے ساتھ پردار کرۂ زمین اور "مقدس گدھ" کی تصویریں انتہائے صنعت و کمال کے ساتھ کندہ ہیں گدھ مصر کے بادشاہ اور پہلوانوں کے محافظ خیال کئے جاتے تھے چھت کے باقی گوشوں میں بھی بہت سے بت ترشے ہوئے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصریوں کے تمام بتوں کی تصویریں اس عبادت خانے میں کندہ ہیں۔ لوگ اس چھت پر ایک زینہ کے ذریعہ چڑھتے ہیں جس کی سیڑھیاں پاس پاس بنائی گئی ہیں، اور غالباً اس میں یہ راز مضمر ہے کہ قربانی کی چیزیں آسانی سے اوپر پہونچ سکیں چھت کے اوپر "منطقۃ البروج" کی سی شکلیں ہیں جس کے سال تعمیر کے متعلق محققین میں اختلاف ہے لیکن ڈاکٹر رچرڈسن کی یہ رائے ہے۔ کہ یہ اشکال "منطقۃ البروج" کی نہیں ہیں چونکہ برجوں کا شمار صحیح نہیں ہے مثلاً سرطان کی شکل نہیں پائی جاتی۔ اسی بنا پر رچرڈسن کا خیال ہے کہ وہ تمام شکلیں مصر کے فرضی دیوتاؤں کی ہیں جنہیں ممکن ہے تاریخ سے تعلق ہو لیکن علم ہیئت سے کچھ علاقہ نہیں۔ اس اصلی یا نقلی "منطقۃ البروج" کی "اصل" فرانس کے عجائب خانے میں موجود ہے پیشگاہ سے گذر کر لوگ عبادت خانے میں داخل ہوتے ہیں جہاں بہت سے پتھر یا لوا لود پڑے ہیں دونوں طرف ۲۴ ستون ہیں جو مورتوں اور تصویروں سے آراستہ ہیں اور چوپہل ستون اسیس کی مورت مرصع بنی ہوئی ہے۔

رچرڈسن لکھتا ہے۔ کہ ستونوں کے پیچھے دیواریں اسدرجہ آراستہ اور منقش ہیں جن کے دیکھنے سے کوئی قدیم ماجرا یاد آجاتا ہے۔ حالانکہ ذہن اُن تصویروں کا کوئی مطلب تجویز نہیں کر سکتا تاہم خیالی مفاہیم میں بھی ایک تلمیح پیدا ہوتی ہے اس کے بعد دوسرا حجرہ ہے جس میں ستون نہیں ہیں لیکن دیواریں آراستہ ہیں دوسرا حجرہ بھی ایسا ہی ہے اس کے متعلق بعض چھوٹی کوٹھریاں ہیں جن ستاروں شکلوں اور حروف مصور سے آراستہ ہیں۔ چھت کے کنارے پر نیلگون جھالر زنجیرہ بندی کے ساتھ بنی ہے آگے بڑھ کر ایک دوسرا حجرہ ہے جس کے درمیان مصریوں کا مقدس مکان ہے۔ جو حروف اور تصویروں سے مزین ہے۔ ڈینڈیرا کے عبادت خانے میں پہونچکر تصورات کی ایک محفل دماغ میں گرم ہو جاتی ہے۔

چھت پر جانے کے لئے زینہ ہے اس زینے کی سیڑھیاں سہل گذار ہیں۔ اور اسیس اوسیرس جہاز اور پجاریوں کی بڑی اشکال سے منقش ہیں۔ ان بتوں میں اور اشکال میں کس درجہ زندگی ہے مصوری کا کس قدر کمال ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دیکھتے ہی دیکھتے سب شکلیں یکایک بول اٹھیں گی یا چلنے پھرنے لگیں گی۔

سیاح جب اس عبادت خانے کی سیر کرتے ہیں تو یہاں کے ذرہ ذرہ پر عقل ٹھہر جاتی ہے اور آنکھ جھپک جاتی ہے چھت پر بھی دیوالی کی سی تصویریں کھدی ہوئی ہیں۔ نیچے اسیس دیوی کی مورت بے حد لاجواب ترشی ہوئی ہے بعض جگہ اس کا سر شیر ببر کا بنایا گیا ہے۔ اس کے ہاتھ میں اوسیرس کا عصا ہے اور دوسرے مواقع پر اسکی اسطرح تصویر کھینچی ہے کہ وہ ہورس دیوتا کو جس کے لئے پرستار سجدہ کرکے

قربانیاں گذارتے ہیں محبت کے ساتھ دودھ پلارہی ہے +

اس عبادت خانے میں مصر کے تمام قدیم عبادت خانوں سے زیادہ صفت ہے اشکال زیادہ ابھری ہوئی اور نمایاں ہیں بڑی عمارت سے سوگز کے فاصلے پر ایک چھوٹا عبادت خانہ ہے جس کے تین طرف ستون کھڑے ہوئے ہیں اور ہر ستون کے بیلنے پر چوگوشی چوکی ہے جس کے ایک ایک پہل پر توفان مصریوں کے ایک زبون دیو کی ہیبتناک شکل ترشی ہوئی ہے۔ وہ حیرت افزا باو فاجس کے منہ پر جھریاں پڑی ہیں دانت نکالے ہوئے چار زانو بیٹھا ہے سامنے اس کی نہایت بدشکل بیوی کھڑی ہے اور اس کے درمیان ہوروس (دیوتا) کنول پر بیٹھا ہونٹھ پر انگلی رکھے ہوئے خاموش ہے +

ایک اندرونی کمرہ کی دیوار پر بھی وہی اللہ کا ہوروس اس پلنگ پر بیٹھا ہوا نظر آتا ہے جو چار شیروں اور بارہ کھڑے ہوئے پایوں پر نصب ہے راسیس نجبرنی اور گائے کی مورت میں ہو کر ہوروس کو دودھ پلاتی ہے اور دونوں طرف بہت سی عورتوں کی تصویریں گودیوں میں لڑکے لئے ہوئے کندہ ہیں +

ایڈیٹر

یارانِ میکدہ

آج ہم اپنے معزز مے گساروں کے سامنے ایک بالکل نئی چیز پیش کرنا چاہتے ہیں۔ سوال کیجئے وہ نئی چیز کیا ہے؟ اک بزرگ ہستی باریش دراز جسم شحیم جس کا فلسفۂ حیات صرف "کھانا" اور رہنا ہے۔ وہ اپنے فلسفہ حیات کی صداقت کی دلیل ان الفاظ میں پیش کرتی ہے کہ خدا فرماتا ہے بیچ قرآن کے درمیان "وقلنا یا آدم اسکن انت وزوجک الجنۃ وکلا حیث شئتما" آپ اعتراض نہ کیجئے کہ جنت یہاں دنیا سے عبارت ہے +

مناسب تو یہی تھا کہ اس تمہید کے بعد خاموشی اختیار کر لی جاتی لیکن کچھ "یارانِ میکدہ" اور کچھ علامہ میر حسین کاشمیری کی لطافت طبع کا "خیال" کرتے ہوئے ہم آپ کو اس عجیب ہستی سے متعارف کئے دیتے ہیں۔ یوں سمجھ لیجئے کہ آپ کے ساتھ ساتھ اس وقت ہماری منصف و رحیم طبیعت جن بزرگ کی لطافت طبع کا خیال کیا ہے "وہی حضرت" ایک عجیب ہستی ہیں جنہیں ہم آپ سے متعارف کرانا چاہتے ہیں +

علامہ میر حسین کشمیری اڈیٹر اچھے بڑے اچھے بڑے اچھے آدمی ہیں بڑے شاعر بڑے شاعر بڑے شاعر ہیں۔ آپ ایک تجربہ کار مدیر بھی ہیں "ضیافت پنج" لاہور سے ایک ہفتہ وار اخبار آپ کی اڈیٹری میں شائع ہوتا ہے آپ کی شاعری مسرت آفرینی کے علاوہ اشتہا انگیز بھی ہے۔ جس وقت علامہ صاحب کا کوئی شعر سماعت میں گونجتا ہے۔ تو فم معدہ میں ایک انگڑائی پیدا ہونے لگتی ہے ہاں ایک بات تو ہم بھول ہی گئے۔ آپ کا تخلص سوختہ ہے مگر ہمارے خیال میں "لقمہ" ہونا چاہئے۔ خیر اس وقت ان کی ایک غزل ملاحظہ فرمائیے۔ فرماتے ہیں +

بحر قلزم جو بہہ جائے کا دریا ہو کر
عکس خورشید نظر آئے گا کلچہ ہو کر

اترے مہتاب زمیں پر جو پراٹھا ہو کر
انجم چرخ بریں آئے پکوڑا ہو کر

شوربا قاب میں بہتا ہو جو دریا ہو کر
حلق لبیک کہے کیوں نہ کشادہ ہو کر

لطف کھانے کا جو آیا بھی تو بھوکا ہو کر
سوکھی روٹی بھی گئی حلق میں حلوا ہو کر

اے طبیبو کوئی تدبیر بتا دو ایسی
چائے نسخوں میں لکھی جائے بنفشہ ہو کر

کوفتے خواب میں بھی تو جو برہمن کھائے
توڑ دیں تپ کو تری آلو بخارا ہو کر

عقد بریانی کا جس وقت تنجن سے ہوا
لٹ گئے مفت میں واں شیخ چھوارا ہو کر

فرقتِ قاب میں کی پیر نے اتنی زاری
گھل گئی ریش بچارے کی بتاشا ہو کر

نوع اجناس کو حاصل ہوا پہلوئے نجات
پہلوئے دیگ میں مل جل کے حریسہ ہو کر

اپنی ہستی سے گذر جا ہے جو دنیا میں فروغ
قدر شلغم کی ہوئی دیگ میں کشتہ ہو کر

ہو نہ مغرور سرِ دار پہ چڑھ کر منصور
چڑھ گئے سینکڑوں یاں سیخ پہ قیمہ ہو کر

قحط سالی میں نہ رکھ سوختہ امید پلاؤ
پس گئے سینکڑوں اس آس میں دلیا ہو کر

کلیجہ۔ بیر اٹھا۔ بکوڑا۔ شوربہ۔ حلوا۔ چائے۔ کوفتے۔ بریانی۔ متنجن۔ بتاشا۔ چھوارا۔ حریرہ۔ شلجم۔ قیمہ۔ پلاؤ۔ دلیا۔ غرضکہ کوئی نعمت ایسی نہیں جو اس خوانِ یغما پر موجود نہو۔ لیکن دیکھئے دال کا نام کہیں بھی نہ آیا۔ اس لئے کہ یہ توہینِ شکم تھی +

ہمارے علامہ "بوتگا کانفرنس" کے ایک رکنِ خصوصی بھی ہیں۔ اس کانفرنس میں جتنے بوتگے جمع ہوتے ہیں اُن سب کا اصول واحد وہی کلوا واشربو ہوتا ہے۔ اور ہر ریزولیشن میں ماکولات و مشروبات کا جزو ضرور شریک رہتا ہے۔ جو شخص کسی ریزولیشن کی مخالفت کرتا ہے اُس کے سامنے سے فواکھات یا ماکولات کی پلیٹ فوراً ہٹالی جاتی ہے۔ اور جو لوگ متفق علیہ ہوتے ہیں وہ خوب کھاتے ہیں۔ بوتگا کانفرنس کے ممبر بڑے بڑے شریف اور معزز شخص ہوتے ہیں اس کانفرنس کا مقصد اقصیٰ ملک میں زندہ دلی اور حقیقی مسرت پیدا کرنا ہے۔ جو زندہ دلانِ پنجاب کی ایک مجلسِ عمل ہے "خوش باش دمے کہ زندگانی اینست"

یورپ میں ایسی مجلسیں بکثرت نظر آتی ہیں۔ مگر ہندوستان میں ابھی ان کا زیادہ چرچا نہیں ہے۔ یہ اس بے حسی اور خشکی کا سبب ہے جس نے دماغوں کو بے کار اور مہمل بنا دیا ہے۔ سنجیدگی اپنی حدوں سے گذر کر پژمردگی اور مردہ دلی تک پہونچ چکی ہے۔ جس قوم میں یہ عنصر زیادہ ہو جاتا ہے وہ خوش دلی اور حقیقی مسرت سے بالکل محروم ہو جاتی ہے +

ہم نے علامہ میر حسین کشمیری (زید اللہ ظرافتہٗ) سے گذارش کی ہے کہ وہ یارانِ میکدہ کے لئے مستقلاً اپنے ظریفانہ رنگ میں کچھ لکھتے رہیں۔ اور آپ یہ سنکر بے حد خوش ہوں گے کہ علامہ موصوف نے ہماری درخواست کو بخندہ پیشانی قبول فرما لیا ہے۔ آئندہ نمبر سے انہیں صفحات پر آپ کو زندہ دلی کے بہترین نمونے نظر آئیں گے۔ اور یارانِ میکدہ کا حلقہ اثر محدود ہونے کے الزام سے بری ہو جائیگا۔

میری رائے میں ضرورت ہے کہ اس خوانِ طرب اور صفِ زندگی پر اُن لوگوں کو بھی دعوت دی جائے جو "خندہ" کو بد تہذیبی، اور مسرت کو بد اخلاقی سمجھتے ہیں۔ جن کے یہاں تہذیب و اخلاق صرف متانت کی گھٹن کا نام ہے۔ اور جنہیں یہ خبر نہیں کہ "ہنسنا" بعض جسمانی نقائص کی بہترین اصلاح ہے۔ جسے طب اور فلسفہ دونوں تسلیم کرتے ہیں۔ مذہب نے غالباً اس ہنسنے کو عیب قرار دیا ہے جس کا اثر استہزاء تک پہنچتا ہو۔ مگر جہاں تک خوشدلی۔ تفریح۔ اور زندگی کا تعلق ہے "ہنسنے" میں کوئی عیب نظر نہیں آتا۔ عملی تجربہ کر کے ابھی دیکھ لیجئے +

"س"

الہامات

پیمانہ

مارچ سنہ ۱۹۲۶ء

خلاصۃ الباب

(۱) علامۂ سیماب صدیقی الوارثی اکبرآبادی
(۲) سید کلب احمد مانی جائسی
(۳) مولوی مسعود علی محوی بی اے رکن دارالترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی (دکن)
(۴) حضرتِ جگر مرادآبادی
(۵) حضرت محمود اعظم فہمی (بھوپالی)

کلام المشاہیر تازہ ترین و غیر مطبوعہ

علّامہ سیماب اکبر آبادی

یہ غزل مولانا نے مشاعرۂ جموں کے لئے جموں کی فضائے کشمیر داماں میں کہی تھی۔ ذوق سلیم و ذہن فہیم رکھنے والے خود فیصلہ کرسکتے ہیں کہ مولانا کی غزل اس زمین میں کس پایہ کی ہے۔ جموں کے مشاعرہ میں اگر یہ غزل متفقہ طور پر حاصل مشاعرہ اور حاصل زمین ثابت ہوئی تو کچھ تعجب کی بات نہیں۔ میں تو ان حدودِ متعارفہ سے باہر نکلکر بھی اس غزل کے ہر شعر کو حاصل ذوق سمجھتا ہوں۔ اس مشاعرہ میں صرف چار چھ غزلیں نہیں تھیں بلکہ اُن لوگوں کے علاوہ جنکی شرکت کی اطلاع کسی نہ کسی طرح آپ تک پہنچ چکی ہے۔ سید عابد علی عابد بی اے۔ اقرؔ صہبائی۔ جلال الدین اکبرؔ۔ حکیم سوزؔ اور جناب رشید دہلوی بھی شریک بزم تھے۔ اگر عنادِ فی الحقیقت عبادت ضمیر ہے تو اس غزل کی کامیابی کی شہادت وہ کان دیں گے جن میں اب تک تحسین و آفرین کی گونج باقی ہے۔

میں کوشش کروں گا کہ پیمانہ میں وہ غزلیں بھی شائع کروں جو مطبوعہ غزلوں کے علاوہ مشاعرۂ جموں میں پڑھی گئیں۔

ایڈیٹر

پائے فضا میں لغزشِ مستانہ چاہیئے — ہر ذرۂ خراب میں میخانہ چاہیئے

سب سے الگ پرستشِ جانانہ چاہیئے — اے برہمن خیال میں بتخانہ چاہیئے

توجیہ کچھ تو لغزشِ پائے نظر کی ہو — چوٹی پہ کوہِ طور کی میخانہ چاہیئے

ساقی سے گفتگو میں رہے احتیاطِ کیف — ہر بات میں تخاطبِ مستانہ چاہیئے

ہنگامۂ بہار سے گھبرا گیا ہے دل — مجھکو سکونِ خامشِ ویرانہ چاہیئے

جو چاہتی ہے ذوقِ تماشا کی نازشیں — اُس آنکھ میں نیازِ کلیمانہ چاہیئے

ہر انجمن میں موقعِ وجدان و رقص ہے — آزادئ طبیعتِ پروانہ چاہیئے

اے جانے والے نجد کے لازم ہے ترکِ عشق — کچھ احترامِ تربتِ دیوانہ چاہیئے

بت ہوں نہ ہوں بتوں سے تعلق ضرور ہو — کعبہ میں بھی نشاطِ صنم خانہ چاہیئے

رنگِ بساطِ دیر و حرم ہے بہت خراب — ان خشکیوں میں بارشِ پیمانہ چاہیئے

وہ شاخِ نے ہو یا ہو گلوئے مغنیہ! — مجھکو تو ایک نغمۂ مستانہ چاہیئے

ہر میکدہ کا صحن جہانِ نشاط ہے | رنگینیوں میں فطرت پیمانہ چاہیئے
نیرنگِ انقلاب ہیں راتیں بہار کی | صبح چمن کو روز اک افسانہ چاہیئے
بے بادہ سادہ ہیں تری آنکھوں کی گردشیں | ان گردشوں کے ہاتھ میں پیمانہ چاہیئے
اے شوقِ بزمِ دوست گرانبارِ غم نہ کر | دل میں نزاکتِ پر پروانہ چاہیئے
اے دل یہ پچھلی رات یہ تسکین کائنات | اس وقت ایک نعرۂ مستانہ چاہیئے

سیماب راہِ عشق میں قسمت کے کھیل ہیں
بننے کو صرف ہمت مردانہ چاہیئے

حضرت مانی جائسی

شوق دیکھو خنجرِ قاتل جو عریاں ہو گیا | روح بن کر دل رگِ گردن میں پنہاں ہو گیا
جذبۂ دیوانگی زیبِ گلستاں ہو گیا | یا جنوں کا جوش ممنونِ بہاراں ہو گیا
ہر نفس ہے سعیِ آزادی میں اک دامِ امید | میں تو تھا ہی دل بھی یوں پابندِ زنداں ہو گیا
دیکھ آئینہ ہے تیرے اقتدارِ حسن کا | وہ زمیں جس کا لقب گورِ غریباں ہو گیا
کیا بہار آئے گی اب میں نے تو دیکھا ہے کہ جب | آشیاں میرا لٹا گلزار ویراں ہو گیا
اول اول اک رگِ دل میری ساری روح تھی | اب یہ عالم ہے کہ دل سارا رگِ جاں ہو گیا
آخر اک مقصود میرا بھی ہے کیوں کافر نہیں | اور جو میں کافر ہوں تو کیسے مسلماں ہو گیا
ہاں محبت راز ہے کیسا اہم کتنا عظیم | یہ کمالِ سرِ پنہاں ہے کہ عریاں ہو گیا
جلوتِ تصویر ہو یا خلوتِ تصویر ہو | تو جب آیا اور جہاں آیا چراغاں ہو گیا
اک خلش کی آرزو تھی جو مرا دل بن گئی | ایک عنوانِ تعارف تھا کہ پیکاں ہو گیا

پردۂ دل میں تھا اے مانی نہاں رازِ وجود
موت کیا آئی کہ اب وہ رازِ عریاں ہو گیا

حضرت محوی بی اے

بچشم خیرہ بہر سو کہ بنگری خیر است | جمال کعبہ نمایاں ز عارض دیر است

مرد مرو کہ تہی کردہ ایم دل از غیر — بیا بیا کہ نہ ایں خانۂ غیر است
جہاں بگرد تو پرکار وار میگردد — تو ساکنی و ہمہ کائنات در سیر است
بدرد بلبل اگر گل نمی رسد چہ عجب — کہ گوش گل نہ شناسائے منطق الطیر است
میان شیخ و برہمن کہ برحق است ہمیں — چو حق نہ جانب کعبہ نہ جانب دیر است
گذشت عمر بخیالش مگر ز سر نگذشت — کہ گفتہ است کہ ایں کاروان بیک سیر است
خدا غفور و رتو بہ باز خواجہ کریم — مباش غم زدہ محوی کہ عاقبت خیر است

حضرت جگر مرادآبادی

لے کے نکلا ہے مرا جوشِ لطافت مجھکو — خوب پہچان لے آج اے مری صورت مجھکو
منزلِ غم میں کہاں وقفۂ راحت مجھکو — ہر نفس تازہ ہے درپیش قیامت مجھکو
گر پڑی ندرتِ تعین کدہ ہستی میں — کاش ہوتا ہی نہ احساس محبت مجھکو
رند میخوار وہ ہوں سجدۂ ہستی میں — ہر خم موج ہے محرابِ عبادت مجھکو
گل و ویرانہ کو کیا اہل ہوس سے مطلب — تنگ ہے میری پریشانی نکہت مجھکو
اڑ چلا ہوں نگہِ یار سے شوخی لے کر — اب جو ممکن ہو تو روکے مری حیرت مجھکو
لے لیا کام جو لینا تھا غم ہستی نے — گرچہ ثابت نہ ہوئی میری ضرورت مجھکو

حضرت فہمی ترمذی

اصلِ ہستی جز نزاعِ راحت و کاہش نہیں — کون دنیا میں ہیں رنج و آسائش نہیں
مایۂ صد ناز تیرا انتسابِ حُسن ہے — ورنہ ذوقِ عاشقی سرمایۂ نازش نہیں
دل ہے مایوسِ تمنا آنکھ محرومِ جمال — اب کوئی میرے لئے دنیا میں آسائش نہیں
جز جگر کاوی نہ تھا کچھ سعیٔ نشتر کا مآل — اب مرے پہلو میں وہ سوزش نہیں کاوش نہیں
اشک کا ایک ایک قطرہ صرفِ ماتم ہو چکا — میری چشم خونفشاں محتاج فہمائش نہیں
ہو چکا شاید امیدِ زیست کا قصہ تمام — آج کچھ اشکوں میں رنگِ خون کی آمیزش نہیں
محشرستانِ تمنا میں وہ ہنگامے کہاں — اب دلِ افسردہ برادرِ خورِ شورش نہیں،
کائناتِ عشق کے آثارِ حیرت خیز میں — ایک دل باقی ہے اسکی بھی کوئی پرسش نہیں
حسن بیتابِ نمائش عشق مشتاقِ جمال — لو مبارک "خوفِ رسوائی" کی گنجائش نہیں،

منبت کاری کے نہایت نفیس و بے نظیر بیل بوٹے پھول پتے بنے ہین محمد شاہ کی قبر کے علاوہ اور بھی کئی قبرین اسکے اندر بنی ہین۔

حجرۂ میرزا جہانگیر

میرزا جہانگیر محمد اکبر شاہ ثانی کے بیٹے تھے ۔ ۱۲۴۸ھ / ۱۸۳۲ع بمقام الہ آباد اُن کا انتقال ہوا اور لاش درگاہ حضرت نظام الدین اولیا رح کے صحن مین دفن کیگئی۔ اُن کی والدہ نے جنکا خطاب ممتاز محل تہا اس حجرہ کو بنوایا جو بہت شفاف سنگ مرمر کا ہے اور اُس مین ایسی باریک اور خوبصورت جالیان لگی ہین جنکی تعریف نہین ہوسکتی دیکہنے سے تعلق رکھتی ہین۔

مقبرۂ ہمایون

شاہجہان آباد سے ڈہائی کوس جنوب کی جانب قدیم دہلی (کیلوکھڑی) کے کہنڈرون مین یہہ عالیشان اور خوشنما مقبرہ واقع ہے۔ جسکی تعریف مین کسی شاعر کا یہ شعر مشہور ہے ؎

ہر کہ میخواہد کہ بیند شکل فردوس برین — گو بیا این قصر و این باغ ہمایون را ببین

ہمایون بادشاہ نے اپنی زندگی میں اس جگہہ ایک رفیع الشان قصر تعمیر کرایا تہا جسکی ایک محراب مین شیخ آذری کا یہ مطلع بہت خوشخط لکہوایا تہا ؎ شنیدہ ام کہ برین طارم زر اندود است۔ خطیکہ عاقبت کار جملہ محمود است۔

اتفاق سے انہی دنون مین بادشاہ کا انتقال ہوگیا اور اُسی قصر مین دفن کئے گئے۔ اس پر بیکسی غزنوی نے یہ قطعہ موزون کیا ہے۔

درین کہ شاہ ہمایون بوقت رحلت خویش — نوشت بر در سر منزل کہ ساکن بود
خطیکہ عاقبت جملہ کار محمود است — بحُسن عاقبت بود اشارتے فرمود
چو شد بحکم قضا مدفنش ہمان منزل — کہ بود قبلۂ حاجات و کعبۂ مقصود
بنابرین پئے تاریخ رحلتش گفتم — بنائے منزلِ سُلطان عاقبت محمود

یہہ دلکش عمارت ایک بلند مربع چبوترہ پر واقع ہے جس مین نہایت خوشنما محرابین بنائی گئی ہین۔ مقبرہ مثمن ہے جسکے اوپر سنگ مرمر کا عالیشان گنبد اور گوشون مین ایک ایک مثمن کمرہ بنا ہوا ہے۔ سنگ سُرخ اور سنگ مرمر دونون قسم کے پتھر سے یہ مقبرہ تعمیر کیا گیا ہے صناعان باکمال نے منبت کاری کا اسمین کمال دکہایا ہے۔ مقبرہ کے چارون طرف چار رفیع الشان دروازے ہین۔ کسی زمانہ مین اس کا وسیع باغ بہی بہت آراستہ تہا۔ چارون طرف نہرین جاری تہین حوضون مین فوارے چھوٹتے تہے۔ اب باغ کی گذشتہ سرسبزی اور خوبصورتی بہت کم باقی ہے۔ ۹۷۳ھ / ۱۵۶۵ع مین حاجی بیگم زوجۂ ہمایون کے حکم سے اس مقبرہ کی تعمیر میرک میرزا غیاث کے اہتمام سے شروع ہوئی اور نو دس برس کے عرصہ مین پندرہ لاکھہ روپیہ کے صرف سے کل عمارت تیار ہوئی۔ اسمین شاہی خاندان کے کئی بادشاہ اور بہت سے شاہزادون

اور شہزادیوں اور بیگمات کی قبریں ہیں۔ قریب ہی حاجی بیگم کی بنائی ہوئی عرب سرا واقع ہے جسکے اندر اب آبادی ہے۔ لیکن ایک قدیم دروازہ بہت شاندار اور خوبصورت موجود ہے۔

مقبرہ و مسجد عیسیٰ خان

عرب سرا کے پاس ایک احاطہ کے اندر جو کوٹلہ عیسیٰ خان کے نام سے موسوم ہے۔ عیسیٰ خان کا مقبرہ اور مسجد بنی ہوئی ہے۔ یہہ عیسیٰ خان سلیم شاہ سور کے بڑے نامی امیروں میں تھے۔ مقبرہ کی عمارت بہت خوبصورت ہے۔ درمیان میں گنبد اور چاروں طرف غلام گردش سنگ خارا اور چونے سے بنی ہوئی ہے۔ اور اوس پر یہہ کتبہ کندہ ہے "بناکرد این روضہ جنت بنا در عہد دولت اسلام شاہ ابن شیرشاہ خلد اللہ ملکہ و سلطانہ۔ مسند عالی عیسیٰ خان ابن اغوان حجاب خاص بتاریخ نہصد و پنجاہ و چہار ۹۵۴ ہجری"

نیلی چہتری یا مقبرۂ نوبت خان

یہ مقبرہ پرانے قلعہ کے پاس واقع ہے۔ نواب نوبت خان نے ۹۷۳ھ ۱۵۶۵ء میں اسکو تعمیر کرایا تہا۔ اسکے گنبد پر نیلے رنگ کی مینی کا بہت نفیس کام تہا۔ اسی وجہہ سے یہ نیلی چہتری کے نام سے مشہور ہے۔ اسکے دروازہ پر یہہ کتبہ کندہ ہے

بہ مین خوش منظر عالی مقامے — درین عالم ندیدہ چشم ایام
پئے تاریخ اتمامش خرد را — چو پرسیدم بگفتا یافت اتمام

مقبرۂ خانخانان

یہہ مقبرہ بارہ پلہ اور مقبرہ ہمایون کے پاس واقع ہے۔ میرزا عبدالرحیم خانخانان جو اکبر اور جہانگیر کے زمانہ کے نہایت مشہور و معروف امیر تہے۔ اسمین آسودہ ہیں جن کا انتقال ۱۰۳۶ھ ۱۶۲۶ء میں ہوا تہا یہہ مقبرہ بہت خوبصورت سنگ مرمر اور سنگ سرخ سے بنایا گیا تہا اور اس مین نہایت نفیس پچیکاری کا کام تہا۔ آصف الدولہ کے عہد میں اس کا تمام پتہر اکھڑوا دیا گیا۔ اب محض سادہ چونے کی عمارت باقی ہے۔

نیلا برج

یہہ مقبرہ میرزا عبدالرحیم خان خانخانان کے مشہور غلام میان فہیم کا ہے جن کی نسبت اب تک یہ فقرہ ضرب المثل ہو کر خاص و عام کی زبان پر ہے یہ کہ "مکین خانخانان اڑائین میان فہیم" ۱۰۳۳ھ ۱۶۲۳ء میں اپنے آقا کی حمایت میں مع اپنے بیٹے اور چالیس

رفیقوں کے مہابت خان سے لڑ کر مارا گیا غالباً خانخانان نے یہ مقبرہ بنوایا ہوگا۔ اس کے برج پر ایسی خوشرنگ اور خوبصورت چینی کاری اور رنگ آمیزی کی ہوئی ہے کہ دیکھنے سے علاقہ رکھتی ہے۔ برج بالکل نیلے رنگ کا ہے۔ جو ہمایون کے مقبرہ کے قریب واقع ہے۔

مقبرۂ اتگہ خان

یہہ خان اعظم شمس الدین محمد خان غزنوی کا مقبرہ ہے جو اکبر کی اتا کے خاوند تھے۔ یہہ ۹۶۹ھ ۱۵۶۲ء مین ادہم خان کے ہاتھہ سے شہید ہوئے۔ بادشاہ نے ان کے قصاص مین ادہم خان کو قلعہ سے گروا کر مروا ڈالا۔ ان کے قطعہ تاریخ کا آخری شعر یہہ ہے

کاش سالی دگر شہید شدے   کہ شدے سال فوت خان شہید

یہہ مقبرہ سنگ سرخ اور سنگ مرمر کا بہت خوبصورت بنا ہوا ہے اور درگاہ حضرت سلطان نظام الدین اولیا کے قریب واقع ہے۔ اسپر آیات قرآنی اور بیل بوٹے بہت خوبصورتی سے کندہ ہین ۹۷۴ھ ۱۵۶۶ء مین کوکلتاش خان پسر خان اعظم نے تعمیر کرایا تھا۔

چونسٹھہ کھنبہ

یہہ بے نظیر مقبرہ بھی درگاہ کے قریب واقع ہے۔ اسمین میرزا عزیز کوکلتاش خان خان اعظم کے بیٹے اور عہد اکبری اور جہانگیری کے مشہور امیر کی قبر ہے۔ اسکی خوش قطع عمارت خالص سنگ مرمر کی ہے جسکی چھت سنگ مرمر کے ۶۴ ستونون پر قایم ہے۔ اسکی محرابون کا لداؤ اور ستونون کی قطع بہت خوشنما ہے۔ ۱۰۳۲ھ ۱۶۲۴ء مین احمد آباد گجرات مین کوکلتاش خان کا انتقال ہوا۔

مقبرۂ صفدر جنگ

قطب صاحب کے راستہ مین منصور علیخان صفدر جنگ وزیر احمد شاہ بادشاہ کا مقبرہ واقع ہے جو سر سے پاؤن تک سنگ سرخ سے بنا ہوا ہے اور جا بجا سنگ مرمر کی دھاریان اور چوکے لگے ہوئے ہین۔ گنبد خالص سنگ مرمر کا ہی جس کا اندرونی حصہ بھی اجارہ تک سنگ مرمر کا ہے۔ اس مقبرہ کی عمارت نہایت عظیم الشان اور ایسی نازک اور باریک ہے کہ اپنا نظیر نہیں رکھتی چہاردیواری کے چارون کونون پر ایک ایک گنبد ہے جسمین سنگ سرخ کی خوبصورت جالیان لگی ہوئی ہیں۔ مقبرہ کے چارون طرف چار نہرین جاری ہین۔ تین طرف خوش قطع مکانات بنے ہین۔ جنوبی جانب کا مکان موتی محل اور مغربی جانب کا جنگلی محل اور شمالی جانب کا بادشاہ پسند کہلاتا ہے۔ مشرقی ضلع مین نہایت عالیشان دروازہ ہے۔ جسکے قریب

شمالی جانب سنگ سرخ کی نہایت نفیس و پاکیزہ مسجد بنی ہوئی ہے۔ یہہ مقبرہ ۱۱۶۶ھ ۱۷۵۳ء کے بعد شیدی بلال محمد خان کے اہتمام مین تعمیر ہوا تہا۔ اس مقبرہ کے سامنے پٹھانون کے عہد کا ایک خوشنما گنبد واقع ہے اور اسی کے قریب ایک اور مسجد اور خوبصورت مقبرہ بنا ہوا ہے۔

پُرانا قلعہ

یہہ قلعہ شاہجہان آباد سے دو کوس کے فاصلہ پر جنوب کی طرف واقع ہے۔ سمت ۴۴ مین راجہ اننگپال نے اس جگہہ قلعہ تعمیر کرایا تہا۔ لیکن اس عمارت کا اب نام و نشان باقی نہین رہا۔ ۹۳۸ھ ۱۵۳۳ء مین موجودہ عمارت کو ہمایون بادشاہ نے تعمیر کرا کر دین پناہ نام رکہا۔ اب پُرانے قلعہ کے نام سے مشہور اور بالکل ویران ہے۔ مسجد و مدرسہ ماہم بیگم اور شاہجہان بادشاہ کے خاص محل (تعمیر شدہ ۱۰۴۲ھ) تک کہنڈرات کے علاوہ ایک خوبصورت اور عظیم الشان مسجد اور ایک مکان موسوم شیر منڈل کسی قدر اچہی حالت مین موجود ہے۔ یہ مسجد شیر شاہ بادشاہ کی بنوائی ہوئی پانچ در کی ہے اور اس عہد کی عمارتون مین نہایت خوش قطع اور بے نظیر ہے۔ اگرچہ اسکی عمارت سنگ خارا کی ہے لیکن ردکارین سنگ سرخ اور سنگ مرمر خوبصورتی سے لگایا گیا ہے۔ محرابون پر خط نسخ اور خط کوفی مین آیات قرآنی کندہ ہین۔ صحن مین مثمن حوض ہے۔ محرابون اور گوشون پر تحفہ منبت کاری اور پچیکاری کی ہوئی ہے۔ اور اسکا نہایت خوبصورت اور مضبوط ہے۔ مسجد کے قریب سنگ سرخ کی ایک عمارت نہایت بلند ہشت پہلو ہے جسکو شیر شاہ مشہور نے ۹۴۸ھ ۱۵۴۱ء مین تعمیر کرا کر شیر منڈل کے نام سے موسوم کیا تہا۔ اسکے درمیان مین ایک کمرہ اور چارون طرف غلام گردش ہے اور چہت پر ایک برجی بنی ہے۔ جسپر سے دور دور تک کا نظارہ پیش نظر ہو جاتا ہے۔ اسپر بیٹہکر بادشاہ سیر کیا کرتے تہے۔ ہمایون نے دوبارہ ہندوستان مین آکر اس عمارت مین کتبخانہ رکہا تہا۔ ۹۶۲ھ ۱۵۵۵ء مین اسی عمارت سے گر کر ہمایون کا انتقال ہوا تہا۔

مسجد کہڑکی

دہلی قدیم مین ست پلے کے پاس یہہ مسجد واقع ہے اور چونکہ موضع کہڑکی مین ہے اسوجہہ سے مسجد کہڑکی کے نام سے موسوم ہے۔ اس مسجد کو ۷۸۹ھ مین فیروز شاہ تغلق کے وزیر خانجہان نے تعمیر کرایا تہا۔ اس وضع کی اور کوئی مسجد ہندوستان مین نہین ہے۔ یہہ چوکہونٹی ہے اور چارون طرف مربع خلوون کی درمیان مین ایک ایک مربع بطور تاج کے نکالا ہے۔ تین جانب دروازے مین اور قبلہ کی طرف بند ہے۔ مسجد مین بہت سے ستون ہین اور ایک ایک گنبد چارون تاج کے مربعون پر ہے۔ چہت پر نو جگہہ ملے ہوئے نو نو گنبد اور ہین۔ ہر گنبد کے نیچے چار چار ستون ہین۔ صحن مین چار چوک چہوٹے ہوئے ہین۔

موٹہہ کی مسجد

شاہجہان آباد سے تین چار کوس کے فاصلہ پر جنوب کی طرف مبارک پور کوٹلہ واقع ہے جسمین معز الدین ابو الفتح مبارکشاہ

مالک مطابع و ناشر حضرت جناب صدیقی الوارثی اکبر آبادی اور مالک و مدیر حضرت ساغر نظامی نے
[illegible] پریس میں چھپوایا اور قصر الادب دفتر پیمانہ لاہوری دروازہ لاہور سے شائع کیا۔